(اوم)

شری کشوری لال گوسوامی کے عجیب و غریب جاسوسی ناول

کا

چپلا

جوہر لطیف!

از

بابو کدار ناتھ صاحب خورشید ایڈیٹر سراغ لاہور

جسے

لالہ نراین دت سہگل اینڈ سنز بک سیلرز بیرون لوہاری دروازہ لاہور

نے

امرت پریس لاہور میں باہتمام لالہ درگا داس پرنٹر چھپوایا

بار دویم

تعداد ۱۰۰۰

قیمت عہر

نذر

شری کشوری لال جی!

غواص دُر بے بہا نذر کر سکتا ہے۔ جوہری جواہرات پیش کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ راجہ خلعت اور جاگیر دے سکتا ہے مگر میں کیا دوں گا؟ میرے پاس کیا ہے؟ سدا بہار پھولوں کا گلدستہ۔ یہ بھی میرا نہیں۔ یہ پھول تو آپکے گلستان تخیل سے ہی توڑے گئے ہیں قبول کیجئے۔ آپکی چیز تھی۔ آپ کے پاس آگئی۔

نذر گذارندہ

کدار ناتھ خورشید

چپلا

حصہ اوّل

پہلا باب

گھنشام کا خون ہو گیا۔ قاتل کا پتہ نہیں۔ بے چارہ رات کو کھانا کھا کر مکان کی تیسری منزل پر سو رہا تھا۔ نہ معلوم کون قتل کر گیا؟ کس ظالم نے یہ ظلم کیا۔ کس نے بیگناہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ چپلا! چپلا!! تیری قسمت پھوٹ گئی۔ جس کے ساتھ کل تیری شادی ہونے والی تھی۔ آج وہ اس دنیا سے چل بسا۔ اُس کی لاش تک کا پتہ نہیں۔ تیرے ہونے والے پتی موت کی زد میں آ چکے ہے۔ آہ! تیری تمام عمر رائگاں گئی۔ تیل اور ہلدی چڑھا بدن مٹی میں مل گیا۔ آرزوؤں اور تمناؤں پر اوس پڑ گئی۔ حسرتیں کند چھری سے حلال ہو گئیں۔ غنچہ امید شگفتگی سے پیشتر ہی مایوسی کے شرر بار جھونکے سے مرجھا گیا ؎

گھنشام اور چپلا کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ سب حیران انگشت بدندان! یہ کیا ہوا؟

قاتل کدھر سے آیا۔ اور کس وقت قتل کر گیا۔ مکان کی تیسری منزل پر جس کمرے میں گھنشام سویا تھا۔ وہ اندر سے چٹخنی کا تون بند تھا۔ کتنی ہی آوازیں دی گئیں زنجیر ہلائی گئی۔ لیکن صدائے برنخاست۔ بالآخر دروازہ توڑا گیا۔ اندر جا کر دیکھا کہ تمام کمرے میں خون کا دریا بہہ رہا ہے۔ پلنگ خون میں لت پت ہے۔ اور وہ نازک ہاتھ جو شادی کے کنگن سے مزین تھا۔ پلنگ پر کٹا ہوا پڑا ہے۔ باقی جسم کا پتہ نہیں

فوراً پولیس میں خبر دی گئی۔ شہر کے کوتوال نے آکر موقعہ دیکھا۔ اور تحقیقات شروع کر دی۔ کمرہ جس میں خون ہوا تھا مکان کی پشت پر تھا۔ اس میں دو کھڑکیاں تھیں نیچے ایک چھوٹی اور تنگ گلی تھی۔ اس گلی میں نیچ جاتی کے لوگ رہتے تھے۔ جن میں کئی گھرنائی۔ تیلی اور آہیروں کے تھے۔ کمرے میں کسی کے پاؤں کا نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور نہ نیچے گلی میں ہی خون کی کوئی بوند پائی گئی۔ ہاں! کچھ دور آگے جا کر ایک مکان کے سامنے فرش پر چند ایک قطرے خون کے نظر آئے۔ مکان کا صدر دروازہ بند تھا۔ جسے پولیس نے توڑ ڈالا۔ اور اندر جا کر دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔

بھولا آہیر جس کا یہ مکان تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا دالان میں ایک طرف پڑا تھا۔ تمام مکان میں خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ اس کی نوجوان لڑکی پتی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

بھولا کی عمر چالیس پینتالیس سال کی تھی۔ اس کی بیوی مر چکی تھی۔ سولہ سترہ سال کی ایک نہایت حسین اکلوتی لڑکی تھی۔ اس لڑکی کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ اور بدنصیبی سے دونوں بار ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ سیندور کا ڈورا اور سہاگ ازل سے ہی مقدر میں نہ تھا۔ اس لئے مایوس ہو کر باپ کے پاس ہی رہتی تھی۔

خون کے متعلق ہر شخص کی ایک جداگانہ رائے تھی۔ بعض کا خیال تھا۔ کہ پتی نے ہی اپنے باپ کو قتل کیا ہے۔ بعض کہتے تھے۔ کہ یہ سراسر خام خیالی ہے۔ بیٹی کا خون

اس قدر سفید ہو جائے۔ یہ ممکن نہیں۔ غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

پولیس نے پتّی کے بارے میں محلّے والوں سے تحقیقات کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ بظاہر اُس کا چال چلن خراب نہ تھا۔ تاہم رنگین مزاج اور خوب صورت ہونے کی وجہ سے ہمیشہ اپنے بناؤ سنگار میں محو رہتی تھی۔ کسی کے ہاں آتی جاتی نہ تھی۔ گھر میں دو چار بھینسیں تھیں۔ انہیں کے دودھ سے باپ بیٹی کی گذر اوقات ہوتی تھی۔ چھوٹی سی دودھ ملائی کی دکان کھول رکھی تھی۔ بھیروں پرشاد دودھ لینے کے لئے دکان کی بجائے اس کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ اُس کے جانے کا وقت شام کے آٹھ بجے کے قریب تھا۔ بھولا دکان پر رہتا تھا۔ وہ بھی اس سے دودھ لے جایا کرتا تھا۔

پولیس نے سوچا کہ ہو نہ ہو گھنشام اور بھولا کا قاتل بھیروں پرشاد ہی ہے۔ ممکن ہے کہ پتّی کے ساتھ اس کا ناجائز تعلق ہو۔ اور ادھر گھنشام بھی پتّی کے حسن کا سوختہ پروانہ ہو۔ رقابت کی آگ میں جل کر اور بھولا کو راستہ میں کانٹا سمجھ کر بھیروں پرشاد نے گھنشام اور بھولا کا خون کر دیا ہو۔ اور پتّی کو لے اڑا ہو۔ لیکن تعجب ہے کہ ایک رات میں ایک ہی محلّے میں دو دو خون ہو گئے۔ اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

یہ سوچ کر پولیس بھیروں پرشاد کے مکان کی طرف چلی۔ بھیروں کی ماں اُس وقت برتن صاف کر رہی تھی۔ اور اس کی کنواری بہن گھر میں جھاڑو دے رہی تھی کتا صحن میں لیٹا ہوا دھوپ سینک رہا تھا۔ پولیس دروازے پر آدھمکی۔ لال لال پگڑی دیکھ کر دونوں ماں بیٹیاں رونے اور چلّانے لگیں۔ پولیس نے گھر میں گھس کر بھیروں کو تلاش کیا۔ لیکن اسے گھر میں نہ پایا۔ تمام شہر چھان مارا۔ مگر پھر بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ اخباروں میں نوٹس نکالے۔ انعام مشتہر کئے گئے۔ لیکن پتہ نہ لگ سکا۔

پھولا کے بوڑھے پتا بابو شنکر پرشاد کا کلیجہ اس دل ہلا دینے والے واقعہ سے تھرّا اٹھا۔ ایک تو وہ پہلے ہی سے بیمار تھے۔ دوسرے گھنشام کے خون کا حال سن کر

اور بھی بُرا حال ہو گیا۔ چپلا کو ہلدی اور تیل چڑھ چکا تھا۔ آج ہی بیاہ کا دن تھا۔ لیکن افسوس تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ کیا کرایا سب اکارت گیا ہائے ابھاگنی چپلا اب تیرا کیا ہو گا؟

دوسرا باب

شنکر پرشاد جی ملیں پچاس روپے پر ملازم تھے۔ اُن کی زندگی دھارمک تھی رشوت لینا پاپ سمجھتے تھے۔ اس لئے بیس پچیس سال تک نوکری کرنے کے باوجود بھی مفلس و قلاش رہے۔

شنکر پرشاد کی عمر پچپن سال کی تھی۔ اُن کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ بڑے لڑکے کا نام ہر پرشاد تھا۔ اُن کی عمر پچیس سال تھی۔ اُن سے چھوٹا شیو پرشاد تھا۔ جو مشکل سے تئیس سال کا رہا ہو گا۔ مہادیو پرشاد اور شوا ناتھ پرشاد کی عمر اکیس اور پندرہ سال کی تھی۔ لڑکیوں میں سب سے بڑی لڑکی سوامنی بیوہ تھی۔ اُس کی عمر انیس سال کی تھی۔ کامنی۔ چپلا اور کنتی سترہ۔ تیرہ اور گیارہ سال کی تھیں۔ یہ تینوں کنواری تھیں۔ ہر پرشاد کی شادی بھیروں پرشاد کی بہن مالتی سے ہوئی تھی۔ انہوں نے انٹرنس تک تعلیم پائی تھی۔ اور تیس روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ شیو پرشاد ایف۔ اے میں پڑھتے تھے۔ لیکن کسی وجہ سے کالج چھوڑ دیا تھا۔ اور پندرہ روپے مہینے پر ایک مدرسے میں سکول ماسٹر ہو گئے تھے۔ شومئی قسمت سے وہ ملازمت بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ اور بے چارے بے روزگار ہو گئے مہادیو پرشاد بی۔ اے اور شوا ناتھ پرشاد ایف۔ اے میں تعلیم پاتے تھے۔

سداسنی آٹھ برس کی عمر میں بیاہی گئی تھی۔ لیکن چند مہینوں بعد ہی بیوہ ہوگئی تھی۔ بے چاری اپنی قسمت پر شاکر ہو کر رنڈاپے کی زندگی کاٹنے لگی۔ کامنی ابھی تک کنواری تھی۔ کیونکہ جوتشیوں نے اسے "اکشتی کنیا" بتلایا تھا اسلئے اُس سے کوئی شادی کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔ چپلا نے تیرھویں سال میں قدم رکھا تھا جس کے ساتھ اُس کی شادی ہونے والی تھی۔ اُس کا خون ہو گیا۔ کملنی ابھی تک پاٹھ شالہ میں پڑھتی تھی۔

متواتر آلام و افکار اور کام کی زیادتی نے شنکر پرشاد کو بستر دوست بنا دیا۔ مجبوراً دفتر سے ایک ماہ کی رخصت لی۔ اور جب ایک مہینے میں بھی صحت درست نہ ہوئی تو علی التواتر کئی مہینے رخصت پر رہے۔ یہ دیکھ کر جج صاحب نے انہیں پنشن دے دی۔ اور بابو ہیرا لال کو ان کی جگہ پر متعین کر دیا۔

عدالت کے ہرجے نے اندوختہ کا بھی صفایا کر دیا۔ اب غریب کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ کنبہ اتنا بڑا تھا۔ کہ معمولی اخراجات برداشت کرنا بھی آسان نہ تھا۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی۔ کہ آب و ہوا تبدیل کرنے کے لئے یہاں سے کہیں اور نکل جانا چاہئے۔ ورنہ صحت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے جان بنتی پر آ گئی۔ عجب کشمکش کا سامنا ہوا۔ لڑکوں نے آپس میں صلاح کر کے باپ کو برندابن بھیجنا چاہا۔ لیکن جب روپیہ ہی نہ ہو۔ تو صرف صلاح کیا کرے؟ ادھر گھر میں پانی نہیں۔ اُدھر برندابن کی تیاریاں!

چیت کا مہینہ اور شام کا وقت تھا۔ شنکر پرشاد مکان کی چھت پر کھاٹ بچھائے لیٹے ہوئے تھے۔ سداسنی سرہانے بیٹھی ہوئی سر میں تیل مل رہی تھی۔ کامنی پاؤں کے تلوے سہلا رہی تھی۔ چپلا بوڑھے باپ کو تلسی کرت رامائن خوش الحانی سے گا گا کر سنا رہی تھی۔ اور کملنی چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے پنکھا جھل رہی تھی۔ شیو پرشاد چھت کی منڈیر پر جھکے ہوئے گنگا کی پرشور روانی کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ مہادیو اور وشنو مطالعہ میں محو تھے۔

مہادیو: "اری پگلی! جب میرے پاس روپے ہونگے، تب ادر کیا؟"

اس پر سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ شنکر پرشاد نے آہستہ سے کدمبنی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ یہ گیت تجھے کس نے سکھایا؟

کدمبنی: "میم صاحبہ نے۔"

اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اتنے میں گھونگھٹ نکالے ہوئے اور ہاتھ میں ایک کٹورہ لئے ہوئے ماتنی وہاں آموجود ہوئی۔ اور کٹورہ سدامنی کے ہاتھ میں دے دیا۔

سدامنی نے بیمار باپ سے کہا۔ تھوڑا سا آم کا رس پی لیجئے۔

شنکر پرشاد: "کس نے بنایا ہے؟"

چپلا: "بھاوج نے۔"

شنکر پرشاد: "اچھا سدامنی تو دھیرے دھیرے دو چار چمچے میرے منہ میں ڈال دے۔"

آم کا رس پی کر شنکر پرشاد نے کروٹ لی۔ ہر پرشاد نے کہا۔ بابوجی ایک بات کہوں

شنکر پرشاد: "ہاں! بیٹا کہو!"

ہر پرشاد۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے۔ کہ آپ چند روز کے لئے پچھم چلے جائیں۔ آپ کی صحت اچھی ہو جائے گی۔"

شنکر پرشاد: "ہاں! ہم سے بھی وہ لوگ یہی کہتے ہیں۔"

ہر پرشاد: "تو پھر جانا چاہئے۔ اور ہم لوگوں کی بھی یہی رائے ہے۔ کہ کچھ دنوں کے لئے آپ برندابن یا ہردوار چلے جائیں۔"

شیو پرشاد: "جی ہاں! ضرور جانا چاہئے۔ نہ جانے سے آپ جلدی اچھے نہ ہو سکیں گے۔"

مہادیو: "بابوجی! اڑے بھیا نے آپکے جانے کی تمام تیاریاں کر لی ہیں۔ سب کام ٹھیک ہو گیا ہے۔"

کامنی: "ٹھیک ہے جانے میں ہرج ہی کیا ہے۔"

چپلا:۔ "ہاں بابوجی ضرور جائیے!"

سدامنی:۔ "جی ہاں! ضرور جانا چاہئے۔ تھوڑے دنوں کی تو بات ہے۔ دو ڈھائی مہینے گرمی کے۔ باہر کی ہوا کھائیں۔ آپ کی بیماری جاتی رہیگی"۔

کرمنی نے عجیب انداز سے انگلیاں نچا نچا کر کہا۔ کیا کہنا ہے؟ نہیں بابوجی! میں آپ کو کہیں نہ جانے دونگی۔ آپ یہیں رہیں۔

ہر پرشاد:۔ نہیں بابوجی! یہ صلاح آپ ضرور مان لیں"۔

شنکر پرشاد:۔ "بیٹا! ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ اور بیٹا ہر پرشاد! تم بھی تو اب بچے نہیں رہے۔ گھر کی حالت کیا تم سے کچھ چھپی ہے؟"

ہر پرشاد:۔ "ٹھیک ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بات یہ ہے۔ کہ اس وقت ہم دو بھائی اس قابل ہیں۔ کہ جس طرح ہو آپ کی خدمت کریں۔ اور اگر ہم لوگ اس وقت بھی آپ کے کام نہ آئینگے۔ تو ہماری زندگی پر لعنت و نفرین ہے"۔

اتنے میں شنکر پرشاد کی بیوی جوگ مایا وہاں پہنچ گئی۔ شنکر پرشاد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

جوگ مایا:۔ "کس بارے میں؟"

ہر پرشاد:۔ "ہم لوگوں کی رائے ہے۔ کہ بابوجی کچھ دنوں کے لئے برندابن یا ہردوار چلے جائیں۔ مرض جاتا رہے گا"۔

دیر تک اسی کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ آخر شنکر پرشاد نے کہا۔ کہ گھر چھوڑ کر ہم باہر نہیں جا سکتے۔ ممکن ہے۔ کہ واپس لوٹنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ اس لئے ہم چپلا کی شادی کئے بغیر کہیں نہ جائینگے۔ ہائے کمبخت جوتشیوں نے کامنی کو تو درگشٹی کنیا بتلا کر جنم بھر کنواری ہی رکھنا چاہا ہے۔ تو کیا چپلا کی بھی شادی نہ ہوگی"۔

چوتھا باب

زمانہ کے بے رحم ہاتھوں نے شنکر پرشاد کا کنبہ مفلسی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ان کی اپنی پنشن اور ہر پرشاد کی تنخواہ کا بہت بڑا حصہ ان کی دوا دارو اور ڈاکٹروں کی فیس میں خرچ ہو جایا کرتا تھا۔ کنبہ بھاری بھرکم تھا۔ پرورش و پرداخت ضروری تھی۔ اس لئے ہر پرشاد قرض لے لے کر اپنے بھائی بہنوں کی شکم پری کرتے رہے۔ اور سر پر قرضہ کا بوجھ لادتے رہے۔ گھر کی حالت سدامنی اور مالتی کو معلوم تھی۔ اور کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں۔ نند۔ بھاوج نے آپس میں صلاح کی۔ اور گھر کے کام دھندے کا بار اپنی گردن پہ لے لیا۔ نوکروں۔ چاکروں کو جواب دینے میں ہی مصلحت سمجھی۔

مالتی نے اپنے گھر کی پرانی دائی بدھیا کی ماں کو تخلیہ میں بلا کر کہا۔ دائی جی! تمہارے بال اسی گھر میں پکے ہیں۔ اور سب کو گودیوں کھلایا ہے۔ تمہارے جیسی بھلی اور نیک عورت کو جواب دیتے ہوئے مجھے خود دکھ محسوس ہوتا ہے۔ مگر کیا کروں۔ گھر کی حالت تم سے چھپی نہیں۔ تم ہی اس بات کو سمجھو۔ کہ اب تو دائی نوکروں کو تنخواہ تک نہیں ملتی۔ اس لئے اب تم ——————"

یہ سنکر بدھیا کی ماں نے مالتی کا منہ چڑھا کر اور انگلیاں نچا کر کہا۔ بس! بس!! چپ رہو۔ جاؤ۔ ہٹو۔ اپنا کام دیکھو۔ جب میں تنخواہ مانگوں گی۔ تو جھاڑو مار کر گھر سے نکال دینا۔ واہ! کل ڈولی سے اُتری اور آج پرلنے نوکروں کو جواب دینے لگی۔

بدھیا کی ماں بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے دوسری طرف چلی گئی۔ اور کام کاج میں مشغول ہو گئی۔ یہ دیکھ کر نند اور بھاوج نے مشورہ کیا۔ اور ایک دن اُس غریب بڈھیا سے بنا بات ہی لڑنے لگیں۔ لیکن اُس نے انگلیاں نچا نچا کر اپنی میٹھی باتوں سے

سداننی اور مالتی کے منہ پر مہر لگادی۔

تب مالتی نے رسوئیے براہمن کی طرف نظر کی۔ اس کی صلاح سے دوسرے دن سدانی نے مصرجی کو بلایا۔ اور نہایت عاجزی سے اپنی بری حالت کا اظہار کیا۔ مصر جی نے اپنی تنخواہ مانگی۔ اور کہا۔ کہ طلب ملتے ہی ہم چلے جائینگے۔

ادھر چھ مہینے سے مصرجی نے ایک پیسہ بھی نہیں پایا تھا۔ اس لئے چھ روپے مہینے کے حساب سے ان کے چھتیس روپے نکلتے تھے۔ ادھر گھر میں ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ مالتی نے بڈھیا کی ماں کو تنہائی میں لے جاکر سونے کا ایک زیور دیا۔ تاکہ اُسے بیچ کر مصرجی کی تنخواہ کا حساب بیباق کردے۔

بڑھیا نے پہلے تو بہت حیل وحجت کی۔ مگر بعد ازاں گھر کی نازک حالت دیکھ کر اور مصرجی کو ساتھ لے کر گھر سے باہر نکلی۔

مصرجی جاتے ہوئے بابو ہرپرشاد سے ملے۔ اور کہنے لگے۔ کہ بابو جی! اب میں نوکری نہ کروں گا۔

ہرپرشاد ـ ”کیوں؟“

مصرجی ـ ”میرے گھر سے خط آیا ہے۔ میں گھر جاؤں گا“

ہرپرشاد دل ہی دل میں کہنے لگے۔ مفلسی میں آٹا گیلا۔ مصرجی کی تنخواہ کہاں سے دی جائے گی۔ کئی مہینوں سے غریب کو ایک پیسہ تک نہیں دیا۔ یہ سوچتے سوچتے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ لیکن اس میں کیا تھا۔ مصرجی نے اتنے میں گھر کا راستہ لیا۔ بابو ہرپرشاد کو تعجب ہوا۔ کہ مصرجی بغیر تنخواہ لئے ہوئے چل دئے۔ خیر پھر بے جائینگے۔

بڈھیا کی ماں اور مصرجی بازار میں پہونچے۔ وہ زیور جو ایک قدیم یادگار تھی۔ بک گیا مصرجی کی تنخواہ ان کے حوالے کی گئی۔

بابو شیو پرشاد گھر کی حالت اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ رہے تھے۔ اور ل

۔۔۔ ل میں اپنی اور اپنے بھائی بہنوں کی بدقسمتی پر آنسو بہاتے تھے۔ ہائے افسوس! ۔۔۔ باپ چارپائی پر پڑے ہیں۔ بھائی بہن بھوکوں مر رہے ہیں۔ ایک مٹھی بھر چنے تک بھی میسر نہیں ہوتے کہ پیٹ کی آگ بجھائیں۔ میں نے تعلیم حاصل کی۔ مگر بالکل بے فائدہ۔ کوئی دس روپے ماہ کو بھی نہیں پوچھتا۔ خیر ایک بار پھر قسمت آزمائی کرتا ہوں۔ اور کلکتہ جاتا ہوں۔ اگر نوکری ۔۔ ملے گی۔ تو قلی کا کام ہی کروں گا۔ مجھ سے گھر کی یہ خستہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔

یہ سوچ کر شیو پرشاد اٹھے۔ اور پاپیادہ ہی کلکتہ کا رخ کیا۔ بیساکھ کا مہینہ تھا۔ ۔۔۔ تمازتِ آفتاب سے جھلسی جا رہی تھی۔ ہر چہار طرف آگ برس رہی تھی۔ شیو پرشاد دھول اڑاتے ہوئے جا رہے تھے۔ پیچھے سے گھڑگھڑاتی ہوئی ایک گاڑی آئی۔ شیو پرشاد ایک طرف کو ہٹ گئے۔ گاڑی سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ بابو ہر پرشاد اترے۔ اور کہنے لگے شیو پرشاد! اس قدر سخت دھوپ میں بغیر چھاتے کے اس طرف کہاں جا رہے ہو۔ یہ کہہ کر انہوں نے شیو پرشاد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے آگ کی چنگاری سے بارود جل اٹھتی ہے۔ اسی طرح آدمی کا دل بھی محبت سے بھرے ہوئے ہمدردانہ الفاظ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے۔ شیو پرشاد بھائی کے منہ سے محبت آمیز الفاظ سن کر اس طرح رونے لگے۔ جیسے ۔۔۔ پہاڑوں کی برف پگھل کر بہنے لگتی ہے۔

ہر پرشاد گھبرا اٹھے۔ یہ کیا ہوا؟ گھر پر تو خیریت ہے نہ؟ بھائی شیو پرشاد ۔۔۔ بتاؤ۔ روتے کیوں ہو؟

ان الفاظ میں نہ معلوم کیا جادو بھرا تھا۔ کہ شیو پرشاد اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ تب ہر پرشاد نے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی پر چڑھایا! گاڑی چلی۔ بھائی سے پوچھا۔ کہو! کیا بات ہے؟

پہلے تو شیو پرشاد خاموش رہے۔ مگر بعد ازاں کچھ سوچ سمجھ کر انہوں نے اپنے دل کا

تمام حال بھائی کے گوش گزار کر دیا۔

ہری پرشاد نے ہنسکر کہا: بھائی تم کیا کرتے ہو؟ محض اتنی سی بات پر گھبرا گئے۔ دنیا ایک کسوٹی ہے۔ انسان جب تک اس پر کسا نہیں جاتا۔ اُس میں پختگی نہیں آتی۔ ہم کو اس سے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ کھرا سونا تاؤ کھا کر اور بھی چمک اٹھتا ہے۔ امتحانات سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ کہکر انہوں نے جیب سے ایک خط نکالکر شیو پرشاد کو دیا۔

شیو پرشاد نے کہا یہ کیا ہے؟

ہری پرشاد: "یہ ایک سفارشی خط ہے۔ جو میں نے تمہاری ملازمت کے لئے ایک مہاتما سے کلکٹر صاحب کے نام لکھوایا ہے۔"

شیو پرشاد کو جیسے دولت ہاتھ آگئی۔ فوراً کھول کر پڑھنے لگے۔ خط انگریزی زبان میں تھا۔ جو مسٹر سمتھ نے کلکٹر صاحب کے نام لکھا تھا۔ اور جس میں شیو پرشاد کی زوردار سفارش کی تھی۔

بابو شیو پرشاد کچھ دیر تک غور سے اُس خط کو پڑھتے رہے۔ وہ حیران تھے۔ کہ چٹھی کے لکھنے والا سمتھ کون ہو سکتا ہے۔ مگر انہیں اس نام کا کوئی شخص یاد نہ آیا۔ بالآخر انہوں نے ہری پرشاد سے پوچھا۔ بھیا! یہ سمتھ صاحب کون ہیں؟

ہری پرشاد: "یہ انگریز ہیں اور ایک انگریزی اخبار کے ایڈیٹر ہیں۔"

شیو پرشاد: "تمہارے ان سے ملتے رہتے ہیں؟"

ہری پرشاد: "نہیں بارہا۔"

شیو پرشاد: "ان سے آپ کی ملاقات کیونکر ہوئی؟"

ہری پرشاد: "یہ سب باتیں پیچھے ہوتی رہینگی۔ اب تم اس خط کو لیکر کلکٹر صاحب کے پاس جاؤ۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔"

شیو پرشاد "ابھی جاؤں ؟"

ہر پرشاد "ہاں ! ابھی جاؤ۔ دیر کرنے سے کیا حاصل ؟"

پانچواں باب

دیکھتے دیکھتے گاڑی کچہری میں پہنچ گئی۔ بابو ہر پرشاد جی عدالت میں چلے گئے۔ اور بابو شیو پرشاد کلکٹر صاحب کے کمرے کی طرف چلے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے چپڑاسی کو چٹھی دی۔ اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن چپڑاسی نہ لوٹا۔ بابو شیو پرشاد ناامید ہو گئے مایوسی دمبدم بڑھنے لگی۔ اور تباہی کا ہیبتناک نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اتنے میں ہی اردلی باہر آیا۔ اور شیو پرشاد کو اپنے ساتھ لے گیا۔

بابو شیو پرشاد محافظ دفتر کے حضور میں پیش ہوئے۔ محافظ دفتر کا نام دینا ناتھ تھا۔ انہوں نے شیو پرشاد کی طرف دیکھ کر کہا۔ آپ ہی کا نام بابو شیو پرشاد ہے ؟ آپ بابو شنکر پرشاد کے صاحبزادے ہیں۔

شیو پرشاد "جی ہاں !"

دینا ناتھ "آپ نہایت خوش نصیب شخص ہیں۔ کہ آپ کو فوراً تیس روپیہ کی جگہ مل گئی"

یہ کہکر انہوں نے اپنے چپڑاسی رحیم خاں کو بلایا۔ اور کہا۔ رحیم خاں ! انہیں اس کمرے میں جہاں بابو ہری ناتھ کام کرتے ہیں۔ لے جاؤ۔ یہ بابو امی چندر گھوش کی جگہ مقرر کئے گئے ہیں۔

بہت اچھا !

یہ کہکر رحیم خاں بابو شیو پرشاد کو ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہاں جاکر انھوں نے دیکھا کہ ایک فربہ اندام بابو صاحب کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ٹانگیں میز پر ہیں ہاتھ میں دو خالی دواتیں لئے ہوئے تماشہ کی طرح بجا رہے ہیں۔ جونہی انھوں نے شیو پرشاد کو دیکھا۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور [illegible] کہنے لگے ہو آر یو مین؟

[illegible] are you man.

شیو پرشاد ڈر گئے۔ ایں! یہ کیا [illegible] لیکن [illegible] جناب [illegible] بابو آنا چندر گھوش کی جگہ مقرر ہوا ہوں۔

ہری ناتھ: تمہارا ہی نام شیو پرشاد ہے؟ ہم کو [illegible]

شیو پرشاد: ہری [illegible]

بول [illegible]

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

ہری ناتھ: خیر! تو تمہاری بدقسمتی ہے [illegible] افسوس ہے!

شیو پرشاد: افسوس! ادل ہی دل میں؟ بالکل پاگل ہے!

ہری ناتھ: اگر ہم محافظ دفتر یا کلکٹر صاحب کی جگہ ہوتے تو اپنے دشمن کو بھی یہاں کام کرنے کے لئے نہ بھیجتے۔

شیو پرشاد: اس کا سبب؟

ہری ناتھ: سبب یہی کہ یہاں پر [illegible] کے موافق کام کرنا پڑتا ہے۔ [illegible] کے موافق۔

شیو پرشاد: لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ آپ ٹانگیں پھیلائے ہوئے دوات سے دوات لڑا رہے ہیں؟

ہری ناتھ: اور تم کون ہے؟ کہاں سے ایسا سوال کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے

ہوش و حواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ اگر ٹھکانے ہوتے تو اس قید خانے میں قدم نہ رکھتے اب ہماری تمہاری قسمت ایک ہی ہے۔ اس لئے ہم تم آج سے جانی دشمن۔۔ نہیں نہیں ۔۔۔ دوست ہیں۔ یہ کہہ کر ہری ناتھ نے شیو پرشاد کا ہاتھ پکڑا اور زور سے شیک ہینڈ کرنے لگے۔

یہ دیکھ کر شیو پرشاد سے نہ رہا گیا۔ بولے!! ہری ناتھ بابو یہ آپ کیا کرتے ہیں میرا ہاتھ توڑنا چاہتے ہیں۔ چھوڑئیے! چھوڑئیے!! میرے ہاتھ کو چھوڑ دیجئے۔

اتنے میں حافظ دفتر بابو دینا ناتھ وہاں پہنچ گئے۔ اور ہری ناتھ کا یہ حال دیکھ کر ڈپٹ کر بولے۔ ہری ناتھ! یہ کیا گول مال ہو رہا ہے؟ نہ خود کام کرتے ہو نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہو۔

ہری ناتھ: صاحب! آج سے میری اور ان کی قسمت ایک ہی کوئیں میں آگری ہے اس لئے ذرا شیک ہینڈ کرتا ہوں

دینا ناتھ: تمہیں کب عقل آئے گی؟ اتنی عمر ہوئی ماشاء اللہ ڈیل ڈول بھی خوب ہے۔ لیکن تمہارا پاجی پن نہ گیا۔ خیر اس کاغذ کی نقل تیار ہوئی یا نہیں جو تمہیں دیا گیا تھا

ہری ناتھ: ہاں! اگر تیار نہیں ہوئی۔ تو ہونے کے برابر ہی آ پہنچی ہے۔"

دینا ناتھ (جھنجھلا کر) اگر خود نہیں کر سکتے۔ تو انہیں دے دو یہ کر دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔

ہری ناتھ: دیکھا۔ یہاں یہ گدھے کے موافق کام کرنا پڑتا ہے یا نہیں۔ گدھے کے موافق۔ خیر آؤ دوست! دو چار سگار پھونکیں۔ آخر نوکری کے لئے جان تو نہیں دینا ہے۔"

شیو پرشاد: آپ شوق سے سگرٹ سگار پیجئے۔ مجھے ان کا شوق نہیں۔ وہ کاغذ عنایت کیجئے۔ میں اس کی نقل کر دوں۔"

یہ کہکر وہ دل لگا کر اس کی نقل کرنے لگے۔ ہری ناتھ نے میز پر اپنا ہاتھ پٹک کر کہا۔ اگر اس مہینے کے اندر ایک آدھ خون اس دفتر میں نہ ہو جائے۔ تو ہمارا نام ہری ناتھ نہیں۔

یہ کہکر وہ بڑے زور سے اُٹھے۔ کرسی گرتے گرتے بچ گئی۔ ایک ہی قُلانچ میں وہ کمرے کی کھڑکی سے باہر ہو گئے۔ کیونکہ دروازے سے جاتے ہوئے دینا ناتھ کا سامنا ہو جاتا۔

چھٹا باب

اماوس کی اندھیری رات تھی۔ اور تارے چمک رہے تھے۔ ہر شے تاریکی میں چھپی ہوئی تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی سہمی ہوئی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ اور رہ رہ کر ہوا کے جھونکے درختوں کے پتوں میں سرسراہٹ پیدا کر کے نہ معلوم کہاں نکل جاتے تھے۔

ہری پرشاد کی خواب گاہ کی کھڑکی جو پائیں باغ کی جانب تھی کھلی ہوئی تھی۔ اور چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں مالتی بیٹھی ہوئی اونی موزے بن رہی تھی۔ ہری پرشاد ابھی تک باہر سے نہیں آئے تھے۔ اتنے میں کسی نے کھڑکی سے منہ ڈال کر اندر جھانکا مالتی زور سے چلانا ہی چاہتی تھی۔ کہ اسی ہیبتناک صورت نے کمرے کے اندر آ کر فوراً مالتی کا گلا دبا لیا۔ تاہم ارے۔۔۔ چو۔۔۔۔۔۔۔۔ رے۔۔۔۔۔۔۔ بابا۔۔۔۔۔ رے۔۔۔ اس کے منہ سے نکل ہی تو گیا۔ کیونکہ اُس دراز ریش ڈراؤنی صورت نے مالتی کو نیم مُردہ کر دیا تھا۔

اُس نے آہستہ سے کہا۔ مالتی! مالتی!! شور نہ مچا۔ کیا تو مجھ بدنصیب کو نہیں پہچانتی اور میری آواز سے بھی ناآشنا ہے۔ دیکھ! میں کون ہوں پہچان تو سہی۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنی مصنوعی داڑھی اُتار دی۔

مالتی نے جب اپنے بھائی بھیروں پرشاد کو کھڑے ہوئے پایا، تو لپٹ کر رونے لگی۔

ہاں! یہ دیکھ لے۔ اب اچھی طرح سے پہچان لے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا ظاہری لباس اُتار ڈالا۔

تب مالتی نے اپنے بڑے بھائی سے پوچھا۔ بھیا! یہ کیا ہوا؟

بھیروں پرشاد۔ "مالتی! مالتی!! تو پوچھ کر کیا ہوا! میں بدنصیب ہوں۔ بدقسمت [illegible] میرے سر پر آفت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ خون کا الزام لگایا گیا ہے۔ دیکھ! میری کیا حالت ہے۔ شکل خراب ہو گئی ہے۔ پیٹ کمر سے لگ گیا ہے۔ چار دن سے ایک دانہ بھی منہ میں نہیں گیا۔"

مالتی۔ بھیا! اگر خون تم نے نہیں کیا۔ تو بھاگ کیوں گئے تھے؟"

بھیروں پرشاد۔ (فرطِ خوف سے) میں تیرے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں نے خون نہیں کیا۔ میں خونی نہیں ہوں۔ ہاں! میں اس خون کے حالات سے واقف ضرور ہوں۔ جس نے بھولا کا خون کیا ہے۔ گھنشام کو اٹھا لے گیا ہے اُسے میں نے دیکھا ہے۔

مالتی۔ [illegible] زندہ ہے؟ اُس کا کٹا ہوا ہاتھ جس میں بیاہ کا کنگن بندھا ہوا تھا۔ اس کے پلنگ پر پایا گیا تھا۔

بھیروں پرشاد۔ ہاں! ٹھیک ہے۔ لیکن جہاں تک میرا [illegible] وہ ہاتھ کسی اور کا ہوگا۔ یہ ضرور صحیح ہے۔ کہ جس نے بھولا کو مارا ہے۔ اُسی نے گھنشام کی آرزوؤں کا باغ بھی اجاڑ لیا ہے۔"

مالتی: "اور بھولا کی لڑکی پتی کہاں گئی؟"

بھیروں پرشاد: "وہ کمبخت بھی اسی خونی کے ساتھ نکل بھاگی ہے۔"

مالتی: "بھیا! جب تم نے خونی کو دیکھا ہے اور پہچانتے ہو، تو پھر اسے گرفتار کیوں نہیں کروا دیتے۔"

بھیروں پرشاد: "مالتی! یہ بات میرے بس کی نہیں۔ میں نے اُس موذی کو پہلے پہل اسی رات دیکھا تھا۔ اگر وہ اب مل جائے۔ تو میں اسے ضرور پہچان لوں۔"

مالتی: "تو کیا تم اس خون خرابے کے وقت وہاں موجود تھے؟"

بھیروں پرشاد: "مالتی! یہ سوال مجھ سے نہ پوچھ۔ اس کا جواب دینا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ آخر تیرا بڑا بھائی ہوں مجھے مجبور نہ کر۔ یہ بتا کہ تیری کھاٹ پر کون سو رہی ہے؟"

مالتی: "میری نند ہے۔"

بھیروں پرشاد: "کون چپلا؟"

مالتی: "ہاں! وہی ہے۔"

بھیروں پرشاد: "وہ جاگتی تو نہیں؟"

مالتی: "نہیں سو گئی ہے۔"

بھیروں پرشاد: "بہن مالتی! میں چار روز سے بھوکا ہوں۔ فاقہ کشی کر رہا ہوں۔ پیسہ ٹکہ پاس نہیں۔ مدد کر۔ اپنے بدنصیب بھائی کی مدد کر۔ دیکھ میں پھانسی کی ناکامی کی پرواہ نہ کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میری حالت بہت ابتر ہے۔ میرے کھانے ... ... کا انتظام ..... پیدا کر۔"

مالتی: "کیوں نہیں، تو اسے بھیا! بتاؤں آج کل کیا گھر میں ہے لیکن میں ... نہیں ... نہیں کر سکتی۔ یہ لو کان کی بالیاں دیتی ہوں۔ اسے بیچ کر چند روز گذران کر لو۔"

بھیروں پرشاد "نہیں! میں اس بالے کو لے کر کیا کروں۔ میری گردن میں موت کا پھندا پڑا ہوا ہے۔ میں اس بالے کو کہاں بیچتا پھروں گا"

مالتی "تو پھر کیا کروں، بھیا! میرے پاس تو اس وقت پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ اگر کل پھر ایک بار آ سکو تو آ جانا میں تمہارے واسطے کچھ انتظام کر دوں گی"

بھیروں پرشاد "بہن! جب تک میں اس شہر میں رہتا ہوں۔ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے سمجھتا ہوں۔ ہاں! اگر تو قسم کھائے۔ کہ میرے آنے کا حال کسی سے نہ کہے گی تو شاید آ جاؤں"

مالتی "میں قسم کھاتی ہوں۔ کہ تمہارے آنے کا حال کسی غیر شخص سے نہ کہوں گی"

بھیروں پرشاد "یہ کیا؟ یہ قسم کیسی — ہر پرشاد سے کہو گی یا نہیں؟"

مالتی "! ہر پھڈ کر "بھیا! بھیا!!!"

بھیروں پرشاد "سمجھ گیا۔ تو دیوی ہے۔ ستی ہے۔ پتی برتا ہے۔ اس لئے تو پتی سے کسی بات کو چھپانا نہیں چاہتی۔ لیکن کیا تو اتنا کر سکتی ہے۔ کہ کل میرے آنے سے پہلے میرا حال بابو ہر پرشاد سے بھی نہ کہے"

مالتی "ہاں یہ کر سکتی ہوں۔ اور اس بات کی میں قسم کھاتی ہوں"

بھیروں پرشاد "تو اچھا اب میں جاتا ہوں"

یہ کہہ کر اس نے اپنی داڑھی مونچھیں ٹھیک کیں۔ اور وہی لباس جو پہلے پہن رکھا تھا زیب تن کیا۔ مالتی نے روتے روتے الماری سے تھوڑا سا گڑ نکال کر بھائی کے ہاتھ پر رکھا اور کہنے لگی۔ بھیا! جب میں تمہارے ہاتھ پر یہ گڑ رکھتی ہوں۔ تو میرا کلیجہ نکلا پڑتا ہے۔ لیکن کیا کروں لاچار ہوں۔

بھیروں پرشاد نے اس گڑ کو لے کر پھٹی ہوئی دھوتی میں باندھ لیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ گڑ اس وقت مٹھائی سے بھی اچھا ہے۔ بہن! ماں اور للتا کیسی ہیں؟

مالتی :- اچھی ہیں۔

بھیرو پرشاد جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے بھاگ گیا۔ مالتی پلنگ پر لیٹ گئی۔ اور رونے لگی۔ چپلا نے آکر کھڑکی کھول دی اور کمرے میں چاروں طرف اس طرح دیکھا جیسے اس نے بھیرو پرشاد اور مالتی کی سب باتیں سنی ہیں۔ مالتی روتے روتے سو گئی۔ چپلا آہستہ سے دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ پچھلی رات ہیرا پرشاد گھوم کر آئے۔ اپنے کمرے میں آکر دیکھا کہ مالتی نیند کے مارے بے ہوش ہے۔ اور رات کے گلابی رخساروں پر آنسو قطرات شبنم کی طرح چمک رہے ہیں۔ مالتی کی یہ حالت دیکھ کر ہیرا پرشاد کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ اور انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کر افسوس بیکول ہی دل میں کہا۔ ہائے ایسی کیا سچ اور پاکی ہو لیں۔

یہ کہہ کر پیار سے انہوں نے مالتی کا منہ چوم لیا اور خود بھی رونے لگے۔

ساتواں باب

شام کا وقت تھا۔ پانچ بج چکے تھے۔ دھوپ ڈھل گئی تھی۔ ہمارے مہاشے لنگڑاتے ہوئے ہوائی چال سے چلے جا رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ سیٹی بھی بجاتے جاتے تھے۔ دونوں ہاتھ اس طوفانی چال سے اس طرح ہل رہے تھے جیسے آندھی سے درختوں کی شاخیں ہلتی ہیں۔ یکایک ایک ٹھوکر لگی۔ اور کھڑے ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک دبلا پتلا بڈھا برہمن پاؤں میں پڑا ہے۔ اسے دیکھتے ہی ہمارے دوست مہاشے پکار اٹھے۔ ارے کون ہو؟ اور کیا ہوا؟

اس نے دبی زبان سے کہا۔ واہ! بابو صاحب! واہ! آپ کی چال بھی خوب ہے
ریل گاڑی کے انجن کی جگہ آپ کو لگا دینا چاہئے۔

بابو صاحب۔ "دن سے پڑے تھے [illegible] کہیں زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟ اگر تم مر جاتے تو دنیا [illegible] ہو جاتی"

پنڈت جی: "ارے [illegible] بابا! [illegible] دیکھا جاتا ہے تو دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ اگر چولا چھوڑ جائیں گے تو مصیبتوں سے نجات مل جائے گی"

بابو صاحب نے "پنڈت جی! آپ کا نام؟"

پنڈت جی: "آپ کو میرے نام سے کام! پہلے اپنا نام بتلائیے۔ پھر میرا نام دریافت فرمائیے"

بابو صاحب: "ارے پنڈت! کیا آنکھوں میں سرسوں پھولی ہے؟"

پنڈت جی: "ہاں بابا! ایسا ہی ہے"

بابو صاحب۔ (غضبناک ہو کر) "چل دور ہو۔ ڈیم فول۔ کیا شراب پی کر آیا ہے؟"

پنڈت جی: "معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے"

بابو صاحب: "تو سات بار گنگا میں ڈبکی لگا۔ پھر پرائشچت ہوگا۔ ورنہ یہ پاپ دور ہونے والا نہیں"

یہ کہہ کر ہمارے بابو صاحب بات کی بات میں سیٹی بجاتے ہوئے آدھ کوس نکل گئے۔ راستے میں بابو ہری شنکر ملے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھنجھوڑنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر بابو ہری شنکر نے کہا۔ یہ کیا ہے [illegible] بابو جی! آپ ہی کا نام ہے؟

ہری ناتھ: "[illegible] رام رام [illegible] پہچان لیا۔ جان لیا۔ تمہاری قابلیت [illegible]"

ہری شنکر: "[illegible]"

ہری ناتھ: "[illegible]"

ہر پرشاد "کیا آپ کے دماغ میں خلل بھی ہے۔ مفت میں میرا ہاتھ توڑ ڈالا"
ہری ناتھ "واہ صاحب! واہ! ابھی آپ کو معلوم نہیں۔ کہ آج کل آپ کے بھائی بابو نیبو پرشاد اور ہم دونوں ایک گاڑی کے بیل ہیں"
ہر پرشاد "میں آپ کی فلاسفی نہیں سمجھا"
ہری ناتھ "اجی! میں کہتا ہوں۔ ہم دونوں ایک ہی کمہار کے گدھے ہیں"
ہر پرشاد "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"
ہری ناتھ "ارے یار! تم میں ذرا بھی رسیلا پن نہیں۔ تمہاری طبیعت میں رنگینی نام کو نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آج کل ہم دونوں ایک ہی پنجرے کے بلبل ہیں"
ہر پرشاد "نہیں سمجھا"
ہری ناتھ "اگر نہیں سمجھے تو نہ سہی۔ میں جاتا ہوں"

یہ کہکر ہری ناتھ تو ہوا ہو گئے۔ اور ہر پرشاد وہیں کے وہیں کھڑے رہے۔

اتنے میں ایک شخص نے آکر بابو ہر پرشاد کو سلام کیا۔ اور کہنے لگا۔ بابو صاحب! آپ نے مجھے پہچانا یا نہیں؟ میں پہلے آپ کے ہاں نوکر تھا۔ اب چھوٹی عدالت میں چپڑاسی ہوں۔ میرا نام سیوا ہے۔

ہر پرشاد "سیوا! میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ لیکن کہو۔ کیا کام ہے؟"
سیوا "بابو جی! کیا عرض کروں۔ لال ناجی بنئے نے پچاس روپے کی ڈگری کرائی ہے اور آپ کے وارنٹ نکلوائے ہیں۔ آج ایک ہفتہ سے وہ وارنٹ میرے پاس ہیں میں نے آپ کا لحاظ کیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے ان کی تعمیل کرانا نہیں چاہتا۔ جیسے بھی ہو سکے۔ روپے ۱۶ دے دیجئے گا۔ تاکہ عزت آبرو بچی رہے اور پھر دیکھی جائے گی"

ہر پرشاد نے بے پروائی سے جواب دیا۔ اور چل دیئے۔
یہی چپڑاسی بابو شیو پرشاد سے بھی بازار میں ملا تھا۔ اور انہیں بھی کچا چٹھا کہہ سنایا تھا۔ بابو شیو پرشاد بحرِ غم میں ڈوبے ہوئے گھر پہنچے۔ اور اپنی بہن سدا منی کو تنہائی میں لے جا کر سارا حال بابو ہر پرشاد کا کہہ سنایا۔
وہ بے چاری کانپ اٹھی۔ اور گھبرائی ہوئی آواز سے کہنے لگی۔ بھیا! اب آپ ۔۔۔

(علاج)۔
شیو پرشاد: مجھے تو کچھ نہیں سوجھتا۔
اتنے میں ہر پرشاد بھی اسی کمرے میں آ پہنچے۔ جہاں شیو پرشاد اور سدا منی میں صلاح مشورہ ہو رہا تھا۔ وہ ہنس کر کہنے لگے۔ کیوں ری سدا منی! شیو پرشاد کی شادی کے بارے میں صلاح مشورہ ہو رہا ہے۔ ہمیں بھی تو اس بات چیت میں شریک کر لو۔
شیو پرشاد اور سدا منی چپ ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے بابو ہر پرشاد کے ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اور بھی افسوسناک صورت اختیار کر لی۔ ہر پرشاد نے جب دیکھا کہ ان کی باتیں بند ہو گئیں۔ تو چپکے سے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔
شیو پرشاد: دیکھا! کیسی بے پروائی ہے گویا مطلق خبر نہیں۔ یہ روپے جیسے بھی ہوں دے دینے چاہئیں۔ ورنہ بھیا تمہا جانے کیا ہو!
سدا منی: ہاں! ضرور دے دینے چاہئیں۔ بڑے بھیا کو ۔۔۔۔۔۔ بھگوان نہ کریں۔ ایسا ۔۔۔۔۔ تو بابو جی اور ماں کا برا حال ہو جائے گا۔ گویا وہ جیتے جی مر جائیں گے لیکن بھاوج کے پاس تو ایک زیور بھی نہیں رہا۔
شیو پرشاد۔ تو تمام زیور کدھر گئے؟"
سدا منی: بھیا! سب بک چکے ہیں۔ اتنا بڑا کنبہ اور قلیل آمدنی۔ بھلا کہیں گذارہ ہو سکتا ہے۔"

شیو پرشاد۔ افسوس! قسمت پھوٹ گئی (ماتھے کو پکڑ کر) بس سمجھ لو مصیبت کا زمانہ آگیا۔ اب کوئی دن میں گھر تباہ ہو جائے گا۔"

سدا منی۔" بھیا! بڑا بھید ہے۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بڑھیا کی ماں نہ جانے کہاں سے روپیہ لاتی ہے۔ اور بہو گھر کا خرچ چلاتی ہے۔"

شیو پرشاد۔" تو معلوم کرو۔ کہ آخر یہ روپیہ آتا کہاں سے ہے؟ ایسا نہ ہو۔ کہ اندر ہی اندر جڑ کھوکھلی ہوتی چلی جائے۔ اور ہم لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ تم تو اجیرداررہو۔ اور دیکھ بھال رکھو۔ بھائی کے بارے میں کیا کرنا چاہئے؟"

سدا منی۔" اس بارے میں میں اس وقت تک کچھ بھی نہیں کہہ سکتی جب تک ایک بار بھاوج سے صلاح نہ لے لوں۔"

شیو پرشاد۔" تو کیا ماں تک یہ بات پہنچا دی جائے؟"

سدا منی۔" نہ بھیا ایسا نہ کرنا۔ انہیں بڑی تکلیف ہوگی۔ گھر بھر میں کہرام مچ جائے گا۔"

شیو پرشاد۔" اچھا تو جاؤ۔ بھاوج سے صلاح لو۔"

شیو پرشاد چلے گئے۔ اور سدا منی سسک سسک کر رونے لگی۔ ہر چند آنسوؤں کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ نہ رکتا تھا۔ چپلا نے سدا منی کو روتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی۔ جی جی! روتی کیوں ہو؟ کیا ہوا؟

سدا منی (اپنے آنسوؤں کو پونچھ کر) نہیں! کچھ نہیں ہوا۔"

چپلا۔" جی جی! مجھ سے نہ کہو گی؟"

سدا منی۔" بی بی چپلا! تو ابھی بچہ ہے۔ دین دنیا کی تجھے خبر نہیں۔ جب تو بڑی ہوگی تو ہر بات تجھے معلوم ہو جایا کرے گی۔"

چپلا۔" ہاں بچہ ہوں۔ تیرہ چودہ سال کی ہونے پر بھی بچہ ہی رہی۔ ابھی دودھ پیتی ہوں۔"

سدا منی (روتے روتے ہنس کر)" نہیں تو تو دادی ہے۔ کل کی چھوکری۔ اور باتیں بڑے

بوڑھوں کی کرتی ہے۔"

چپلا آنچل سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ سدامنی نے یہ دیکھ کر اور گھبرا کر کہا

چپلا! یہ کیا؟

چپلا :- جی جی! میں سب کچھ جانتی ہوں۔ ڈگری کا سب حال مجھے معلوم ہے۔ میں اپنے بیس جوڑے اونی موزے جو میں نے بُنے ہیں دیتی ہوں۔ انہیں بیچ کر بھیا کی ڈگری کے روپے ادا کر دو۔"

سدامنی :- اچھا! اپنے موزے لا کر دکھا تو سہی؟"

چپلا موزے نکال لائی۔ اور سدامنی کے ہاتھ میں دے دئے۔

سدامنی نے موزے دیکھے۔ تو پھڑک اٹھی۔ اور غور سے چپلا کے منہ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر مسکرا کر کہنے لگی۔ چپلا! اب تو تو بہت اچھا بُن لیتی ہے۔ آج تو نے بڑے بھیا کی جان بچا لی۔

چپلا :- جی جی! بیچنے پر ان کی کیا قیمت ملیگی؟"

سدامنی :- اور نہیں تو دو روپیہ جوڑا تو کہیں نہیں گیا۔ چالیس روپے تو یہ ہو جائینگے دس روپے ادھر ادھر سے اکٹھے کر کے سب قرضے کو دے دئے جائینگے۔"

اتنے میں کسی نے باہر سے پکارا۔ بڑی بی جی!

سدامنی آواز کو سنکر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بھاوج کے پاس گئی۔ چپلا بھی موزے لئے ہوئے پیچھے چلی گئی۔ پہلے تو تینوں میں خوب باتیں ہوتی رہیں۔ پھر یہ قرار پایا کہ موزے بیچنے کے لئے بھیا کی ماں کے سپرد کئے جائیں۔

آٹھواں باب

دن کے بارہ بج چکے تھے۔ ہرپرشاد اور شیو پرشاد۔ دونوں بھائی کھانا کھا کر بیٹھک میں لیٹے ہوئے پان چبا رہے تھے۔ شیو پرشاد نے کہا۔ بھیا! ایک بات کہوں؟

ہرپرشاد: "ہاں! ہاں!! شوق سے کہو۔ کیا بات ہے؟"

شیو پرشاد: "میں نے سنا ہے۔ کہ لال نامی بنیئے نے پچاس روپے کی ڈگری کرائی ہے۔ اور آپ کے نام وارنٹ نکلوائے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟"

ہرپرشاد: "ہاں! سچ ہے۔ اس نے میرے نام وارنٹ نکلوائے ہیں۔"

شیو پرشاد: "تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔ اس بنیے کا روپیہ ادا کرنے کا ارادہ ہے یا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔"

ہرپرشاد: "دیکھو کوئی نہ کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا لیکن وہ بنیا بڑا مسخرا ہے۔"

شیو پرشاد: "اچھا ہو یا بُرا آپ کو اس سے کیا مطلب! آپ اپنا حساب بے باق کر دیجئے گا۔ کیونکہ اگر آپ ———"

ہرپرشاد بات کاٹ کر بولے۔ گھبراؤ نہیں۔ سب اچھا ہو جائے گا۔

اتنے میں ایک خستہ حال فقیر دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا بابو جی کچھ کھانے کو دو۔ بھوکا ہوں۔ آپ کا بھلا ہو گا۔

ہرپرشاد نے فوراً جیب سے ایک روپیہ نکالا۔ اور اسے دے دیا۔

شیو پرشاد حیران و ششدر رہ گئے۔ پھر متعجب ہو کر پوچھنے لگے۔ بھیا۔ آپ نے اُسے کیا دیا؟

ہرپرشاد: "کچھ نہیں۔ ایک روپیہ۔"

شیوپرشاد: "ایک روپیہ؟"

ہرپرشاد: "ہاں! ایک روپیہ۔ متعجب کیوں ہوتے ہو۔ میں تو یہ جانتا ہوں۔ کہ ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ نہ پیسہ اور پانچ آدمیوں کو دان دینے سے دولت بڑھتی ہے۔ گھٹتی نہیں۔"

شیوپرشاد: "لیکن یہ کیا؟ کہ خود بھوکوں مریں۔ فاقہ کشی کریں۔ اور دوسروں کا پیٹ بھریں۔"

ہرپرشاد: "بھائی! تم اس فلاسفی کو نہیں سمجھے۔ جو شخص کشادہ دلی سے بخشش کرتا ہے۔ اُس کا ہاتھ کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس قدر وہ دیتا ہے۔ اُس سے زیادہ پا لیتا ہے۔ جس طرح کنوئیں کا پانی نکالے بغیر بدبودار ہو جاتا ہے۔ اور کسی کام کا نہیں رہتا۔ اُسی طرح دھن۔ دولت جب تک صرف نہ کی جائے۔ کسی کام کی نہیں۔"

شیوپرشاد بھائی کی یہ فلاسفی سن کر دنگ رہ گئے۔ منہ سے کچھ نہ بولے۔ مگر دیر تک بھائی کے چمکتے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھتے رہے۔

نواں باب

رات آئی۔ چراغ روشن ہو گئے۔ بُدھیا کی ماں موزوں کی پوٹلی بغل میں دبا کر گھر سے بیچنے کے لئے نکلی۔ کئی اندھیری گلیوں میں سے گذر کر چوک کی طرف جا رہی تھی۔ کہ اندھیرے میں کسی کا دھکا لگا اور گر پڑی۔ لگی گالیاں دینے موئے۔ نگوڑے ہتیارے۔ اندھے سوجھتا نہیں۔ کہ ایک غریب بڑھیا کا خون کر دیا۔ اگر میری ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی۔ تو کیا ہوتا۔

یہ باتیں سُن کر وہ مہاشے کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ رام! رام! کہیں چوٹ



تو نہیں [illegible] بڑھیا چلائی اور غور سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک صاحب بہادر
[illegible] بتلون ڈانٹے اور [illegible] ہیٹ جمائے کھڑے ہیں۔ اور بھی ڈری۔ اور آہستہ سے کہنے
لگی [illegible] چوٹ تو نہیں لگی ہاں! ذرا ٹانگیں درد کرتی ہیں۔

صاحب بہادر (دو روپیہ دیکر) "اچھا ان کا دوا میں دو روپیہ ۔ درد جاتا رہے گا"

بڑھیا کی ماں۔ "نہیں! صاحب کیا ہوا۔ اگرچہ غریب، کنگال ہوں، لیکن پھر بھی نیت ایسی نہیں، کہ کسی سے بھیک لے لوں"

صاحب بہادر:- "اچھا تمہارا نام کیا ہے؟"

بڑھیا کی ماں:- "مجھے لوگ بڑھیا کی ماں کہتے ہیں"

صاحب بہادر:- "تو کیا کہیں نوکری کرتی ہو؟"

بڑھیا کی ماں:- "جی ہاں دو روپے مہینے پر بابو شنکر پرشاد کے ہاں رہتی ہوں"

صاحب بہادر:- "کیا وہی شنکر پرشاد جن کے لڑکے بابو ہری پرشاد اور بابو شیو پرشاد ہیں؟"

بڑھیا کی ماں:- "ہاں وہی وہی"

صاحب بہادر:- "تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟"

بڑھیا کی ماں:- "آپ کو کیا مطلب ہے۔ جو آپ پوچھتے ہیں؟"

صاحب بہادر:- "شاید میں تمہارا کام نکال دوں"

بڑھیا کی ماں:- "بیس جوڑے اونی موزے ہیں۔ انہیں چوک میں جا کر بیچوں گی"

صاحب بہادر:- "بھلا دکھاؤ تو"

بڑھیا کی ماں نے موزوں کی پوٹلی نکال کر صاحب بہادر کے آگے رکھ دی۔ اُنہوں نے موزوں کو الٹ پھیر کر دیکھا۔ اور کچھ دیر بعد پوچھنے لگے۔ "یہ موزے کس نے بُنے ہیں؟"

بُڑھیا کی ماں:- "آپ کو اس سے کیا مطلب چاہے کالے چور نے بُنے ہوں۔ اگر آپ نے لینے ہوں تو لے لیجئے۔ ورنہ جائیے۔ اپنا کام کیجئے"

صاحب بہادر: "نہیں، میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ بُننے والا کوئی نہایت سلیقہ کار اور کاریگر معلوم ہوتا ہے۔ اچھا! ایک جوڑے کی کیا قیمت ہوگی؟"

بُڑھیا کی ماں: "پانچ روپے!"

صاحب بہادر: "پانچ روپے!"

بُڑھیا کی ماں: "جی ہاں، پانچ روپے۔"

صاحب بہادر: "معلوم ہوا کہ یہ موزے کہیں سے چرائے گئے ہیں، تب ہی تو چوری کا مال ہے۔ [illegible] میں ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

بُڑھیا کی ماں: [illegible] "نہیں صاحب، [illegible] چور نہیں ہوں، اور نہ یہ چوری کا مال ہے [illegible] نہیں بلکہ جب آدمی کے بُرے دن آتے ہیں تو [illegible] اس وقت ہم لوگوں کے بُرے دن ہیں۔ اگر آپ تھوڑی [illegible] کہیں سے [illegible] وہ بھی بچا ہوگا۔"

صاحب بہادر: "اری پگلی! تو اپنی زبان سے خود ہی چور بنتی ہے۔"

بُڑھیا کی ماں: "وہ کیسے؟"

صاحب بہادر: "تو نے پانچ روپیہ فی جوڑہ دام کہے ہیں یا نہیں؟"

بُڑھیا کی ماں: "جی ہاں!"

صاحب بہادر: "بس اس سے ثابت ہوا کہ یہ مال کہیں سے اڑا کر لائی ہے۔ کم از کم ایک جوڑے کی قیمت دس روپے ہونی چاہئے۔"

بُڑھیا کی ماں: (دل ہی دل میں) "یہ تو کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔ کہیں جیل خانے سے نکل کر بھاگ آیا ہے یا شراب پی رکھی ہے۔ (اس کی طرف مخاطب ہو کر) خیر تو میرے پاس جتنے جوڑے موزے ہیں، جتنے جوڑے آپ چاہیں لے لیں۔"

صاحب بہادر: "لاؤ، ادھر لاؤ۔"

بڈھیا کی ماں ''یہ لیجئے''

صاحب بہادر نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ دس دس روپے کے بیس نوٹ نکالے۔ اور بڈھیا کی ماں کے حوالے کئے۔ پھر کہنے لگے۔ چلو بڑھیا میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا آؤں۔ تمہارے پاس دو سو روپے ہیں۔ کہیں کوئی عیار راہی نہ لے اڑے۔ یہ کہکر صاحب بہادر اس کے ساتھ ہو لئے۔ اور راستے میں اس سے پوچھنے لگے۔ کہ بڑھیا! شنکر پرشاد کے کتنے لڑکے اور کتنی لڑکیاں ہیں؟

بڈھیا کی ماں ''تو کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟''

صاحب بہادر ''ہاں اچھی طرح جانتا ہوں''

بڈھیا کی ماں ''بڑے لڑکے بابو ہر پرشاد ہیں۔ اُن سے چھوٹے شیو پرشاد مہادیو پرشاد اور وشوا ناتھ پرشاد۔ لڑکیاں بھی چار ہیں۔ سدامنی۔ کامنی۔ چپلا اور رکمنی۔ سدامنی بیوہ ہے۔ کامنی کو جوتشیوں نے راکششی کنیا بتلایا ہے۔ اس لئے اس کا بیاہ نہیں ہوتا۔ چپلا کے بر کا خون ہو گیا ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہی ہو گیا۔ اور رکمنی ابھی دس گیارہ سال کی چھوٹی بچی ہے''

صاحب بہادر ''ان اولڈ فول جوتشی لوگوں نے بھی کیسا جال بچھا رکھا ہے۔ اگر نہیں تو بے چاری کامنی کو راکششی کنیا بتلایا ہے۔ غریب لڑکی کی زندگی خراب کر دی''

اتنے میں بابو شنکر پرشاد کا مکان آ گیا۔ بڈھیا کی ماں تو مکان میں داخل ہوئی اور صاحب بہادر رفو چکر ہو گئے۔ ناظرین سمجھے۔ یہ کون صاحب بہادر تھے۔ اگر نہیں تو ہری ناتھ بابو کے کارناموں کو یاد کیجئے۔

دسواں باب

مالتی آج متفکر ہے۔ بھائی کا خیال رہ رہ کر ستا رہا ہے۔ ہائے غریب چار روز سے بالکل بھوکا ہے۔ کھانے کو کچھ بھی پاس نہیں کیسے دن کاٹتا ہوگا۔ کہاں سوتا ہوگا غریب پر خون کا الزام لگایا گیا ہے۔ خونی اور ہے۔ لیکن پولیس کی نظر بھیروں پرشاد پر ہے۔ وہ آج پھر آئے گا۔ افسوس! اگر میں کل ہی اُسے کچھ دے دلا دیتی۔ تو بے چارہ کس لئے سوت کے جنگل میں پھنستا رہتا۔ لیکن دیتی کہاں سے۔ میرے پاس تھا ہی کیا تھا۔ آج پھر اسی امید پر آئیگا۔ لیکن پردہ فاش ہو جانے کا ڈر ہے کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر سب حال گھر کے لوگوں کو کہتی ہوں۔ تو میری قسم ٹوٹتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں مر جاؤں گی۔ لیکن بھیا کے آنے کا حال کسی سے نہ کہونگی۔

یہ خیالات تھے۔ جن میں مالتی کی طبیعت آج اُلجھ رہی تھی۔ اگرچہ وہ گھر کا کام کاج برابر کئے جا رہی تھی۔ لیکن پھر بھی طبیعت نہایت بے چین تھی۔ اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جب اس نے اپنے دل کو سنبھلتے نہ دیکھا۔ تو برتن صاف کرنے لگی۔ کیونکہ اُس وقت بدھیا کی ماں کسی کام سے باہر گئی تھی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں آگئی۔ اور مالتی کو برتن صاف کرتے ہوئے دیکھ کر جھنجھلا کر بولی۔ کیوں رانی بہو! کیا کام دھندے سے تمہارا پیٹ نہیں بھرتا۔ یا کوئی اور کام کرنے کو نہیں ملتا۔ بھلا میرا کام کیوں لے بیٹھیں

مالتی :- دائی جی۔ میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ تم بڈھیا ہو۔ اس لئے خود ہی برتن صاف کرنے لگی۔ ہرج ہی کیا ہے !!

بڈھیا کی ماں :- اُونھوں! میں بڈھیا ہوں۔ اری تو تو کل کی چھوکری ہے۔ تو کیا جانے

ابھی تو میں دس پر اکیلی بھاری ہوں۔"

یہ کہکر بدھیا کی ماں نے مالتی کو وہاں سے زبردستی اٹھا دیا۔ اور خود کام کرنے بیٹھ گئی مالتی وہاں سے اٹھ کر اپنے خاص کمرے میں پہنچی۔ اور چونکہ شام ہوگئی تھی۔ اسلئے چراغ روشن کیا۔ پھر باہر آئی۔ رسوئی گھر میں گئی نند بھاوج نے مل کر کھانا کھایا۔ اور آپس میں مختلف قسم کی باتیں کرنے لگیں۔ جب دیر ہوگئی۔ تو مالتی وہاں سے اٹھ کر واپس لوٹی سدامنی بھی پیچھے پیچھے آ پہونچی۔ مالتی نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ گھڑی میں دس بجے تھے دونوں موزے بننے لگیں۔ اور جب وہ تین گھنٹے بنتے بنتے ہوگئے۔ تو مالتی نے کہا! بی بی جی۔ اب رہنے دو۔ کل سہی۔ رات بہت ہوگئی ہے۔ اب جاؤ۔ سو رہو۔

سدامنی۔ "نہیں نہیں۔ تھوڑی دیر اور بن لوں۔"

مالتی۔ "ٹھنڈ پکڑنے کا ارادہ ہے؟"

سدامنی۔ "یوں ہی"

مالتی۔ "بی بی جی! بہت دیر تک نہ جاگنا چاہئے۔ کیونکہ صحت خراب ہو جاتی ہے۔"

سدامنی ——— "آج تم اتنی بے قرار کیوں ہو۔ آخر سونا ہی تو ہے نہ آدھ گھنٹہ اور سہی۔"

مالتی۔ "ارے۔ ارے ارے ارے۔۔۔"

سدامنی۔ "کیا ہوا؟"

مالتی۔ "انگلی کا خون نچوڑتے ہوئے ہوا کیا۔ سوئی چبھ گئی۔"

سدامنی۔ "ہے رام! اتنا خون پانی کی پٹی باندھ دوں۔"

مالتی۔ "نہیں پٹی باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ صرف دھونے سے ہی خون بند ہو جائیگا"

یہ کہکر مالتی نے اپنا ہاتھ پانی کے لوٹے میں ڈبو دیا۔ خون بند ہوگیا۔ اور زخم کا نشان بھی جاتا رہا مالتی نے پھر گھڑی کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ بی بی جی اب جاؤ نا۔ مجھے نیند

نیند آرہی ہے۔

سدامنی:- "آج کیا بات ہے۔ کہ بار بار کہہ رہی ہو۔ کیا بھیا آج جلدی آنے کے لئے کہہ گئے ہیں؟"

مالتی:- "نہیں تو۔"

سدامنی:- "اچھا! ایک بات پوچھوں۔"

مالتی:- "ہاں! کیا پوچھتی ہو۔"

سدامنی:- "بھیا! ہر روز اتنی رات گئے کیوں آتے ہیں۔ اور اتنی دیر تک کہاں رہتے ہیں؟"

مالتی:- "میں کیا جانوں۔"

سدامنی:- "تو کیا تم پوچھتی نہیں۔"

مالتی:- "میں کیا پوچھوں۔ کوئی کام ہوتا ہوگا۔"

سدامنی:- "لیکن میرے خیال میں ان کا اتنی دیر تک باہر رہنا ٹھیک نہیں۔"

مالتی:- "خیر اُن کے آنے پر انہی سے پوچھنا۔ جاؤ! سو رہو۔"

جب مالتی نے بہت اصرار کیا۔ تو سدامنی نے سمجھا۔ کہ بے چاری بھیا کے چال چلن سے دکھی ہے۔ اس لئے بیٹھنا اور باتیں کرنا پسند نہیں کرتی۔ چلو۔ سو رہو۔ بیچاری تکلیف میں ہوگی۔

یہ سوچ کر سدامنی وہاں سے چلی گئی۔ مالتی نے دروازہ بند کر لیا۔ اور کھڑکی میں آکر بیٹھ گئی۔ دس پندرہ منٹ میں ہی بھیروں پرشاد آپہنچا۔ اور کمند کے ذریعہ کمرے میں داخل ہو کر مالتی سے بولا۔ کیوں بہن سب کام ٹھیک ہو گیا نا؟

[illegible] یہ کہکر مالتی نے بیس روپے بھیروں پرشاد کے ہاتھ میں دیئے۔ پھر الماری سے [illegible] نکالی۔ تھال میں لگائی۔ اور بھائی کو پریم سے کھلائی۔ بھیروں پرشاد نے خوب [illegible] جب پیٹ بھر گیا۔ تو چلنے کے لئے تیار ہوا۔ مالتی رونے لگی۔ پھر آنسو پونچھ کر

بولی۔ بھیا! اب کب ملوگے ؟

بھیروں پرشاد:- میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ کب مل سکوں گا۔ جب موقع ملا۔ آجاؤں گا اطمینان رکھو۔ ہاں ایک بات اور ہے۔ میں ماں سے نہیں مل سکوں گا۔ کیونکہ پولیس شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتی ہوئی پھر رہی ہے۔ جہاں دیکھ پائیگی۔ پکڑ لیگی اس لئے ماں کو تم ہی تشفی دے دینا۔ اور اس کا جہاں تک ہو سکے۔ خیال رکھنا۔ میں نے آج اس آدمی کو یہاں دیکھا ہے۔

مالتی:- "کسے؟"

بھیروں پرشاد:- اسی خونی کو جس نے بھولا کا خون کیا ہے۔ اور گھنشام کو اٹھا لے گیا ہے۔

مالتی:- "تو بھیا! اسے پکڑوا کیوں نہیں دیتے"

بھیروں پرشاد:- "میں جب تک اس کے رہنے کا ٹھکانہ معلوم نہ کرلوں۔ یہ کام کیسے سرانجام دے سکتا ہوں۔ تھوڑے دن اور صبر کرو۔ پھر دیکھو۔ کیا بنتا ہے"!

یہ کہکر بھیروں پرشاد وہاں سے چلتا بنا۔ اور دیکھتے دیکھتے مالتی کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ مالتی اپنا بستہ بچھا کر آرام سے سو گئی۔

گیارھواں باب

شمبھو ناتھ، ہری ناتھ کے بڑے بھائی تھے۔ وہ عموماً لکھنؤ میں ہی رہتے تھے۔ آج مدت کے بعد اپنے ایک دوست کو ہمراہ لے کر گھر آئے۔ تو اپنے تمام بھائیوں میں سے کسی کو بھی نہ پایا۔ نہ تو کیلاش ناتھ ہی گھر پر تھے۔ اور نہ ہری ناتھ کا کچھ پتہ تھا۔ دل میں بہت کڑھے۔ لیکن کرتے کیا۔ چپ چاپ کپڑے اتار کر بیٹھک میں سو رہے۔ صبح ہی اٹھ کر اپنی ماں کالندری بی بی کے پاس پہنچے۔ وہ اس وقت ہاتھ منہ دھو رہی تھیں بیٹے کو دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔ کب آئے۔

شمبھو ناتھ ۔ تمہیں کیا۔ تم لوگ ہماری پرواہ ہی کیا کرتے ہو۔ پھر بھلا آپ پوچھنے سے کیا مطلب؟"

کالندری ۔ تیرے آج مطلب ہی نہ رہا۔ تو جسے پیٹ میں رکھا۔ پالا پوسا۔ بڑا کیا اور آج مطلب بھی نہ رہا تھا۔ ٹھوکر ہے رام! کیا میری قسمت میں سب ہی بیٹے ایسے لکھے تھے۔ ایک بھی اچھا نہ نکلا۔ کیلاش ہے۔ تو وہ ایسا ہی ہے۔ اور اسکی بہو تو وہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ ہری ناتھ بھی اپنی طرف سے کچھ کم نہیں کرتا۔ کالج چھوڑا۔ نوکری کی۔ خاندان کی ناک کٹوا دی۔ اب تو پرماتما ہمیں موت دے۔ تو اچھا ہے

شمبھو ناتھ ۔ غیروں کا بھی کچھ خیال ہے یا نہیں۔ ایک شریف رئیس زادہ مہمان ہے اور تم برابر ہی کہے جاتی ہو۔ اس بیچارے کی بھی تو خاطر مدارات کرنی چاہئے۔ ایسے رئیس زادے ہمارے یہاں آتے ہی کہاں ہیں۔ اسے بھی خوش نصیبی ہی سمجھو۔

کالندری ۔ تم تو آتے نہیں تھے۔ تو اب کیوں آئے۔ اب کسی نے پکڑ تھوڑے ہی رکھا

ہے۔ اب چلے جائیں۔"

شری ناتھ:۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دماغ میں خلل آ گیا ہے۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتیں۔"

کالندری:۔ "شری ناتھ! [illegible]

کہ میں کون ہوں؟"

شری ناتھ:۔ "ہاں! جانتا ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں [illegible] اپنے بچوں کو کھانا چاہتی ہے۔ لیکن نہیں۔ اب وہ وقت نکل گیا۔ ہم لوگوں کو نگلنا آسان نہیں۔"

کالندری:۔ "ارے کمبخت! کیا یہی ماں کی عزت ہے۔ جو کرتا ہے۔ نالائق تو نے میری کوکھ کو داغ لگا دیا۔ ایسے لڑکے نہ ہوتے تو اچھا تھا۔"

شری ناتھ:۔ "بس بس چپ رہو۔ ورنہ زبان کو ابھی کھینچ کر باہر نکال دوں گا۔"

کالندری:۔ "تو زبان نکالتا ہے یا میں نکالتی ہوں۔ موئے بے حیا۔ جا کالا منہ کر۔ دور ہو سامنے سے تجھے دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر رہا ہے۔"

یہ کہہ کر کالندری بی بی وہاں سے چلی گئی۔ ادھر شری ناتھ بھی ٹل گئے۔ اور جب غصہ کم ہوا۔ تو اپنے دوست کے پاس آئے۔ اور پاس کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ او سیٹی کی آواز کانوں میں آئی۔ آواز کے ساتھ ہی بابو ہری ناتھ آ پہنچے۔ دیکھا۔ تو بابو شری ناتھ اپنے دوست کے ساتھ کرسی پر رونق افروز ہیں۔ حیران ہو کر چلا اٹھے۔ آہا! بھائی صاحب!

شری ناتھ نے تیوریاں چڑھا کر جواب دیا۔ معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہری ناتھ:۔ "مزاج بدلا ہے۔ مجھے تو کچھ بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیا ماں کے ساتھ کھٹ پٹ ہوئی ہے؟"

شری ناتھ:۔ "ہری ناتھ! تمہیں سوجھتا نہیں۔ کہ ایک شریف آدمی بیٹھے ہیں۔"

یہ سنکر ہری ناتھ بڑھے۔ اور شری ناتھ کے دوست کا ہاتھ پکڑ کر زور سے ہلانے لگے وہ حیران ہوئے کہ یہ کیا کرتا ہے۔ آخر جب ہاتھ نہ چھوڑا۔ تو انہیں کہنا ہی پڑا۔ صاحب میرا ہاتھ چھوڑئیے۔ آپ سے میری جان پہچان نہیں۔

ہری ناتھ" تو کیا مضائقہ ہے۔ اب ہوئی جاتی ہے۔ جتنی دیر شیک ہینڈ کرینگے اتنی محبت زیادہ بڑھے گی۔"

دوست۔ (غصے سے لال پیلے ہو کر)" ایسی محبت کی ایسی تیسی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ بالکل بدتمیز ہیں۔"

ہری ناتھ" وہ تو ماشاء اللہ آپ کے چہرے ہی سے ظاہر ہے۔ خیر آئیے۔ میں آپ اپنے کبوتروں کی سیر کرا لاؤں۔"

دوست" اجی چھوڑئیے۔ میں سیر نہیں کرتا۔ تمہارے کبوتر تمہیں کو مبارک ہوں معلوم ہوا۔ کہ آپ کبوتر باز بھی ہیں؟"

ہری ناتھ" اس میں شک ہی کیا ہے۔ میں نے دو مینڈھے بھی لئے ہیں۔ انکی لڑائی دیکھا کروں گا۔ اچھا۔ تو یہ بتلائیے۔ کہ آپ کی تعریف کیا ہے؟"

دوست" پہلے آپ اپنی کہئیے۔"

ہری ناتھ" ہمارا نام ہری ناتھ ہے۔ باپ کا نام رام ناتھ۔ دادا کا نام بیکنٹھ ناتھ۔ پردادا کا نام لکشمی ناتھ۔ سکڑ دادا کا نام ...."

دوست" بس بس۔ اب رہنے دیجئے۔"

ہری ناتھ" اب آپ اپنا نام بتلائیے۔ اور پھر شجرہ نسل سنائیے۔"

دوست" میرا نام کمل کشور ہے۔ لیکن لوگ مجھے کُمار کمل کشور کہتے ہیں۔"

ہری ناتھ" اوہو! راجہ رادھکا کشور کے لڑکے آپ ہی ہیں نہ؟ آپکی تعریف کے بادل برسا برسا کر تو ہمارے بھائی صاحب نے ہمارا گھر بھی ہمارا۔ آئیے شیک ہینڈ کیجئے۔"

یہ کہکر ہری ناتھ نے کمار کمل کشور کا ہاتھ پھر پکڑا اور لگے زور سے ہلانے۔ اور جب ٹھیک ہینڈ کر چکے۔ تو فوراً وہاں سے چل دئے۔ ہری ناتھ کے پیچھے شری ناتھ بھی ہو لئے اب اکیلے کمل کشور رہ گئے۔ وہ ہری ناتھ کے اوضاع واطوار پر غور کرنے لگے اتنے میں بیٹھک کے اوپر کی کھڑکی کھلی ایک نازنین دھانی دوپٹہ اوڑھے آنکھوں میں سرمہ لگائے ہاتھوں میں مہندی رچائے کھڑکی کی آڑ میں آکھڑی ہوئی۔ کمل کشور نے دیکھا۔ تو اشارہ بازی سے کام لینے لگے۔ اور آہستہ آہستہ اُس کامنی کو پھانس لیا۔ اس نے اپنا نام چنبیلی بتایا۔ اور کہا۔ کہ میں شری ناتھ کی چھوٹی بہن ہوں۔ آج رات کو ملاقات ہوگی۔

اب کمار کمل کشور رات کا انتظار کرنے لگے۔ آخرکار رات آگئی۔ شری ناتھ اور کمل کشور دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ شراب پی اور سو گئے۔ شری ناتھ نے نہایت بے احتیاطی سے شراب پی تھی۔ اس لئے وہ بالکل مدہوش تھے۔ ہاں! کمل کشور جاگتے تھے جب آدھی رات کا وقت ہوا۔ تو وہ کھڑکی پھر کھلی۔ اور چنبیلی نظر آئی۔ فوراً کمل کشور چور دروازے کی راہ سے اُس کے پاس پہونچے۔ اور کہنے لگے۔ پیاری! سچ سچ تم دنیا میں بے مثل حسن لے کر آئی ہو۔ آنکھیں چار ہوتے ہی میرا دل قابو سے جاتا رہا۔ اگر آج تم مجھے اپنے حضور میں حاضر ہونے کا شرف بخشتیں۔ تو کل صبح تک میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی۔ کہو مزاج کیسا ہے؟

چنبیلی:۔ کمار صاحب! میں پوچھتی ہوں۔ کہ کیا بھلے گھر کی بہو بیٹیوں پر ہاتھ صاف کرنا ٹھیک ہے۔ میں تمہارے دوست کی بہن ہوں۔ بس تمہاری بھی بہن ہوئی اپنی بہن سے ناجائز محبت .... چھی چھی ... ہم نے ایسے آدمی نہ دیکھے نہ سُنے!

کمل کشور:۔ قدرت نے جس مصالحے سے حسین عورتوں کا جسم بنایا تھا۔ اگر اُسی سے اُن کا دل بھی بنایا ہوتا۔ تو غریب شیدائیوں کا خون تو نہ ہوتا۔ پیاری! یہ نہ کہو۔ ورنہ میری جان نکل جائے گی۔ میں ہزاروں آرزوؤں اور ارمانوں کو لیکر

تمہارے پاس حاضر ہؤا ہوں۔ ان کا خون نہ کرو۔ اگر اس وقت بھی تم نے ایسی ہی باتیں کیں۔ تو بس میرا کام تمام ہؤا۔"

چنبیلی:۔ "کیا میں جھوٹ کہتی ہوں۔ آپ عاقل ہیں۔ ذرا انصاف تو کیجئے۔ کہ جو عورت پہلے ہی کسی سے بیاہی جا چکی ہو۔ اُس سے رشتہ قائم کرنا ٹھیک ہے؟"

کمل کشور:۔ "اجی! اس انصاف کو جھونکئے چولھے بھاڑ میں اگر اب بھی وقت سے فائدہ نہ اٹھاؤ گی۔ تو پچھتاؤ گی۔"

چنبیلی:۔ "مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ اندھے عاشق بن کر آئیں گے۔ اگر یہ معلوم ہوتا۔ تو ہرگز اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتی۔"

کمل کشور:۔ "تمہارے نور نے مجھے اندھا بنا رکھا ہے۔ ورنہ دراصل میں اندھا نہیں بلکہ بینا ہوں۔"

چنبیلی:۔ "کمار صاحب! مجھے یہ بے جا تعریف پسند نہیں۔ اگر کوئی بازاری عورت ہوتی۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہ تمہاری ان باتوں کو پسند کرتی۔"

کمل کشور:۔ "اچھا تو معافی دیجئیگا۔ آیندہ زبان تک نہ ہلاؤں گا۔"

چنبیلی:۔ "معافی کیسی؟ معافی کسی اور سے مانگئیگا۔ میں آپکی کیا لگتی ہوں؟"

کمل کشور۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) "یہ نہ پوچھو کہ کیا لگتی ہو۔ دلربا دلدار معشوقہ دلنواز۔"

چنبیلی:۔ "کمار صاحب مجھسے ایسی امید نہ رکھئیگا۔ میں ایک نیک اور پارسا عورت ہوں۔"

کمل کشور:۔ "سچ ہے۔ بعض اوقات شکاری اپنے شکار کو کھلا کھلا کر مارتا ہے۔ میں آج تمہاری زلفوں کے جال میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ اس لئے اب میری زندگی اور موت تمہارے ہاتھ بس ہے۔ مجھے زندہ رکھو یا قتل کروادو۔"

چنبیلی:۔ "تو کیا تم سچ مچ مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

کمل کشور:۔ کیا اس میں ابھی کچھ شک ہے؟

چنبیلی:۔ تو چنبیلی بھی ہمیشہ آپ کی محبت کا دم بھرتی رہے گی۔

کمل کشور:۔ شکر ہے کہ تمہاری زبان سے کبھی یہ الفاظ نکلے۔ ورنہ میں تو یہ سمجھا [illegible] [illegible] باتیں میرے ساتھ تیر و نشتر [illegible] [illegible]

چنبیلی:۔ پیارے! کل سے میں آپ کو نہ دیکھ سکوں گی؟

کمل کشور:۔ ہیں! کیا کہا۔ چنبیلی! کیا غضب کرتی ہو؟

چنبیلی:۔ بات یہ ہے۔ کہ میرے شوہر کالج سے چھٹی لے کر یہاں آئے ہوئے ہیں اور وہ علیحدہ مکان میں رہتے ہیں۔ اس لئے کل مجھے وہاں جانا ہوگا۔

کمل کشور:۔ افسوس! خوشی کا دور ایک رات میں ختم ہوگیا اچھا! تو پھر کیسے رہیگی؟

چنبیلی:۔ تم غالباً ان کو جانتے ہی ہو؟

کمل کشور:۔ ہاں! بابو مدن موہن کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

چنبیلی:۔ تو بس پھر کیا ہے۔ ان سے ملنے کے بہانے سے وہاں آنا۔ میں آپ کو وہیں دیکھ لیا کروں گی۔ اب جائیے۔ سو جائیے۔ میں بھی گھڑی دو گھڑی آرام کر لوں ورنہ بچہ جاگ اٹھیگا۔

کمل کشور نے چنبیلی سے ہاتھ ملایا۔ اور چھاتی سے لگا کر گالوں کو چوما۔ پھر چپکے سے نیچے اتر آئے۔ اور اپنے پلنگ پر جا کر سو گئے۔

بارہواں باب

بابو مدن موہن بھی اسی روز بنارس آئے تھے۔ جس روز شری ناتھ بابو اپنے دوست کمل کشور کے ساتھ وارد ہوئے تھے۔ وہ آگرہ میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے۔ اُن کا گھر بھیروں پرشاد کے محلے میں تھا۔ اور اُس سے اُن کی خوب چھنتی تھی۔ بھیروں پرشاد کا کل حال اُس کی چٹھی سے آگرے میں ہی جان چکے تھے۔ اور اس لئے کالج سے تین ماہ کی رخصت پر گھر تشریف لائے تھے۔ ان کے والدین زندہ نہ تھے۔ صرف چنبیلی ہی چنبیلی انہیں نظر آتی تھی۔ ایک لڑکا تھا۔ جو ابھی بہت چھوٹا تھا۔ جب وہ رخصتوں پر گھر آتے تھے۔ تو چنبیلی ان کے پاس چلی جاتی تھی۔ ورنہ وہ عموماً ماں باپ کے گھر ہی پڑی رہتی تھی۔

خیر جب مدن موہن رخصتوں میں گھر آئے۔ تو سیدھے بھیروں پرشاد کے مکان کا رخ کیا۔ صحن میں جا کر آواز دی ——— کون ہے؟ یہ کہتی ہوئی للتا صحن میں آگئی لیکن اُس نے مدن موہن کو دیکھتے ہی سر جھکا لیا۔ مدن موہن نے یہ دیکھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہنے لگے۔ للتا! تو تو اب سیانی ہوگئی ہے۔ ابھی چھ ماہ ہوئے میں آیا تھا۔ اُس وقت تو اتنی بڑی نہ تھی۔ اتنی جلدی کیسے بڑھ گئی۔

مدن موہن کا ہاتھ پکڑنا تھا۔ کہ للتا کے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ بید کی طرح تھر تھر کانپنے لگی۔

للتا کی عمر اس وقت چودہ پندرہ سال کی تھی۔ جوانی کا ابھار تھا جوبن پھٹا پڑتا تھا۔ شکل دلفریب اور نورانی تھی۔ آنکھیں بادۂ شباب سے سرمست تھیں۔

مدن موہن کے چھونے سے اس کے جسم کے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اور آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ گرا ہی چاہتی تھی۔ کہ مدن موہن نے دونوں ہاتھوں کا سہارا دے کر اُسے تھام لیا۔ اور ہنس کر بولے للتا! تجھے کیا ہو گیا۔ کیا تو بیمار ہے؟

للتا کچھ نہ بولی۔ تاہم سر ہلا کر مدن موہن کے سوال کا جواب دیا۔ پھر دونوں کے دونوں اوپر گئے۔ اُس وقت بھیروں کی ماں بیٹھی ہوئی خربوزے کے بیج چھیل رہی تھی۔ اُس سے ملے۔ اور بھیروں پرشاد کا حال پوچھا۔ وہ اسے تسلّی دے کر نیچے آئے للتا دروازے تک پہنچانے آئی۔ لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔

وہاں سے لوٹ کر وہ واپس جا رہے تھے۔ تو راستے میں ایک ویران سی جگہ ملی جہاں مکانات بالکل کھنڈرات کی صورت میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پیپل اور نیم کے درخت بکثرت اُگے ہوئے تھے۔ جونہی انکی نظر اُس طرف گئی۔ انہیں ایک آدمی نظر پڑا جس نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

دن کے دو بجے کا وقت تھا۔ بیسا کھ کا مہینہ تھا۔ چاروں طرف آگ برس رہی تھی۔ بازاروں میں کوئی بھی چلتا پھرتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ مدن موہن نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ اور جب کسی کو آتے جاتے نہ دیکھا۔ تو چپکے سے اُن کھنڈرات میں گھس گئے اور جب اُس آدمی کے پاس پہنچے۔ تو اُس نے رو کر کہا۔

بابو مدن موہن! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ اگر نہیں پہچانتے۔ تو سنئے۔ میں ہی بدنصیب بھیروں پرشاد ہوں۔ اور کئی روز سے میرے منہ میں ایک لقمہ تک نہیں گیا۔ ایں! میں کیا سن رہا ہوں۔ یہ کہکر وہ بھیروں پرشاد کے گلے سے چمٹ گئے پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے۔ بھیروں پرشاد! تم یہاں کب سے چھپے ہوئے ہو؟

بھیروں پرشاد "چھ دن سے"

مدن موہن:۔ "بھائی! یہ تم نے کیا کیا؟"

بھیروں پرشاد:۔ "میں نے کچھ نہیں کیا۔ بالکل بے گناہ ہوں۔ میں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں نے خون نہیں کیا"

مدن موہن:۔ "تو پھر کس نے کیا؟"

بھیروں پرشاد:۔ "نام تو میں نہیں جانتا۔ ہاں! پہچانتا ضرور ہوں۔ میں نے اُسے اس روز بھی دیکھا تھا۔ جس روز اس نے خون کیا۔ اور آج بھی اس راستے سے گذرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اُس کمبخت کا نام و نشان مجھے معلوم نہیں۔

مدن موہن:۔ "اگر تم نے خون نہیں کیا تو بھاگے کیوں؟"

بھیروں پرشاد:۔ اگر نہ بھاگتا تو ضرور گرفتار ہو جاتا۔ میری بات کا یقین کون کرتا۔ جب میں نے سنا کہ لوگوں نے پولیس کے سامنے خونی مجھے ہی ٹھہرایا ہے۔ تو میں اپنی جان بچا کر پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ نکلا۔

مدن موہن:۔ "پھر اس طرح یہاں کب تک پڑے رہو گے؟"

بھیروں پرشاد۔ نہیں! آج ہی رات کو میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا۔ اچھا! اب تم جاؤ۔ اور میرے لئے کھانے کو لاؤ۔ میں بالکل بھوکا ہوں۔ اگر تم آج نہ آتے۔ تو میں ضرور مر جاتا۔"

مدن موہن حلوائی کی دوکان پر پہنچے۔ آٹھ آنے کی دو سیر پوری لیں۔ کچھ مٹھائی لی۔ اور بھیروں پرشاد کے پاس آئے۔ جیب خرچ کے لئے دس دس روپے کے دو نوٹ اس کے حوالے کئے۔ اور وہاں سے نکل کر گھر کو جانے لگے۔ لیکن کسی نے انہیں پیچھے سے پکارا۔ جب مڑ کر دیکھا۔ تو شری نا تھ اور کمل کشور آ رہے تھے۔

کمل کشور:۔ "مسٹر مدن موہن آپ کب آئے؟"

مدن موہن:۔ "آج ہی۔ لیکن تم لوگ کب پہنچے؟"

شری ناتھ:- "آج ہی"

مدن موہن:- "کدھر جا رہے ہو؟"

کمل کشور:- "ذرا ہوا خوری کے لئے نکلے ہیں"

مدن موہن:- "توبہ! توبہ! اتنی تیز دھوپ- اور آپ کی ہوا خوری"

شری ناتھ:- "اجی ہوا خوری نہیں کسی شکار کی تلاش میں نکلے ہیں"

مدن موہن:- "کیسا شکار؟"

کمل کشور:- "یار سنا ہے- کہ تمہارے محلے والے باغ میں آج کل خوب بہار ہے- رنگ برنگے پھول کھلے ہیں [illegible] ان کی سیر کر آئیں"

مدن موہن:- [illegible] دامن سنبھال کر رکھنا"

شری ناتھ:- [illegible]

[illegible]

مدن موہن:- "پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں"

کمل کشور:- "اوہ! ایسے کانٹوں کی کون پرواہ کرتا ہے- اور اس کے علاوہ ان کانٹوں کو دور کرنے کا ذریعہ بھی تو ہمیں معلوم ہے"

مدن موہن:- "اچھا تمہیں وہ پھول مبارک ہوں میں چلتا ہوں"

کمل کشور:- "آج شام کو ملاقات ہو گی؟

مدن موہن:- میں نہیں کہہ سکتا- کہ مل سکوں گا یا نہیں؟

یہ کہہ کر مدن موہن تو اپنے گھر چلے گئے- اور یہ دونوں ایک گلی میں پہنچے- اِدھر اُدھر نظر دوڑائی- ایک مکان کی کھڑکی کھلی پائی- جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی موزے بُن رہی تھی- کمل کشور نے اس کی صورت دیکھتے ہی چٹکی بجائی- اور شری ناتھ سے کہا- فرینڈ دیکھو آج کل پھولوں پر کیسی بہار ہے- واہ! واہ قدرت بھی عجیب کاریگر ہے- جو ایسی صورتیں بناتی ہے-

شری ناتھ "دوست کہتے تو سچ ہو۔ حسن بھی بلا کا پایا ہے۔ سادگی غضب ڈھا رہی ہے۔ حور ہے حور!! آج تک ان آنکھوں نے ایسی صورت نہیں دیکھی تھی"

یہ تمام باتیں سداسُنی نے سنیں۔ پہلے تو اُس نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جب تنگ آ گئی۔ تو نیچے جھک کر دیکھا۔ دونوں کے دونوں مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ سداسُنی نے ان پر تھوک کر کھڑکی بند کر لی۔

شری ناتھ کمل کشور سے بولے۔

دیکھا پہلے پہل تھوک سے تواضع ہوئی۔

کمل کشور۔ (منہ رومال سے پونچھ کر) "کچھ ڈر نہیں۔ اگر میرا نام کمل کشور ہے تو ضرور اس مغرور نازنین کو قبضے میں لاؤں گا۔ ورنہ زہر کھا کر مر جاؤں گا۔ چلو ذرا اُس تنبولی کی دوکان پر چلیں۔ تھوڑا بہت حال معلوم ہو جائیگا۔ دونوں کے دونوں تنبولی کی دوکان پہ گئے۔ پان کھایا۔ اور باتوں باتوں میں دریافت کرنے لگے۔

کیوں بھئی! وہ سامنے والا مکان کس کا ہے؟"

تنبولی نے جواب دیا۔ بابو شنکر پرشاد کا۔

ٹھیک ہے۔ یہ اُنہی کا مکان ہے۔ میں دھوکا میں تھا۔ اب معلوم ہوا چلو فرینڈ چلیں۔

یہ کہکر کمل کشور اور شری ناتھ وہاں سے چل دیئے۔ کچھ دور نکل کر شری ناتھ نے کہا۔ دوست پتہ لگ گیا۔

کمل کشور "وہ کیسے؟"

شری ناتھ "میں شنکر پرشاد کے گھر کا حال اچھی طرح جانتا ہوں۔ آجکل انکے گھر پر مفلسی نے ڈیرا جما رکھا ہے۔ کچھ روپے صرف کرنے سے کام بن جائیگا۔ وہ عورت جسے ہمنے دیکھا ہے اُس کی بڑی لڑکی سداسُنی ہے۔ جو مدت سے بیوہ ہو چکی ہے۔ اُس کو قابو میں لانا کچھ مشکل نہیں

تیرہواں باب

دو بجے کا وقت تھا۔ بابو لوگوں کو ٹفن کی چھٹی ہو گئی تھی۔ ہر پرشاد شیو پرشاد سے ملنے کے لئے ان کے دفتر پہونچے۔ لیکن اس وقت شیو پرشاد وہاں موجود نہیں تھے۔ بابو ہری ناتھ میز پر دونوں ٹانگیں پسار کر ناک بجاتے ہوئے سو رہے تھے۔ بابو ہر پرشاد اپنے بھائی کی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔ اور کاغذوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ چٹھیاں جو وہاں پڑی تھیں۔ ان کو پڑھنے لگے۔ پھر چپراسی سے دریافت کیا۔ کہ بابو شیو پرشاد کہاں ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ وہ صاحب کے پاس گئے ہیں۔ ابھی آ جائینگے۔ اتنے میں بابو شیو پرشاد آ گئے۔ اور بھائی کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے۔ آپ کب آئے؟

ہر پرشاد "ابھی آیا ہوں"

شیو پرشاد "مجھے مجسٹریٹ صاحب نے بلایا تھا۔ انہوں نے چٹھیاں دی ہیں۔ کہ ان کو پوسٹ آفس میں خود جا کر رجسٹری کروا آؤ۔ میں جاتا ہوں۔ آپ یہیں ٹھہریں"

ہر پرشاد "نہیں میں بھی جاتا ہوں"

شیو پرشاد "بابو ہری ناتھ اس وقت کنبھ کرن کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ انہیں جگا تا جاؤں"

یہ کہہ کر انہوں نے ہری ناتھ کو ہاتھ سے ہلایا۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں اٹھے اور منہ پھاڑ کر ایسی انگڑائی لی۔ کہ چپراسی بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

اسے ہنستے ہوئے دیکھ کر وہ زور سے گرج کر بولے کمبخت! ہنستا ہے؟

چپراسی نے ہنسی روک کر جواب دیا۔ نہیں حضور۔ غلام کی کیا مجال ہے۔ جو آپ

لوگوں کے سامنے ہنس سکے۔

ہری پرشاد اور شیو پرشاد دونوں چلے گئے۔ بابو ہری ناتھ سگرٹ پینے لگے۔ اور کمرے میں چہل قدمی کرنے لگے۔ اتنے میں صدر راستے سے جاتے ہوئے انہیں ایک آدمی دکھائی دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہیں سے چلا اٹھے۔ "ٹھہرئیے! حضرت ٹھہرئیے۔ میں آتا ہوں۔"

یہ کہکر ایک ہی چھلانگ میں کمرے سے باہر ہو گئے۔ اور اس شخص کے پاس پہنچ کر زور سے اس کا ہاتھ ہلانے لگے۔ کہئے! آپ کب آئے؟"

مدن موہن نے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا۔ دو دن ہوئے۔

ہری ناتھ:۔ "ہمارے بھائی صاحب بابو شری ناتھ بھی دو دن سے آئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایک شیطان بھی ہے۔"

مدن موہن:۔ "کون شیطان! کیا آپ کل کشور کے بارے میں کہتے ہیں؟"

ہری ناتھ۔ ہاں اسی بدمعاش کے بارے میں۔ وہ شخص نہایت چالاک معلوم ہوتا ہے آپ نے وہ بات سنی ہے۔"

مدن موہن:۔ "کونسی بات؟"

ہری ناتھ:۔ "تمام شہر میں یہ افواہ مشہور ہو رہی ہے۔ کہ بھیروں پرشاد شہر میں چھپا ہے۔"

مدن موہن:۔ "نہیں۔ مجھے تو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں۔"

مدن موہن چلے گئے۔ ہری ناتھ بابو اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ شیو پرشاد پوسٹ آفس سے لوٹ آئے۔ اور کہنے لگے۔ ہری ناتھ بابو! آپ کمرے کو خالی چھوڑ کر باہر کیوں چلے گئے تھے؟

ہری ناتھ:۔ "تو کیا ہم پہرہ دار ہیں۔ کہ کمرے کا پہرہ دیا کریں۔ آفس نہ ہوا خزانہ ہوا۔"

اس پر شیو پرشاد کچھ نہ بولے اور اپنا کام کرنے لگے۔

اتنے میں گھڑی نے پانچ کا گھنٹہ بجایا۔ شیو پرشاد اور ہری ناتھ نے کاغذ سمیٹے۔ اور

گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ جب بابو شیو پرشاد گھر کے دروازے پر پہنچے۔ تو بابو ہر پرشاد بھی آتے سونے مل گئے۔ دونوں بھائی اندر چلے گئے۔ گھر میں چراغ جل چکا تھا۔ کہ مینی آنگن میں کھیل رہی تھی۔ اس نے دوڑ کر دونوں بھائیوں کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اور کھینچتی ہوئی اندر لے چلی۔ کمرے میں پہونچے۔ تو چپلا دونوں کے کپڑے لینے لگی۔ ہر پرشاد نے کپڑے اتارتے ہوئے پوچھا۔ بابو جی کی طبیعت کیسی ہے؟

چپلا نے کہا۔ آج کچھ اچھی ہے۔ آج تمام دن وہ ہم لوگوں کے ساتھ بات چیت کرتے رہے ہیں۔

چپلا بھائیوں کے کوٹ اور پاجامے وغیرہ کا ڈھیر لیکر اندر کی کوٹھڑی میں رکھنے کے لئے چلی۔ کہ چھن چھن کرتے ہوئے کئی ایک روپے بابو ہر پرشاد کی جیب سے برس پڑے کہ مینی دوڑ کر انہیں گننے لگی۔

چودھواں باب

دونوں وقت مل چکے تھے۔ چنبیلی اپنی بھاوج بابو کیلاش ناتھ کی بیوی گلاب کے ساتھ اس کے کمرے میں بیٹھی ہوئی شطرنج کھیل رہی تھی۔ گلاب کا کمرہ مختلف قسم کے جھاڑ فانوس سے آراستہ تھا۔ قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف چھپر کھٹ بچھا ہوا تھا۔ جس پر ایک بھاری قالین زیب دے رہا تھا۔ دونوں نند بھاوج کھیل میں اس قدر محو تھیں کہ چراغ جلانے کا بھی خیال نہ رہا۔

اتنے میں کہ لندری بی بی وہاں پر آپہونچیں۔ بیٹی اور بہو کو، اندھیرے میں کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگیں۔ رام رام! شام ہوگئی۔ لیکن تم دونوں کا کھیل ختم نہ ہوا۔

چنبیلی چمک کر بولی۔ تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے۔

کالندری (گرج کر) اٹھتی ہے یا نہیں۔ روز منع کرتی ہوں۔ کہ شام کے وقت تاش شطرنج وغیرہ نہ کھیلا کرو۔ لیکن سنتی ہی نہیں۔"

گلاب:۔ اگر نہ کھیلا کریں۔ تو کیا بھاڑ جھونکیں۔ پہلے ہی مکان کی چار دیواری میں قید ہیں۔ اب تاش شطرنج بھی نہ کھیلا کریں۔ کیا کھیلنا بھی کوئی پاپ ہے؟"

کالندری (غصے سے تھر تھر کانپ کر) کمبخت بولے جاتی ہے۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔"

گلاب:۔ دیکھو جی۔ گالی۔ والی مت دو۔ ورنہ بُرا ہوگا۔"

کالندری:۔ تو میرا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ سچ سچ آج کل کی بہوئیں بھی آفت کا پرکالہ ہوتی ہیں۔ جہاں ڈولی سے نکلیں۔ اور لگیں آسمان کے تارے توڑنے۔ چنبیلی اٹھتی ہے یا نہیں تو اگر اس کے پاس آئے گی۔ تو تیرے پاؤں توڑ ڈالوں گی۔"

یہ کہکر کالندری بی بی نے چنبیلی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اٹھا لیا۔ اور اپنے ساتھ لیچلی۔ گلاب اپنا منہ تکئے پر رکھ کر رونے لگی۔ ادھر چنبیلی بھی اپنا ہاتھ چھڑا کر منہ پُھلائے ہوئے اپنی کوٹھڑی کی طرف چل دی۔ راستے میں شنبھو نام کا ایک لڑکا کھڑا تھا۔ جو مدت سے انہیں لوگوں کے گھر کام کیا کرتا تھا۔ چنبیلی کو جب اس نے اس طرح منہ پُھلائے ہوئے دیکھا۔ تو راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔ کیوں بی بی جی! کدھر جا رہی ہو۔ کیا ماں جی سے کچھ لڑائی ہوئی ہے۔

یہ سنکر چنبیلی کے بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ ایک لکڑی پاس ہی پڑی تھی اُٹھا کر زور سے کھینچ ماری۔ شنبھو ہٹ گیا۔ اگر نہ ہٹتا۔ تو سر کے سو ٹکڑے ہو جاتے۔ پھر زور زور سے گالیاں دینے لگی۔ موئے! بھیا! تو کون ہے جو مجھ سے پوچھتا ہے۔ تیرا مطلب ہی میرے ساتھ کیا ہے؟

اس طرح گالیاں دے دلا کر چنبیلی اپنی کوٹھڑی میں جا پہنچی۔ اور خوب روئی۔ رات کو

گھروالوں کے سمجھانے پر بھی کھانا نہ کھایا۔

اِدھر گلاب بھی پلنگ پر لیٹ کر آنسو بہانے لگی۔ اور قسم کھائی۔ کہ جب تک اس گھر میں رہونگی پانی تک نہ پیونگی۔ پتی کے آنے پر منٹوں میں سارا فیصلہ ہو جائے گا۔

شام کو یہ مہابھارت کا یدھ ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ رات کے دس بج گئے۔ گھر کی دائی وغیرہ نے گلاب کو سمجھایا بجھایا۔ کالندری بی بی خود گئیں منت سماجت کی۔ لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ اور اسی طرح پڑی رہی۔ رہتے ہوتے آدھی رات ہو گئی۔ لیکن ابھی تک بابو کیلاش ناتھ گھر نہ آئے۔ جوں جوں رات گذرتی جاتی تھی۔ توں توں گلاب کے بدن میں ایک آگ سی سلگ رہی تھی۔ رات کے دو بجے بابو کیلاش ناتھ گھر پہنچے۔ لیکن ابتر حالت میں ہوش وحواس بجا نہ تھے۔ اندھوں کی طرح گرتے پڑتے اور چھپرکٹ تک پہنچتے پہنچتے اُس کے نیچے ہی گر گئے۔

گلاب یہ حالت دیکھ کر جامہ سے باہر ہو گئی۔ لیکن پھر سوچ کر چھپرکٹ پر لیٹ گئی۔ اور زور سے اپنے پتی کے سینے میں تان کر ایک لات ماری۔ کیلاش بابو بے ہوش ہو گئے اُسی وقت چلم بھر کر شنبھو آن پہنچا۔ لیکن مالک کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور جہاں پر کھڑا تھا وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ گلاب اسے دیکھ کر چھپرکٹ کے نیچے کو دا ئی۔ اور کہنے لگی۔ دیکھ شراب خور اور رنڈی باز خاوند! تیری بیوی تجھے کیسا مزا چکھاتی ہے۔ جس طرح تو غیروں سے لڑ کر بھی اڑاتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی کرتی ہے یا نہیں۔ شنبھو! پھینک دے چلم کو شرابی کو حقے سے کیا کام۔ دیکھتا نہیں کہ بے ہوش پڑا ہے۔ آ! چلم کو پھینک کر ادھر آ میرے پاؤں دبا۔ شنبھو ڈر سے تھر تھر کانپنے لگا۔ لیکن گلاب کے پاس جانیکی ہمت نہ ہوئی

گلاب نے پھر ڈانٹ کر کہا۔ کمبخت! آتا کیوں نہیں۔ آ میرے پاؤں دبا۔

شنبھو۔ "دائی کو بلا لاؤں"

گلاب۔ "نہیں دائی کی کیا ضرورت ہے۔ تو کیا نواب زادہ ہے۔ آ۔ ادھر آ"

یہ کہکر گلاب اُس کا ہاتھ پکڑ کر چھپر کھٹ پر کھینچ لائی۔ اور ایک ہی جھٹکے سے چراغ کو گل کر دیا۔



پندرہواں باب

بابو شیو پرشاد آفس میں بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں چپڑاسی نے آ کر کہا بابو جی آپ کو کلکٹر صاحب بلاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی شیو پرشاد کام چھوڑ کر کلکٹر صاحب کے کمرے میں گئے۔ اور جھک کر سلام کیا۔ پھر چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔ صاحب بہادر نے ان کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگے۔ تقریباً ایک مہینہ گذرا جب ہم نے تمہیں کئی ایک چٹھیاں رجسٹری کروانے کے لئے دی تھیں۔ کیوں کچھ یاد ہے؟"

شیو پرشاد "جی ہاں! اچھی طرح یاد ہے"

صاحب "تم نے اُن کی رجسٹری خود جا کر کروائی تھی یا کسی دوسرے کے ہاتھ؟"

شیو پرشاد "جی نہیں میں خود گیا تھا۔ اور میں نے اپنے ہاتھ سے ان سب کی رجسٹری کروائی تھی"

صاحب "اُن چٹھیوں میں سے ایک میں سو روپیہ کا نوٹ تھا۔ وہ گم ہو گیا ہے"

شیو پرشاد (گھبرا کر) "گم ہو گیا ہے!"

صاحب "ہاں! گم ہو گیا ہے (تھوڑی دیر کے بعد) شیو پرشاد! دیکھو ہم سے کسی بات کے چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔ سچ بتاؤ۔ کیا رجسٹری کرانے سے پہلے وہ سب چٹھیاں تمہارے ہاتھ میں تھیں؟"

شیو پرشاد "جی نہیں! جب آپ نے دوبارہ مجھے طلب فرمایا تھا۔ تو وہ سب چٹھیاں

میز پر ہی پڑی تھی۔"

صاحب :" اس وقت وہاں کون موجود تھا؟"

شیو پرشاد :" ایک تو بابو ہری ناتھ تھے۔"

صاحب :" وہ اس وقت کیا کرتے تھے؟"

صاحب بہادر کا یہ سوال سنکر شیو پرشاد ہچکچا گئے۔ اور سوچنے لگے۔ کہ کیا جواب دوں۔ کیونکہ اس وقت ہری ناتھ سو رہے تھے۔ اگر کہہ دوں۔ تو ہری ناتھ کی شامت آجائے گی۔ اور اگر یہ کہہ دوں۔ کہ وہ جاگتے تھے۔ تو نوٹ کی چوری انہیں پر لگائی جائے گی یہ سب سوچ سمجھ کر شیو پرشاد چپکے ہو رہے۔ انہیں چپ دیکھ کر صاحب بہادر ناراض ہو کر بولے۔ شیو پرشاد! دیکھو جھوٹ بول کر چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

یہ سنتے ہی شیو پرشاد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ لیکن وہ آنسو ان ہی میں سما گئے تھوڑی دیر بعد شیو پرشاد نے جواب دیا۔ اس وقت بابو ہری ناتھ اونگھتے تھے۔

صاحب ۔ تم جب یہاں سے لوٹ کر اپنے کمرے میں پہنچے تھے۔ تو کسی غیر شخص کو بھی وہاں دیکھا تھا؟"

شیو پرشاد :" جی ہاں میرے بڑے بھائی بابو ہر پرشاد مجھے ملنے کے لئے آئے تھے۔ اور وہ میری انتظار میں میری کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ ایک چپراسی بھی بیٹھا تھا۔"

صاحب :" اچھا! اس وقت جاؤ۔"

شیو پرشاد تو باہر آئے۔ اور صاحب بہادر نے دفتری کو بلا بھیجا۔ اسے اس دن کی بات یاد دلا کر پوچھا کہ اس دن جب ہم نے شیو پرشاد کو بلایا تھا۔ تو ان کے اندر کوئی شخص اس کمرے میں گیا تھا؟"

دفتری :" جی ناہیں ہجور۔ کوئی نہیں آیا۔ صرف جج صاحب کے محرر بابو ہر پرشاد آئے تھے۔"

صاحب۔ تم نے شیو پرشاد کی میز پر کچھ چٹھیاں دیکھی تھیں؟"
دفتری۔ جی ہاں کاغذ تو روز ہی پڑے رہتے ہیں۔ اُس دن بھی ہوں گے۔"
صاحب:" اس وقت ہری ناتھ کیا کرتے تھے؟"
دفتری:" حضور وہ تو ناک بجا رہے تھے۔"
صاحب:" ویل اجاؤ۔"

دفتری نے جھک کر سلام کیا۔ اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب بابو ہری ناتھ کی باری آئی۔ ان کے آنے پر صاحب بہادر نے انہیں بھی اس روز کی بات یاد دلا کر پوچھا کہ جب بابو شیو پرشاد کو میں نے بلایا تھا۔ تو تم کیا کر رہے تھے؟

ہری ناتھ۔ (غور کرنے کے بعد)" یہ کیسے بتلا سکتا ہوں۔ کہ کیا کر رہا تھا۔ اتنی پرانی بات یاد رکھنا بالکل غیر ممکن ہے۔"

صاحب۔ یاد کرو۔ ممکن ہے یاد آجائے۔"
ہری ناتھ:" ہاں اُس وقت ۔۔۔۔۔ وہ بات آپ کے سننے کے قابل نہیں ہے۔"
صاحب۔ (ناراض ہو کر)" یو ڈیم۔ فول۔ ہم تم کو ڈسمس کر دے گا۔ تمہارا شرارت دن بدن بڑھتا جاتا ہے!"

ہری ناتھ۔ (خوف زدہ ہو کر)" نہیں حضور۔ میرا کچھ قصور نہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اُس وقت نہ جانے کیونکر میں ذرا اونگھ گیا تھا۔"
صاحب:" جاؤ۔"

یہ سنتے ہی ہری ناتھ ایک ہی چھلانگ میں کمرے سے باہر نکل آئے۔ اور شیو پرشاد سے آکر پوچھنے لگے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

شیو پرشاد کی حالت اس وقت عجیب ہو رہی تھی۔ ان کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ سر میں زور زور سے چکر آ رہے تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اس

نوٹ کو ہر پرشاد تو نہیں چرا لے گئے۔ کیونکہ اُس وقت اُن کو روپوں کی سخت ضرورت تھی۔ اور ایک بنئے نے ڈگری بھی کرا رکھی تھی۔ اور دوسرے اُس روز شام کو انکی جیب سے روپے بھی زمین پر گرے تھے۔ ان کے پاس وہ روپے کہاں سے آئے۔ اور اُس ڈگری کا فیصلہ کیونکر ہؤا۔ ضرور وہ نوٹ بابو ہر پرشاد ہی لے گئے۔ اب جیل میں جائے بغیر چھٹکارا نہیں۔ نہیں معلوم میرے بعد میرے بھائی بہنوں کا کیا حال ہوگا۔

بابو شیو پرشاد ان خیالات میں مستغرق تھے۔ اسلئے ہری ناتھ کی باتوں کا جواب نہ دے سکے۔ ہری ناتھ نے پھر پوچھا کیوں بھئی یہ کیا ماجرا ہے؟

شیو پرشاد نے نوٹ کے گُم ہوجانے کا سارا حال کہہ سنایا۔ جسے سن کر ہری ناتھ نے میز پر بڑے زور سے ہاتھ پٹک کر کہا۔ یہ سب ڈاک والوں کی بدمعاشی ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ یہ سب چور ہوتے ہیں۔ یہ نوٹ ضرور پوسٹ آفس والوں نے چرا لیا ہے۔ اس کی ضرور تحقیقات ہونی چاہئے۔

شیو پرشاد نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ایشور ایسا ہی کرے۔

ہری ناتھ۔ بس سمجھ لو۔ ایشور ایسا ہی کرچکا ہے۔ اب زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں"

شام کو پانچ بجے دفتر سے چھٹی ملی۔ بابو شیو پرشاد گھر پہنچے۔ اُس وقت بابو شنکر پرشاد چھت پر لیٹے ہوئے بچوں میں اپنا جی بہلا رہے تھے۔ بابو شیو پرشاد بھی جا کر بیٹھ گئے اتنے میں مہادیو پرشاد لال پیلے ہو کر وہاں پر آپہونچے۔ آنکھیں غصّے سے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اور چہرہ نہایت خوفناک تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر سب کے سب گھبرا کر پوچھنے لگے۔ مہادیو کیا ہؤا؟

مہادیو نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ ہاں! شیو پرشاد سے مخاطب ہو کر کہا چھوٹے بھیّا! یہ کیا بات ہے۔ بتاؤ نہ۔ یہ کیا سنا جا رہا ہے۔

شیو پرشاد غور سے مہادیو کے چہرے پہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ یوگ مایا نے

مہادیو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ مہادیو کیا ہے؟

مہادیو ۔ بات کیا ہے؟ شیو پرشاد کے نام چوری لگائی گئی ہے۔ کہ سو روپے کا نوٹ دفتر سے انہوں نے چرا لیا ہے۔ ابھی ابھی مجھے بابو ہری ناتھ ملے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ سو روپے کا نوٹ چوری گیا ہے۔

اتنے میں بابو ہر پرشاد بھی آ پہونچے۔ انہوں نے یہ سن کر دانتوں تلے انگلی دبائی اور شیو پرشاد سے پوچھا۔ بھیا شیو پرشاد یہ کیا معاملہ ہے۔ خاندان کی ناک کٹوا ڈالی۔

شیو پرشاد یہ سنکر ضبط نہ کر سکے۔ زور سے چلا کر کہنے لگے۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ناک تم نے کٹوائی ہے یا میں نے۔ جو چور ہے وہی شاہ سے پوچھتا ہے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟

ہر پرشاد تو یہ سنکر چپ ہو گئے۔ لیکن شیو پرشاد نے نوٹ کے چوری جانے کا کل حال کہہ سنایا۔ یہ سنتے ہی بڑے زور سے شنکر پرشاد نے اپنے کلیجے میں گھونسا مارا۔ اُف! میری پھوٹی قسمت میں یہ بھی لکھا تھا۔

یہ کہتے کہتے وہ کھاٹ پر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ان کی استری ہائے ہائے کرتی ہوئی ان کی طرف دوڑی۔ گھر کے سب لوگ زور زور سے رونے لگے۔ بابو ہر پرشاد نے پتا کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ محلے والے یہ شور و غل سنکر گھر میں گھس آئے۔ اُس وقت شیو پرشاد کی حالت نہ پوچھئے کیا تھی۔ وہ بے چارے کسی کے سامنے آنکھ تک اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے۔

سولھواں باب

رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ بابو مدن موہن اپنے سجے سجائے کمرے میں آرام کرسی پہ بیٹھے ہوئے ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک پالکی آکر دروازے پر لگی۔ اور اُس میں سے چنبیلی نکل کر مدن موہن کے کمرے میں آ موجود ہوئی۔ پیچھے پیچھے ایک دائی بچے کو اٹھائے ہوئے تھی۔ مدن موہن یہ دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دائی کے ہاتھ سے بچے کو لے کر پیار کرنے لگے۔ دائی کمرے سے نکل گئی۔ مدن موہن چنبیلی سے مخاطب ہو کر بولے۔ تم سچ مچ بڑی سنگدل ہو۔ کہ آج مجھے یہاں آتے ہوئے پانچ دن ہو گئے۔ لیکن تم نے آج شکل دکھائی۔

چنبیلی نے آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بے شک پیارے! میں تمہارے آنے کی خبر سنتے ہی آجاتی۔ لیکن مجبور تھی۔

مدن موہن (خود بھی چنبیلی کے پاس آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے) خوب! اپنے پیارے کے پاس آنے سے مجبور تھیں۔ کیوں کس نے مجبور کر دیا تھا؟"

چنبیلی: "یونہی کچھ طبیعت خراب تھی۔"

مدن موہن (چنبیلی کی نبض دیکھ کر) "کیا خراب تھی۔ اب تو نبض کی حرکت بالکل ٹھیک ہے۔"

چنبیلی۔ (بات بدل کر) "تمہارا امتحان کب ختم ہوگا۔ مجھ سے جدائی کی گھڑیاں کاٹی نہیں جاتیں۔"

مدن موہن (چنبیلی کے گال کو بوسہ دے کر) "بس ایک سال اور رہ گیا ہے۔ پھر تو تم ہر دم میرے گلے کا ہار بنی رہو گی۔ میں یہاں پر چند ماہ کی چھٹی لے کر آیا ہوں۔ اب تمہیں جدائی کے صدمے نہ اٹھانے پڑیں گے۔

چنبیلی۔ (گھبرا کر) اور تم گھر پر ہی رہو گے؟"
مدن موہن۔" کیوں گھبرا کیوں گئیں۔ کیا میرا یہاں رہنا تمہیں بُرا معلوم ہوتا ہے؟"
چنبیلی۔ جی نہیں! میرے پوچھنے کی غرض یہ تھی چھٹی کیوں لی۔ اس عرصے میں پڑھنا لکھنا سب بھول جاؤ گے۔"
مدن موہن۔" بیشک تمہارے ہوتے ہوئے کتاب کیسے دیکھی جائے گی۔ لیکن میں نے بھیروں پرشاد بھیّا کی مدد کرنے کے لئے یہ چھٹی لی ہے۔ میرے سوا اور کون ہے۔ جس سے اُنہیں کچھ مدد کی امید ہو سکتی ہے۔"
چنبیلی (ہاتھ مل کر) دوسروں کے لئے اپنا وقت اور روپیہ برباد کرنا۔ تمہارے جیسے عقلمندوں کا ہی کام ہے۔"
مدن موہن۔" دوسرے کون؟ بھیروں کو میں اپنا سگا بھائی سمجھتا ہوں۔ اُس کی بہن کو اپنی سگی بہن جانتا ہوں۔ تمہیں اُن لوگوں کے متعلق کبھی ایسا بُرا خیال نہ کرنا چاہئے۔
چنبیلی۔" خیر قصور ہؤا۔ معاف کیجئے۔ آگے سے ایسی گستاخی نہ ہو گی۔ اگر میں جانتی کہ آپ اپنے حقیقی بھائی کی مدد کے لئے تشریف لائے ہیں۔ تو یہاں ہرگز نہ آتی۔"
مدن موہن۔" تو تمہارا نقصان کیا ہؤا مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ تم اتنی کم عقل ثابت ہو گی۔"
چنبیلی۔" جی ہاں، ہم کم عقل ہیں۔ عقل تو تمام آپ ہی کے حصّہ میں آئی ہے۔"
یہ کہکر چنبیلی سسک سسک کر رونے لگی۔
مدن موہن۔" ہیں! یہ کیا ہو گیا۔ پیچھے شہر کس لئے لا اپنے لگیں۔ میں نے کہا ہی کیا ہے۔"
یہ کہکر مدن موہن نے چنبیلی کا ہاتھ پکڑ لیا۔
چنبیلی (ہاتھ چھڑا کر)" یہ چوچلے رہنے دیجئے۔ مجھے آپ کی باتیں پسند نہیں آتیں۔ گالی بھی دینا اور رونے کا سبب بھی پوچھنا۔"
مدن موہن۔" میں نے کونسی گالی دی؟"

چنبیلی " مجھے کم عقل کہا یا نہیں ؟"
مدن موہن ۔ (زور سے ہنسکر) کم عقل گالی ہے ؟"
چنبیلی " خیر جب تم میرے لئے آتے ہی نہیں ۔ تو مجھے واپس بھیجدیجئے "
مدن موہن ۔ (ناراض ہوکر) اگر تمہاری یہی مرضی ہے ۔ تو جاؤ چلی جاؤ ۔ میں تمہیں نہیں روکونگا

چنبیلی یہ سنکر خوب روئی ۔ اور بچے کو جسے مدن موہن نے اس کی گود میں دیدیا تھا زمین پر پٹک دیا ۔ بچہ رونے لگا ۔ دائی نے کمرے میں گھس کر بچے کو اٹھالیا ۔ چنبیلی نے اسی وقت پالکی منگوائی ۔ اور وہاں سے اپنے میکے کی طرف روانہ ہوئی ۔ گھر پہونچی ۔ تو کالندری بی بی حیران ہوگئیں ۔ دائی کو اکیلے میں بلاکر پوچھا ۔ تو معلوم ہوا کہ روٹھکر لوٹ آئی ہیں ۔ بس پھر کیا تھا ۔ اُلٹے پیروں واپس کیا ۔ جب چنبیلی پھر واپس آئی تو مدن موہن سوگئے تھے ۔ وہ بھی چپکے سے ایک علیحدہ پلنگ پر لیٹ کر سوگئی ۔ مدن موہن سوتے ہوئے بھی جاگتے تھے ۔ لیکن انہوں نے چنبیلی کو کچھ نہ کہا ۔

سترہواں باب

ہری ناتھ بابو دوپہر کے وقت اپنے پرائیویٹ روم میں بیٹھے تھے ۔ کہ ایک چپڑاسی نے آکر کہا ۔ حضور ڈیوڑھی پر ایک بڑھیا کھڑی ہے ۔ اور آپ سے ملنا چاہتی ہے
" آنے دو "
یہ کہکر ہری ناتھ نے جیب سے سگرٹ نکالا ۔ اور سلگاکر پینا شروع کیا ۔
اتنے میں بڑھیا بغل میں موزوں کی پوٹلی دبائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی

ہری ناتھ نے دیکھتے ہی پوچھا۔ بڑھیا تم کون ہو؟

بڑھیا:۔"میرا نام بُدھیا کی ماں ہے۔ اور میں وہی بڑھیا ہوں۔ جس سے آپ نے اُس روز دو سو روپے کے موزے خریدے تھے"

ہری ناتھ۔(ذرا دیر سوچ کر) بیشک! بیشک!! میں سمجھ گیا۔ لیکن آج کیا چاہتی ہو؟"

بُدھیا کی ماں:۔"موزے لائی ہوں۔ اگر لینے ہوں۔ تو لے لیجئے"

ہری ناتھ:۔"بیشک! بیشک!! میں لوں گا۔ مگر پہلے یہ تو بتلاؤ۔ کہ کامنی بی بی کی سگائی ابھی ہوئی یا نہیں؟"

بُدھیا کی ماں:۔"نہیں ابھی نہیں ہوئی۔ لیکن اُن کی سگائی انہی کے ہاتھ میں ہے"

ہری ناتھ:۔"وہ کیسے؟"

بُدھیا کی ماں:۔"یعنی اُنھوں نے قسم کھائی ہے۔ کہ جسے وہ اپنا سچا چاہنے والا دیکھیں گی اُس سے شادی کریں گی"

ہری ناتھ:۔"بیشک! بیشک!! ہر ایک عورت کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ لیکن اُن کی اس قسم کا مطلب کیا ہے؟"

بُدھیا کی ماں:۔"بابو! میں کیا سمجھوں۔ میں غریب عورت سوکھے ٹکڑوں سے پیٹ بھرنے والی بڑے آدمیوں کی باتوں کو کیا جانوں"

ہری ناتھ:۔"بیشک! بیشک!! ٹھیک ہے۔ لیکن تمہیں ان کا دل ٹٹولنے کی کوشش تو کرنی چاہئے۔ اگر ایسا کرو گی۔ تو انعام پاؤ گی"

بُدھیا کی ماں:۔"ان باتوں سے کیا فائدہ۔ اگر آپ نے موزے لینے ہوں تو لے لیجئے ورنہ جواب دیجئے"

ہری ناتھ:۔"بیشک! بیشک!! میں موزے لوں گا۔ لیکن اس شرط پر کہ میرا ایک خط کامنی بی بی کے پاس چپ چاپ پہنچا دو۔ اور اُس کا جواب لا دو"

بُڑھیا کی ماں :۔ جی! یہ کام تو مجھ سے نہ ہو گا۔"

ہری ناتھ۔ بیشک! بیشک!! ضرور ہو گا۔ اور آسانی سے ہو گا۔ میرا کچھ بُرا خیال نہیں ہے۔ بلکہ میں تو شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں انہیں دل سے چاہتا ہوں۔"

بُڑھیا کی ماں :۔ مگر آپ پہلے موزے تو خرید لیجئے۔"

ہری ناتھ نے موزے لے لئے۔ اور اپنے بکس میں سے ایک سو روپیہ نکال کر بڑھیا کے آگے رکھ دیا۔ پھر خط لکھنا شروع کیا۔

پیاری کامنی۔

مجھے تمہارے نام .... (اوپر نظر اٹھا کر) ہُو.....آر.....یو.....مین۔

شیو پرشاد نے اندر داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔ اجی ذرا چشمہ لگا کر دیکھئے کہ میں کون ہوں؟

ہری ناتھ :۔ میں تمہیں ابھی ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔ تم بغیر اجازت کے میرے پرائیویٹ روم میں کیوں گھس آئے۔ چپڑاسی! چپڑاسی!!

شیو پرشاد :۔ اور میں ابھی آپ پر نالش کرتا ہوں۔"

ہری ناتھ ۔ (گھبرا کر) نالش! کیسی نالش! آخر قصور!

شیو پرشاد :۔ قصور! قصور یہی کہ آپ نے اس بڑھیا کو پھسلا کر میرے گھر کا مال چرا منگا یا ہے۔ اور اُس سے خریدا ہے۔"

ہری ناتھ۔ (بڑھیا کی طرف دیکھ کر) "میں کسی بُڑدیل سے تعلق نہیں رکھتا۔ او بُڑھیا! تو کون ہے؟ کیا کچھ چرا لائی ہے۔ تجھے یہاں کون لایا۔ جا! چلی جا۔ ایک دم چلی جا۔ ورنہ پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

بُڑھیا :۔ میرے موزے۔"

ہری ناتھ:۔ "موذوں کی بچی۔ یہ موزے تیرے کہاں سے آئے۔ یہ موزے تو میرے ہیں۔ کمرہ اکیلا دیکھ کر گھس آئی۔ دن دہاڑے چوری اور پھر شہزوری۔"

بُڈھیا کی ماں:۔ "جی ہاں! یہ سو روپے بھی ہیں مَنے ہی چرائے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو لے جاؤں۔"

ہری ناتھ:۔ "جا جا دور ہو۔ یہ میرے روپے نہیں ہیں۔"

بُڈھیا کی ماں:۔ "اور یہ سو روپے۔"

ہری ناتھ:۔ (میز پر ہاتھ پٹک کر) "جاتی ہے یا نہیں۔ بلاؤں پولیس کو۔"

بُڈھیا کی ماں یہ حالت دیکھ کر وہاں سے لوک دم بھاگی۔ اور بابو ہری ناتھ شیو پرشاد سے مخاطب ہوئے۔ دوست شیو پرشاد دیکھا! بڑھیا کی مکاری دن کے وقت کمرہ اکیلا دیکھ کر گھس آئی۔ اگر آپ نہ آتے۔ تو شاید کچھ چرالے جاتی۔

شیو پرشاد۔ (موزے کو اٹھا کر) "مگر جناب یہ موزے تو میرے ہیں۔"

ہری ناتھ:۔ "آپ کے ہیں۔ ثبوت۔"

شیو پرشاد:۔ "یہ پڑھ لیجئے۔"

ہری ناتھ نے موزے کو اٹھایا۔ تو اس پر لکھا تھا۔ کہ یہ موزہ شیو پرشاد کا ہے۔ اور ہری ناتھ نے اسے ایک بڑھیا سے خریدا ہے۔

یہ پڑھ کر ہری ناتھ بابو کرسی سے اٹھے اور ہوا ہو گئے۔ شیو پرشاد دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ آخر انہوں نے ہری ناتھ کے نام ایک رقعہ لکھا۔ کہ گھبرائیے نہیں۔ یہ سب ہنسی مذاق تھا۔ اس رقعہ کو میز پر چھوڑ کر بابو شیو پرشاد گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

اٹھارھواں باب

دوسرے دن صبح آٹھ بجے بابو شنکر پرشاد کا دروازہ کھٹکا۔ اس وقت گھر پر چار دس جنائیوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ چپلا اور کدمنی بھیروں پرشاد کے گھر گئی تھیں۔ کامنی نے آکر دروازہ کھولا۔

دروازہ کے کھلتے ہی ہری ناتھ بابو تیزی سے گھسے۔ اور کامنی کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے۔ تمہارا نام؟

کامنی ڈر گئی۔ لیکن جب آنکھ کو اٹھا کر دیکھا تو ایک بیس بائیس سال کے چھیلے البیلے نوجوان کو امیرانہ پوشاک میں اپنے سامنے کھڑے ہوئے پایا۔ پھر نیچی نظروں سے اس نے جواب دیا۔ کامنی!

ہری ناتھ:۔ "آہا ہا! جس پھول کی تلاش میں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ آج ہاتھ آ گیا کامنی...... واہ کیا میٹھا اور پیارا نام ہے۔ کیوں جی تم بابو شیو پرشاد کی ہی بہن ہو نہ؟"

کامنی۔ (سر جھکا کر) "ہاں!"

ہری ناتھ:۔ "کامنی! جس روز سے میں نے سنا ہے۔ کہ جوتشیوں نے تمہیں وِش کنیا بتلایا ہے۔ اُس روز سے میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اگر شادی کروں گا تو تم سے ہی کروں گا۔ کیوں تمہیں بھی منظور ہے نہ؟"

کامنی:۔ "یہ بات تو پتا جی سے پوچھئے"

ہری ناتھ:۔ "سچ سچ تم نہایت سادہ لوح لڑکی ہو۔ آج کل تو لڑکیاں اپنے بیاہ شادی

میں کسی کو دخل نہیں دینے دیتیں۔"

کامنی۔ (مسکراتے ہوئے) "میں تو راکششی کنیا ہوں۔ اگر آپ میرے ساتھ شادی کریں گے۔ تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

ہری ناتھ۔ "وہ کیسے؟"

کامنی۔ "میرے گرہ بڑے سخت ہیں۔"

ہری ناتھ۔ "گرہ سخت ہیں۔ تو ہونے دو۔ انہی ناخنوں سے کھولے جائیں گے۔"

کامنی۔ "ابھی نچھتر۔"

ہری ناتھ۔ "نچھتر سخت ہیں۔ تو پرواہ نہیں۔ لیکن دیکھنا۔ تم سخت نہ ہونا۔ نہیں تو لٹیا ڈوب جائے گی۔ کیونکہ میں نے تمہاری دائی سے کیا نام ہے اُس کا..... یاد نہیں آتا۔ سنا ہے۔ کہ کامنی بی بی اُس سے شادی کرینگی۔ جو انہیں دل سے چاہتا ہوگا اور جسے وہ پسند کرینگی۔ بھلا بتاؤ تو سہی۔ کہ میں کون ہوں۔"

کامنی (لجا کر) "ہری ناتھ بابو۔"

ہری ناتھ۔ "واہ! واہ! خوب پہچانا۔ لیکن تم نے میرا نام کہاں سے جانا۔"

کامنی۔ "دائی کہتی تھی۔ کہ موزوں کے خریدار ایک بابو ہری ناتھ ہیں۔ ان کا گھر فلاں محلے میں ہے۔ میں نے اپنی عقل سے پہچان لیا۔ کہ آپ وہی صاحب ہیں۔"

ہری ناتھ۔ "اچھا تمہارے بابو جی کا کیا حال ہے؟"

کامنی۔ "اس وقت تو طبیعت اچھی ہے۔"

ہری ناتھ۔ "میں اُنہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ہری ناتھ کامنی کے ساتھ اوپر پہونچے۔ اور شنکر پرشاد کے کمرے میں جا نکلے۔ ہری ناتھ کو آتے ہوئے دیکھ کر ماتنی گھونگھٹ نکال کر دوسری طرف بھاگ گئی۔ سدامنی نے بھی ذرا سا گھونگھٹ نکال لیا۔ جوگ مایا جوں کی توں بیٹھی رہی۔ شنکر پرشاد بے ہوش پڑے تھے۔

ہری ناتھ نے اُن کی نبض وغیرہ دیکھی۔ پھر جوگ مایا سے دریافت کیا۔ کہ اب کیسا حال ہے۔ جوگ مایا کا گلا بھر آیا۔ وہ جواب نہ دے سکی۔ ہری ناتھ تھوڑی سی دیر بیٹھ کر واپس لوٹ آئے۔ راستے میں بابو ہر پرشاد سے ملے۔ لیکن ہری ناتھ بابو کہیں ٹھہرنے والے تھے انہوں نے اپنی رہلوے چال برابر جاری رکھی۔

اِدھر بابو ہر پرشاد وغیرہ گھر آئے۔ تو پِتا کی حالت اچھی نہ پائی۔ چہرے پر مُردنی چھا گئی تھی۔ ناک ٹیڑھی ہو گئی۔ آنکھیں اندر کی طرف دھس گئی تھیں۔ اور نبض کا کہیں پتہ نہ تھا۔ چاروں بھائیوں نے بوڑھے پتا کو اوپر سے اتار کر صحن میں لا ڈالا۔ اور ان کے منہ میں تلسی۔ سونا اور گنگا جل وغیرہ دے گئے۔ ان چیزوں کا منہ میں جانا تھا کہ شنکر پرشاد کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے اپنے دکھی پریوار کو چھوڑ کر پرلوک سدھار گئے۔

گھر میں کہرام مچ گیا۔ ہر پرشاد زور زور سے رونے لگے۔ شیو پرشاد غلطی سے دیوار سے اپنا سر پھوڑنے لگے۔ وشوا ناتھ اور مہادیو دونوں کے دونوں اس صدمے سے دیوانے ہو گئے جوگ مایا بیہوش ہو کر گر پڑی۔ لڑکیاں اپنا اپنا سر دھننے لگیں۔ اتنے میں اڑوسی پڑوسی جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے سمجھا بجھا کر سب کو چُپ کرا دیا۔ اب فکر ہوئی کہ گھر میں تو پیسہ تک نہیں۔ ان کا مرتک سنسکار کیسے ہو۔ بابو ہر پرشاد اپنی سوشیلا استری مالتی کے پاس گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اب کیا کیا جائے۔

مالتی نے اپنی ناک سے نتھ اتار کر ہر پرشاد کے حوالے کی اور کہنے لگی۔ لو! یہی باقی رہ گئی تھی۔ اسے بیچ کر اس وقت کام نکالو۔

نہیں! یہ نہ ہو سکیگا۔ مر جاؤں گا۔ لیکن تمہاری نتھ نہ بیچوں گا۔ یہ کہتے ہوئے ہر پرشاد نے نتھ مالتی کے ہاتھ میں دے دی۔

مالتی نے پھر زبردستی نتھ اپنے پتی کے ہاتھ میں دے دی۔ کہ لو! اسے بیچ لو ورنہ

وقت تو کام نکالو۔ آخر میرے بھی تو بیٹے تھے نہ۔ کیا میں یہ قربانی بھی کرنے کے قابل نہیں ہیا۔ تم عذر کیوں کرتے ہو۔ میری چیز ہے۔ میں خوشی سے دیتی ہوں۔

ہر پرشاد۔ سچ سچ تم دیوی ہو۔ بھگوتی ہو۔ میں بڑا خوش نصیب ہوں۔ کہ مجھے تم جیسی عورت ملی۔ میں جیتے جی تمہاری نتھ نہ بیچوں گا۔

یہ کہکر ہر پرشاد پھر باہر آ گئے۔ اور رونے لگے۔ مالتی نے اشارے سے بڑھیا کی ماں کو بلا لیا۔ اور نتھ اس کے حوالے کی۔ پھر لجاجت آمیز لہجہ میں بولی۔ دائی جی! بس میرے پاس یہی بچی تھی۔ آج تمہارے حوالے کرتی ہوں۔ اِسے ٹھکانے لگاؤ۔ اور اس وقت کام چلاؤ۔ چھی! اچھی۔ نتھ ناک سے نہ اتارو۔ اسے جلدی سے پہن لو۔ کیا بڑھیا کی ماں اس قابل بھی نہیں۔ کہ اس وقت کام نکال سکے!

یہ کہتی ہوئی بڑھیا اندر سے نکلی۔ اور ایک شخص کو کچھ روپے دیئے۔ وہ بازار سے ضروری چیزیں مول لایا۔ لاش کو مرگھٹ میں پہنچایا گیا۔ اور مرتک سنسکار کیا گیا۔



اُنیسواں باب

سچ ہے مصیبت کبھی اکیلی نہیں آتی۔ اُدھر تو شنکر پرشاد کی ارتھی کو گنگا کنارے پہنچایا گیا۔ اور ادھر پولیس کے کانسٹبلوں نے گھر کے دروازے کو آ گھیرا۔ اس وقت گھر پر شبھو پرشاد ہی تھے۔ جو بالکل بدحواس پڑے تھے۔ اور جب انہوں نے پولیس کو دیکھا تو نوٹ کی چوری کا خیال آ گیا۔ کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیٹھ گئے۔ جوگ مایا اپنی چھاتی میں مُکا مار کر بے ہوش ہو گئی۔ کدمبنی زور زور سے رونے لگی۔ سدامنی بیچاری

حیران ہو کر اپنے بھائی۔ بہنوں کو تعجب خیز نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

پولیس کا کانسٹبل گھر میں آیا۔ اور شیو پرشاد کو پکڑ کر لے چلا۔ شیو پرشاد یہ دیکھ کر لجاجت آمیز لہجے میں بولے۔ کہ دیکھو۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ خود بخود چلتا ہوں لیکن ذرا بھائی کو گھاٹ سے آ لینے دو۔

کانسٹبل نے جواب دیا۔ ہمیں ٹھہرنے کا حکم نہیں۔

ارے دیا کرو! میرے بچے پر دیا کرو۔ میری آنکھوں سے اوجھل نہ کرو۔ یہ کہتی ہوئی جوگ مایا شیو پرشاد سے لپٹ گئی۔ ہے رام! کیا ہو گیا۔ گھر کا ستیاناس ہو گیا۔ پتی سورگ لوک سدھارے بیٹا پولیس لئے جا رہی ہے۔ ارے کمبختو! میں غریب اور بیکس عورت ہوں مجھے نہ ستاؤ۔ دیکھو میرے آنسو نہیں تھمتے۔ برابر بہے چلے جاتے ہیں۔ میں پاؤں پڑتی ہوں اسے چھوڑ دو۔

یہ حالت دیکھ کر سدامنی بھی روتے روتے کہنے لگی۔ ارے تم لوگ میرے بھائی کو کہاں لے جا رہے ہو۔ ہائے! بابو جی تم اس وقت کہاں ہو۔ اپنے بچے کی حالت تو دیکھ جاؤ۔

پولیس کا سپاہی یہ دیکھ کر خود غمگین سا ہو گیا۔ اور شیو پرشاد سے کہنے لگا۔ ہمیں خود تم لوگوں کی حالت پر افسوس آتا ہے۔ لیکن ہم کس قابل ہیں۔ ہم نے وارنٹ پایا ہے اگر ملزم کو گرفتار نہ کریں گے۔ تو خود جیل بھیجے جائیں گے۔ لیکن خیر دس پانچ منٹ اور انتظار کرتے ہیں۔

ادھر جوگ مایا نے زمین پر گر کر ہاتھ پاؤں پھیلا دئے۔ سدامنی نے دیکھا کہ نبض کا کہیں پتہ نہیں۔ آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ گئی ہیں۔ جسم برف کی مانند ٹھنڈا ہو گیا ہے ہائے اماں بھی ہم لوگوں کو چھوڑ گئیں۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے دھڑا دھڑ اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

شیو پرشاد بھی دیوانہ وار جا کر ماں سے لپٹ گئے۔ اور زور زور سے رونے لگے

گھر میں کہرام مچ گیا۔ جسے دیکھو۔ وہی اپنا سر دُھن رہا ہے بچے ماں کے گلے سے چمٹے جاتے ہیں۔ اور بار بار یہی آواز سنائی دیتی ہے۔ کہ او ماں! اب کیسے کٹے گی۔ ہم لوگ کہاں جائینگے۔ ہائے پتا جی کے ساتھ تم بھی چل بسیں۔ ہم لوگوں کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ افسوس! ہم لوگ لٹ گئے۔

پولیس کو بیٹھے بیٹھے دو گھنٹے گذر گئے۔ شام ہو گئی۔ اور اندھیرا پھیلنے لگا۔ اب کانسٹبل گھبرا اُٹھا۔ اور شیو پرشاد کو پکڑ کرلے جانے لگا۔ سندرامنی اور کرمبتی۔ دونوں کی دونوں آکر شیو پرشاد سے چمٹ گئیں۔ اور کہنے لگیں۔ بھیا! کہاں جا رہے ہو۔ ہمیں نہ چھوڑو۔ ہائے ادھر تو ماں باپ نے سورگ کا راستہ لیا۔ اور اُدھر آپ بھی جا رہے ہیں (پولیس سے مخاطب ہو کر) ارے ظالمو! دیا کرو۔ بھیا کو چھوڑ دو۔ ورنہ ہم سب کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ ہم خودکشی کرکے مرجائینگی۔

پولیس کے سپاہیوں نے ہر چند دونوں کو شیو پرشاد سے جدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن نہ کر سکے۔ بلکہ انہوں نے اور بھی چیخیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ آنچل کی بھی خبر نہ رہی۔ سر کے بال تک کھل گئے۔ لیکن شیو پرشاد کو نہ چھوڑا۔

اتنے میں بابو ہری ناتھ وغیرہ آپہنچے۔ اور دور ہی سے للکار کر کہنے لگے۔ کمبخت کیا کرتے ہو۔ بھلے گھروں کی بہو بیٹیوں کے بدن چھوتے ہو۔ یہ کہکر کانسٹبل کو گردن سے پکڑ کر دھکیل دیا۔ دوسرا بڑھا۔ تو اسے بھی پٹخنیاں دیں۔ خوب گتھم گتھا ہوا۔ آخر ہری ناتھ کہنے لگے۔ چلو۔ میں تم سب کی رپورٹ کرتا ہوں۔ تم نے کس کے حکم سے ان عورتوں کے جسم کو ہاتھ لگایا ہے۔

یہ سنکر کانسٹبل ڈر گئے۔ اور چپ چاپ بابو شیو پرشاد کو گھیرے میں ڈالکر چل پڑے پیچھے پیچھے ہری ناتھ اور ہر پرشاد وغیرہ تھے۔ ہری ناتھ نے ہر پرشاد کو سمجھا بجھا کر گھر واپس بھیجا۔ اور خود ان کے ساتھ ہوئے۔

ہر پرشاد گھر پر آئے۔ تو ماں کو مردہ پایا۔ بس پھر کیا تھا بے ہوش ہو کر گر پڑے
سن نے پانی لا کر منہ پر چھڑکا۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو رونے اور چلانے لگے۔ لیکن ہو ہی
کیا سکتا تھا۔ اگلے روز صبح ہی اُس کا بھی مرتک سنسکار کر دیا۔



بیسواں باب

پہنچتے پہنچتے یہ بات کالندری بی بی کے کان تک جا پہنچی۔ کہ ہری ناتھ تھانے گئے ہیں۔ اس نے منیم کو بلایا۔ اور کہنے لگی منیم جی تم لوگ رات دن کس نشے میں بیٹھے رہتے ہو؟ سیاہ و سفید کی کچھ بھی خبر نہیں۔ آخر کس لئے تم لوگوں کو رکھا ہوا ہے۔ شکل دیکھنے کے لئے تو یہ تنخواہ نہیں دی جاتی۔

منیم جی (گھبرا کر) "کیا ہوا؟ ہم لوگ تو کچھ نہیں جانتے۔"

کالندری: "کیسے جانتے۔ افیم کی پینک میں پڑے رہتے ہو۔ پھر کیا کچھ جان سکتے ہو؟"

منیم جی: "پھر بھی کہئے تو سہی۔ اصل بات کیا ہے؟"

کالندری: "ہری ناتھ کو تھانے میں کون لے گیا ہے۔ یہ بھی جانتے ہو۔ کہ وہ کس کا لڑکا ہے؟"

منیم جی: "ارے!... کیا یہ خبر ٹھیک ہے؟"

کالندری: "اگر ٹھیک نہیں تو غلط ہے۔ اگر ابھی سے نہ لاؤ گے۔ تو دیکھنا کیا کیا ظلم کرتی ہوں۔"

یہ سنتے ہی منیم جی وہاں سے چل دئے۔ ادھر بابو کیلاش ناتھ اپنی خوابگاہ سے نکل کر آنکھیں ملتے ہوئے جا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کالندری بی بی نے پکارا۔ اور کہا کیلاش ناتھ! سنا ہے۔ کہ ہری ناتھ کو کوئی پکڑ کر تھانے میں لے گیا ہے۔

کیلاش ناتھ:۔ اچھا ہوا بہت اچھا ہوا۔ وہ کمبخت اسی لائق ہے۔ وہ لونڈا دن رات گلی کوچوں کی دھول اڑاتا پھرتا ہے۔ شہر کے جتنے پاجی اور کمینے لوگ ہیں۔ سب سے اس کی واقفیت ہے۔ ابھی کیا ہے۔ ابھی تو تھانے میں گیا ہے۔ کل جیل میں پہنچ جائیگا

یہ سنتے ہی کالندری بی بی مٹی کے تیل کی طرح جل اٹھیں۔ اور کہنے لگیں تمہاری کیا مجال ہے۔ کہ تم اسے یہ باتیں کہہ سکو۔ کیا وہ تمہاری طرح جائداد کا حق دار نہیں ہے کیا وہ بے دخل ہو چکا ہے۔ میرے خیال میں تو تم لوگوں سے اس کی عادتیں اچھی ہی ہیں۔ تم سب اس بچے کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ اگر وہ آج نہ آیا۔ تو میں پھانسی لگا کر مر جاؤں گی۔

کیلاش ناتھ نے یہ سب حال شری ناتھ اور کمل کشور سے کہا۔ اتنے میں سیٹی کی آواز کانوں میں آئی۔ اور ساتھ ہی ہری ناتھ کمرے کی طرف آتے ہوئے دکھائی دئے شری ناتھ نے دیکھتے ہی [illegible] سمجھا۔

کمل کشور بولے۔ [illegible] پہنچے۔

شری ناتھ:۔ اجی [illegible] ہری ناتھ تم کہاں گئے تھے۔

ہری ناتھ:۔ کہیں نہیں۔ کمبخت گھیر لے گئے۔ بندہ بھی ہمراہ گیا۔ مگر بھئی۔ کوتوالی کوئی بری جگہ معلوم نہیں ہوتی۔

شری ناتھ:۔ کیا کہتے ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کس کو گھیر کر لے گئے تھے؟

ہری ناتھ نے اس سوال کا جواب نہ دے کر ایک تکیہ کو فٹ بال بنایا۔ اور اچھال کر کمل کشور پر پھینکدیا۔ اب تو وہ بھنائے۔ اور نامعقول جاؤ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے

ہری ناتھ بابو نے ایک ہلکی سی چپت منہ پر جمائی۔ اور دیکھتے دیکھتے وہاں سے ہوا ہو گئے۔

ہری ناتھ مالک کے پاس جا رہے تھے۔ کہ راستے میں شنبھو کو اپنی حرکتوں پر مسکراتے ہوئے پایا۔ بس پھر کیا تھا۔ شیر کی طرح گرج کر اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اور لات گھونسوں سے اس کا کچومر نکال دیا۔ لیکن وہ ہری ناتھ کے جانے پر پھر دھول جھاڑ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی پیاری مالکن گلاب کے پاس ہری ناتھ پر نالش کرنے کو چلا۔

گلاب اس وقت شراب کی بوتل لئے بیٹھی تھی۔ کیونکہ بابو کیلاش ناتھ نے اُسے بھی شراب کباب کا چسکا ڈال دیا تھا۔ اب جب تک وہ شراب اچھی طرح سے نہ پی لیتی تھی اسے دم بھر بھی چین نہ آتا تھا۔ شراب کا گلاس پینے ہی کو تھی۔ کہ شنبھو روتا ہوا اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُسے روتے ہوئے دیکھ کر گلاب نے مسکرا کر کہا۔ "بولو کیا کیوں ہے۔ کیا ایک رات بھی صبر نہیں کر سکتا۔

شنبھو۔ "نہیں! یہ بات نہیں۔ بلکہ چھوٹے سرکار نے مجھے بے قصور مارتے مارتے ادھ مؤا کر ڈالا ہے۔ تمام بدن لہو لہان ہو رہا ہے۔"

گلاب نے یہ سُنکر شراب کا گلاس میز پر رکھ دیا۔ اور تیوریاں چڑھا کر بولی۔ ایسا ظلم۔ خیر تو کچھ پرواہ نہیں۔ اگر میرا نام گلاب ہے۔ تو میں بھی ہری ناتھ کو گھر سے نکلوا کر چھوڑوں گی۔

یہ کہکر وہ شنبھو کا ہاتھ پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں لے گئی۔ اور ایک شیشی ٹونڈر کی اُس کے سر پر اُلٹ دی۔

جب شنبھو گلاب کے کمرے سے نکل کر جا رہا تھا۔ راستے میں شری ناتھ کا سامنا ہو گیا۔ خوشبو کی لپٹیں نکلتے دیکھ کر شری ناتھ نے اُسے پکڑ لیا۔ اور ایک زور کی چپت جما کر دی۔ یہ کیا بدبخت؟ دیکھتے ہیں۔ کہ تیرا دماغ آج کل ساتویں آسمان پر ہے۔ انہوں نے اسے خوب پیٹا۔ وہ مارے درد کے چلانے اور تڑپنے لگا۔ گلاب نے اوپر سے

جھانک کر دیکھا۔ شنبھو مار کھا کر پھر دوہائی تہائی مچانے کے لئے گلاب کے پاس جا پہنچا۔

ہری ناتھ کی حرکتوں سے تو گلاب پہلے ہی جلی بھنی بیٹھی تھی۔ اب خھری ناتھ کی حرکتوں نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ جب کچھ بن نہ آیا۔ تو کپڑے اور زیور اتار کر کوپ بھون میں جا پہنچی۔ کیلاش ناتھ یہ سن کر دوڑے آئے۔ دیکھا۔ تو میلے کچیلے کپڑے پہنے پڑی ہے۔ اور زار زار رو رہی ہے۔ وہ تریا چرتر کو نہ سمجھ سکے۔ اور اس کی خوشامد درآمد کرنے لگے۔ گلاب کے گلابی ہونٹوں نے شری ناتھ کے دل کو گلاب کا عرق بنا دیا۔ انہوں نے پیار سے اپنی گلاب کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ کیوں پیاری! کیا بات ہے؟ خیر تو ہے نا؟

گلاب۔ اور بھی رونے لگی۔"

کیلاش ناتھ" پیاری! بتاؤ تو سہی کیا ہؤا؟"

گلاب (رو کر) "میرا سر ادھ ہؤا ہے۔ اور کیا ہؤا ہے۔"

کیلاش ناتھ" ہے ہے۔ تم مجھے کھاؤ۔ جو اصل حال نہ بتاؤ۔"

یہ کہکر کیلاش ناتھ نے گلاب کو کھینچکر اپنی گودی میں لٹا لیا۔

گلاب" ہٹو! ہٹو! یہ نقلی محبت رہنے دو۔ جب تمہیں میری بے عزتی کا بھی خیال نہیں۔ تو اور کیا ہو سکتا ہے"۔

کیلاش ناتھ" پیاری! ہمارے جیتے جی تمہاری بے عزتی اور بے حرمتی کون کر سکتا ہے۔ بتلاؤ تو سہی یہ ماجرا کیا ہے؟

گلاب" دیکھو تو اگر داٗی چاکروں کو لوگ اس طرح مار پیٹ کرینگے۔ تو وہ اس گھر میں کیسے رہ سکیں گے۔ دوسرے ہماری بدنامی کس قدر ہو گی۔ دونوں دائیوں نے ابھی ابھی مجھے جواب دے دیا ہے۔ کہ ہم سے نوکری نہیں ہو سکتی۔

کیلاش ناتھ" ہاں! تو یہ بتاؤ۔ کہ کس نے کسے مارا ہے"؟

گلاب" اسی شنبھو لونڈے پر صبح ہی صبح تو ہری ناتھ نے غصہ اتارا ہے۔ اور پھ

شری ناتھ نے خوب مارا ہے۔"

کیلاش ناتھ:۔"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ ہم نے ہری ناتھ سے اس بارے میں جب دریافت کیا۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ اس کمبخت نے میرا منہ چڑھایا تھا۔ شری ناتھ سے پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ آپ کے سونے والے کمرے سے یہ لونڈر لگا کر آیا تھا۔ اس لئے پیٹا گیا۔ شنبھو نے اپنے ہی پاجی پن سے مار کھائی ہے۔ لونڈر کی خوشبو اُس کے تمام جسم سے نکلتی ہوئی میں نے بھی سونگھی ہے۔"

گلاب:۔"لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ اُس نے ہری ناتھ کا منہ کیوں چڑھایا تھا۔ لہہ دینے سے بات نہیں ملتی۔ یہاں تو جب تک بال کی کھال نہ اتاری جائے۔ کام نہیں بن سکتا۔ لونڈر کی بات کی کچھ جانچ بھی تو کرنی تھی۔ بات یہ ہے۔ کہ مجھے شراب کا خمار تھا۔ سر میں چکر آ رہے تھے۔ میں نے لونڈر کی شیشی نکالی۔ لیکن وہ مجھ سے فرش پر گر پڑی۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اتنے میں شنبھو تمہارا حقہ لینے کے لئے آیا۔ میں نے اسے حکم دیا۔ کہ اس کانچ کو جھولی میں ڈالکر پھینک آؤ۔ اُس نے کانچ کے ٹکڑے جھولی میں اکٹھا کئے۔ اور لے گیا۔ اس عمل سے اس کے کپڑوں میں خوشبو بس گئی۔ اس میں اس کا کیا قصور تھا اگر یقین نہ آئے۔ تو فرش پر لونڈر کے داغ دیکھ لو۔

کیلاش ناتھ:۔"تو کیا سچ مچ شنبھو بے تصور پیٹا گیا۔"

گلاب:۔"نہیں تو اور کیا۔ اُس نے کوئی قصور کیا تھا۔ خیال تو کرو۔ کہ کس قدر میری بے عزتی ہوئی۔ اور وہ بے چارہ نہ معلوم دل میں کیا کہتا ہوگا۔ کس قدر گالیاں دیتا ہوگا اور جب وہ لوگ تمہیں ہی خیال میں نہیں لاتے۔ تو نوکر چاکر کس کھیت کی مولی ہیں۔"

عقل کے اندھے کیلاش ناتھ نے بغیر سوچے سمجھے گلاب کی باتوں پر یقین کر لیا اور وہاں سے نیچے اتر آئے۔ بیٹھک میں شری ناتھ اور کمل کشور بیٹھے تھے۔ کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی کیلاش ناتھ نے تیزی سے کہا۔ شری ناتھ۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ تم نے

شنبھو لونڈے کو بڑی بے دردی سے مارا ہے۔ اگر وہ مرجاتا۔ تو کیا ہوتا؟

شری ناتھ۔ (غصّے سے کانپ کر) "ہوتا کیا؟ اگر مرجاتا۔ تو پھونک دیا جاتا۔ آپ ایک نوکر کے مارے پر اِس قدر لال پیلے کیوں ہو رہے ہیں۔ ہم اُس پاجی شریر لونڈے کو ابھی گھر سے نکال دیں گے"

کیلاش ناتھ۔ "تم اُسے نکالنے والے کون ہو۔ وہ ہمارا نوکر ہے۔ نہ کہ تمہارا۔ تمہارا اُس سے تعلق یا واسطہ ہی کیا ہے"

شری ناتھ مارے غصّہ کے اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ اور بولے۔ دیکھیں ہمارا واسطہ کیا ہے۔ ہم ابھی ابھی اُس کمبخت کو باہر نکال دیتے ہیں۔ شری ناتھ نے آکر اپنے خاص ملازموں کو یاد کیا۔ جب وہ ہاتھ باندھے ہوئے حاضر ہوئے۔ تو انہیں حکم دیا۔ کہ شنبھو کو ابھی جوتے مار مار کر ڈیوڑھی سے باہر نکال دو۔ یہ سنتے ہی کیلاش ناتھ بھی گرج کر اپنے نوکروں سے بولے۔ "خبردار! شنبھو کو کوئی گھر سے نکالنے نہ پائے۔

بس پھر کیا تھا۔ نوکروں نوکروں میں مارپیٹ شروع ہو گئی۔ کئی ایک زخمی ہو گئے۔ شہر بھر میں شور مچ گیا۔ کیلاش ناتھ کے نوکروں نے کوتوالی میں رپورٹ دی۔ شری ناتھ اور کیلاش ناتھ وغیرہ پر نالش ٹھونک دی۔

شری ناتھ یہ سن کر پہلے تو گھبرائے۔ پھر شہر کے مشہور اور قابل وکیلوں کو بلایا۔ مشورہ کیا۔ اور دیوانی میں تقسیم جائداد کے لئے درخواست دے دی۔

کالندری بی بی نے سارا حال سنا۔ اور غم و غصّے سے تھرانے لگیں۔ اپنے دونوں بیٹوں کو اندر بلایا۔ لیکن کسی نے بھی حکم کی تعمیل نہیں کی۔ سو سو بار بلانے پر بھی نہیں گئے کالندری بی بی بھوکنی شیرنی کی طرح اِدھر اُدھر ٹہلنے لگیں۔ ٹہلتے ٹہلتے گلاب کے کمرے کے پاس جا نکلیں۔ اندر جھانک کر دیکھا۔ تو چنبیلی اور گلاب آج پھر تاش کھیل رہی تھیں۔ بس پھر کیا تھا۔ چنبیلی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اُسے زور سے دھکیلا۔ بیچاری

گرتے گرتے بچ گئی۔ ماں کا یہ غصہ دیکھ کر چنبیلی دُم دبا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ کاسندری نے اپنے کمرے کی طرف لوٹتے ہوئے گلاب سے کہا۔ کہ اگر تو پھر میری بیٹی کو اپنے پاس بلا کر تاش کھلائے گی۔ تو جھاڑو مار مار کر گھر سے باہر نکال دونگی۔

گلاب کو بھی غصہ آ گیا۔ اُس نے غصّے سے لرزتے ہوئے جواب دیا۔ کیا تو مجھے جھاڑو مارے گی۔ پہلے آئینے میں اپنا منہ تو دیکھ۔ آئی ہے مالکن بن کر۔

کاسندری بی بی نے جاتے ہی منیم جی کو طلب کیا۔ اور جب منیم جی حاضر ہوئے۔ تو انہیں حکم دیا۔ کہ ابھی ابھی کیلاش ناتھ اور شری ناتھ کو گھر سے باہر کر دو۔ اور کیلاش ناتھ سے کہہ دو۔ کہ وہ اپنی چاہتی بیوی کو بھی ساتھ ہی لے جائے۔

منیم جی یہ سُنکر باہر آئے۔ شری ناتھ اور کیلاش ناتھ کو مالکن کا حکم سنایا۔ وہ دونوں پہلے سے ہی تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے فوراً اپنے لئے گھر کا انتظام کر لیا اور نئے گھر میں جا رہے۔ گلاب اور شمبھو بھی اپنے پُرانے گھر کو چھوڑ کر نئے گھر میں آ گئے۔

شام کے وقت ہری ناتھ بابو گھر پر آئے۔ تو دیکھا۔ کہ گھر شہر خموشاں بن رہا ہے۔ کسی کی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ حیران ہوئے۔ کہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن سمجھ میں نہ آیا۔ کمرے میں آ کر دیکھا۔ تو دونوں بھائیوں کو نہ پایا۔ سیدھے کاسندری بی بی کے پاس پہونچے۔ اور دس ہاتھ دور سے ہی کہا۔ کیا آج کچھ لڑائی جھگڑا ہوئی ہے؟ یہ سنکر کاسندری نے غصّے سے تمتماتے ہوئے کہا۔ دور ہو سامنے سے۔ میں تمہارے جیسے بیٹوں کا منہ دیکھنا نہیں چاہتی۔

ہری ناتھ یہ سُنکر بڑھے۔ اور کاسندری بی بی کے پاؤں پکڑ کر کہنے لگے۔ ایں! یہ کیا ماجرا ہے۔ اس قدر گرم کیوں ہو رہی ہو۔ مجھ بے قصور پر اتنا غصہ۔

کاسندری "ارے چھوڑ دے پاؤں کو۔ پرے ہٹ۔"

ہری ناتھ "جب ساری ناک گھس جائے گی۔ تب چھوڑوں گا۔"

کالندری: "باپ رے باپ! چھوڑے گا یا نہیں"
ہری ناتھ: "تو بولو مجھ پر ناراض نہیں ہو؟"
کالندری بی بی یہ سنکر مسکراتے ہوئے بولیں۔ نہیں تجھ پر میں ناراض نہیں ہوں۔

اکیسواں باب

شنکر پرشاد کے گھر والوں کی بڑی بُری حالت تھی۔ گھر بار سب بک چکا تھا۔ بابو ہر پرشاد پچاس روپے لاتے تھے۔ جس میں سے پچیس روپے قرضخواہوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ اور پچیس میں گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ خیال تو کیجئے۔ کہ جس کنبے کا خرچ سو روپیہ ماہوار ہو۔ پچیس روپے میں وہاں کیا ہو سکتا ہے۔

بابو ہر پرشاد نے دو روپیہ مہینے پر ایک مکان لے لیا جو بالکل بوسیدہ تھا۔ اور جس کی دیواریں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں۔ کہ ہم گرا ہی چاہتی ہیں۔ گھر بہت ہی چھوٹا اور تنگ تھا۔ نیچے صحن۔ پاخانہ۔ کنواں اور دو کوٹھڑیاں تھیں۔ اوپر کی منزل میں سوئی اور دو چھوٹے چھوٹے کچے کمرے تھے۔ نیچے مرد رہتے تھے اور اوپر عورتیں!

ایک روز بابو مدن موہن وہاں آ نکلے۔ دیکھا کہ بھائی بہن ایک چٹائی پر بیٹھے ہیں۔ لڑکیاں تو مدن موہن کو دیکھتے ہی اوپر بھاگ گئیں۔ لیکن بابو ہر پرشاد وغیرہ وہیں بیٹھے رہے۔ مدن موہن نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہ گھر بہت خراب ہے۔ اس میں جگہ نہیں ہے۔ خیر نہیں! تم لوگ کیسے گذارہ کرتے ہو؟

ہر پرشاد: "بھائی! ہم لوگوں کی حالت کے مطابق یہ گھر اچھا ہے"

مدن موہن "خیر تو اب کیا تجویز ہے ؟"

ہر پرشاد "تجویز کیسی ؟"

مدن موہن "آخر کچھ ٹھیک کرنا چاہئے نا"

ہر پرشاد "کیا کروں جو قسمت میں ہوگا۔ ہو جائے گا"

مدن موہن "تو بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کرنا چاہئے"

ہر پرشاد "جو کچھ ہونا ہے۔ وہ آپ ہی ہوتا رہیگا۔ یہ کہکر انہوں نے کامنی کو آواز دی۔ اری کامنی ان کے لئے پان تو لا۔

عورتوں نے آواز سُنی۔ لیکن گھر میں پان کہاں تھا ؟ کہ لگاکر بھیج دیتیں۔ نموہن سمجھ گئے۔ اس لئے انہوں نے سوچکر کہا۔ نہیں! آج برت ہے۔ میں پان نہیں کھاؤنگا ہاں! یہ تو بتلائے۔ کہ مقدمے کی پیشی کب ہے ؟

ہر پرشاد "کل"

مدن موہن "وکیل وغیرہ تیار ہیں نا ؟"

ہر پرشاد "ہاں! تیار ہی ہوں گے۔ اس مقدمے کی پیروی بابو ہرپرشاد کر رہے ہیں"

مدن موہن "رام! رام!! بے پروائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بھائی پر نوٹ چرانے کا الزام۔ اور آپ کا یہ خیال خام"

ہر پرشاد "نہیں۔ یہ بات تو نہیں ہے۔ میں حتی الوسع کوشش کر رہا ہوں۔ دیکھیں کیا نتیجہ نکلتا ہے"

مدن موہن "ایشور کریں۔ بابو شیو پرشاد بری ہو جائیں۔ نہیں تو مصیبت آئے گی دکان کی طرف دیکھ کر) مگر اس مکان میں تم لوگ کیسے رہتے ہو۔ میں بار بار یہی سوچ رہا ہوں"

ہر پرشاد "بھائی! اچھے مکان کے لئے کرایہ بھی تو اچھا ہی چاہئے۔ گھر بھر تو مصیبت

آرہی ہے۔ اُسے تم جانتے ہی ہو۔ پھر بتاؤ کہ اتنا کرایہ کہاں سے لائیں۔ یہاں تو مشکل سے پیٹ ہی بھرتا ہے۔"

مدن موہن :۔ "اچھا! اگر بُرا نہ مانو۔ تو میں کچھ کہوں۔"

ہر پرشاد :۔ "نہیں بُرا ماننے کی کونسی بات ہے۔ جو کہنا چاہتے ہو۔ شوق سے کہو۔"

مدن موہن :۔ "ہمارا گھر خالی پڑا ہے۔ اگر کچھ ہرج نہ ہو۔ تو اُس میں چل رہو۔"

ہر پرشاد :۔ "نہیں بھائی! ہم لوگ یہاں بڑے آرام سے ہیں۔"

مدن موہن نے بہت کچھ سمجھایا بجھایا۔ لیکن ہر پرشاد انکار ہی کرتے رہے۔ آخر جب مدن موہن سمجھ گئے۔ کہ ہر پرشاد مانیں گے۔ تو وہ چپ چاپ واپس چلے گئے۔ ادھر بابو ہر پرشاد اٹھ کر کچہری گئے۔ اُدھر سدامنی اور مالتی کشیدہ لے کر صحن میں آ بیٹھیں کچھ دیر بعد سدامنی نے کہا۔ بھابی جی! اب بھی بھیا اتنی دیر کر کے رات کو کیوں آتے ہیں۔

مالتی :۔ "بی بی جی! وہ کسی کام کے لئے ہی جاتے ہوں گے۔ دیکھو نہ چھوٹے بھائی پر مقدمہ چل رہا ہے۔ تو بڑے بھائی کو کیسے چین آ سکتا ہے۔"

سدامنی :۔ "مگر.......!"

مالتی :۔ "کیا؟"

سدامنی :۔ "نہیں کچھ نہیں۔"

مالتی :۔ "میں تمہارا مطلب سمجھتی ہوں۔ جو تم سوچتی ہو۔ میں اُس بات کو دھیان میں بھی نہیں لاتی مجھے یقین ہے۔ کہ وہ کسی بری جگہ کبھی نہ جاتے ہوں گے۔"

اس پر سدامنی چپ کی چپ رہ گئی۔ کچھ نہ بول سکی اور اپنا کام کرنے لگی۔ اتنے میں کسی نے مکان کے دروازے کو کھولا۔ سدامنی اور مالتی تو ہری ناتھ کی شکل دیکھتے ہی اوپر بھاگ گئیں۔ لیکن کامنی رہ گئی۔ ہری ناتھ سیدھے کامنی کے پاس پہنچے

اور کہنے لگے۔ کامنی بی بی۔ ہم کچھ نہ کر سکے۔ تمہارے بھیا شیو پرشاد کو چھ مہینے کی سزا ہو گئی ہے۔ اس لئے جب تک بابو شیو پرشاد گھر واپس نہ لوٹیں گے۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے بلکہ غربت میں زندگی بسر کرینگے۔ ارادہ تو ولایت جانے کا ہے۔ آگے آپ وودانہ کے ختیار ہے۔ یہ لوکیش بکس۔ یہ تمہارا ہے۔ اگر چاہو۔ تو اس میں سے روپیہ خرچ بھی کر سکتی ہو۔ بابو ہر پرشاد کو دکھا دینا۔ اگر زندہ رہے۔ تو آ ہی ملیں گے۔ ورنہ سمجھ لینا۔ مر گیا۔ بہن اور بھاوج کو میرا پرنام کہہ دینا۔

یہ کہکر بابو ہری ناتھ چلے گئے۔ کامنی ہکا بکا سی رہ گئی۔ بھائی کی سزا کا حال جب سدامنی وغیرہ کو معلوم ہوا۔ تو وہ رونے لگیں۔ اتنے میں ہر پرشاد بھی روتے ہوئے آپہنچے گھر میں شور مچ گیا۔ آنسوؤں کے دریا بہہ گئے۔ لیکن رونے دھونے سے کیا ہو سکتا تھا آخر سب کے سب چپ ہو گئے۔

کامنی نے کہا۔ بھیا! ہری ناتھ آئے تھے۔ اور یہ بکس دے گئے ہیں۔

بابو ہر پرشاد نے بکس لے لیا۔ اور اس کی چابی مانگی۔

سدامنی "چابی تو ہمیں نہیں دے گئے۔"

ہر پرشاد "بکس دے گئے ہیں۔ اور چابی نہ دار دہ۔ اب کیا کیا جائے؟"

بھاوج "تو اس کا تالا توڑ کر دیکھ لیجئے۔ کہ اس میں کیا ہے؟"

ہر پرشاد "دوسرے کے بکس کا تالا توڑنا کونسی عقلمندی ہے؟"

وشوا ناتھ "جب وہ بکس ہی آپ کو دے گئے ہیں۔ تو چیز آپ کی ہوئی یا اُن کی۔ جب آپ کی چیز ہے۔ تو آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

الغرض تالا توڑا گیا۔ بکس میں ہزار روپے کے نوٹ اور بابو ہر پرشاد کے نام ایک چٹھی تھی۔ چٹھی یہ تھی۔

بابو ہر پرشاد!

دراصل مصیبت کی جڑ میں ہوں - میں نہیں کہہ سکتا - کہ میں کس طرح اس گناہ عظیم کا پرایشچت کر سکوں گا - یہ روپیہ آپ کی نذر کرتا ہوں - امید ہے - کہ آپ قبول فرما کر مجھے ممنون فرمادینگے - میں ولایت جا رہا ہوں - اور اس وقت تک ہندوستان نہ لوٹوں گا جب تک - کہ بابو شیو پرشاد جیل سے واپس نہ آئینگے -

آپ کا ....

ہری ناتھ

ہرپرشاد نے چٹھی پڑھی - اور دل میں خیال کیا - کہ ہری ناتھ پاگل ہے - اسلئے اس کے روپے اُسے واپس کر دینے چاہئیں - یہ سوچ کر انہوں نے اُس تمام روپیہ کو ہری ناتھ کے نام سے بنک میں جمع کرا دیا -

---

بائیسواں باب

ساون کا مہینہ تھا - رات بھر پانی برس کر مطلع صاف ہو گیا تھا - گھر میں ایک دانہ تک نہ تھا اس لئے بھائی اور بہن فاقہ کشی کر رہے تھے - اب کہیں سے ایک پیسہ بھی قرض نہ مل سکتا تھا - چپلا - اور کامنی وغیرہ کے بنے ہوئے سوئیٹر بھی کوئی نہ خریدتا تھا - کیونکہ بابو ہری ناتھ شہر میں نہیں تھے - ہرپرشاد متفکر تھے کہ کیا کیا جائے - گھنٹوں سوچتے رہتے تھے - لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچتے تھے آج رات بھی وہ سوچتے سوچتے سو گئے تھے - جب صبح اُٹھے تو انہوں نے اپنی کھاٹ پر ایک چٹھی پائی - چٹھی پڑھ کر زور زور سے رونے لگے - عورتیں اوپر سے اتر آئیں - اور سبب دریافت کرنے لگیں - ہرپرشاد ...

چٹھی آگے کر دی۔ چٹھی کا پڑھنا تھا۔ کہ سب کے سب رونے چلانے لگے۔ چٹھی کی نقل ہُو بہُو ذیل میں درج ہے:۔

بھیا!

آپ کو معلوم ہے۔ کہ سختیاں سہتے سہتے ہم لوگوں کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ ہم لوگ مصیبت کے جال میں پھنسے ہوئے مفلسی کے تنگ و تاریک کنوئیں میں پڑے ہیں۔ ہمیں جیسے بھی ہو سکے۔ اس جال کو توڑنا چاہئے۔ اور اس کنوئیں سے نکلنا چاہئے مرد ہمت نہیں ہارتے۔ کیا ہوا۔ اگر آج پیسہ پاس نہیں۔ تو کل ہاتھ آ جائیگا۔ ہاں! یہ ضرور ہے۔ کہ جب تک اس سرزمین کو نہ چھوڑیں گے۔ مال ہاتھ آنا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ جاپان جا رہے ہیں۔ وہاں کچھ نہ کچھ سیکھیں گے۔ اور ممکن ہوا۔ تو روپیہ بھی کما سکینگے آپ ہماری طرف سے بے فکر رہئیگا۔ بھاوج اور بہنوں کو دلاسہ دیتے رہئے۔

آپ کے بدنصیب بھائی

مہادیو پرشاد

وشوا ناتھ پرشاد

ہر پرشاد بستر سے دیوانہ وار اُٹھے۔ اور گھر سے نکل بھاگے۔ عورتیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ دوپہر ہوئی۔ شام ہوئی۔ لیکن ہر پرشاد نہ لوٹے۔ بے چاری چھاتی پر صبر کا پتھر رکھ کر بیٹھ رہیں۔ اور کر ہی کیا سکتی تھیں۔ چاروں بھائیوں میں سے ایک بھی گھر پر نہ رہا کہ جس کی صورت دیکھ کر اپنا غم غلط کر لیتیں۔

کئی روز گذر گئے۔ لیکن پیٹ بھرنے کے لئے روٹی میسر نہ ہوئی۔ مالتی نے اپنی نتھ بیچ ڈالی۔ اور چند روز تک گذارہ کیا۔ لیکن پھر وہی حال۔ دو دو روز کھائے ہوئے ہو گئے۔ ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ چیلا۔ کامنی اور مالتی بھیروں پرشاد کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ سدا منی کے رشتے کے چچا بابو دیوی پرشاد آئے۔ سدامنی ان کی شکل دیکھ کر دنگ رہ گئی

کیونکہ عرصے سے شنکر پرشاد اور دیوی پرشاد کے درمیان بگاڑ چلا آتا تھا۔ سدا منی سوچنے لگی۔ کہ ان کے آنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ میرے پتا کے دشمن کا یہاں کیا کام! لیکن کچھ سوچ کر اُٹھی۔ اور ایک کھاٹ بچھا دی۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ چچا! آج کدھر بھول پڑے۔

دیوی پرشاد نے کھاٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ سدا منی! بات یہ ہے۔ کہ بھیا شنکر پرشاد مجھ پر ناحق ناراض تھے۔ اس لئے یہاں آنے کی ہمت نہ تھی۔ اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ شیو پرشاد ہم لوگوں کی بدنصیبی سے قید کاٹ رہے ہیں۔ مہادیو پرشاد اور وشوا ناتھ پرشاد جاپان چلے گئے ہیں۔ اور ہر پرشاد کا کہیں پتہ نہیں۔ اور تمہاری بڑی بُری حالت ہو رہی ہے۔ تو کیا میرا خون اس قدر سرد ہو گیا ہے۔ کہ اس وقت بھی تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر بیٹھا رہوں۔ اور امداد نہ دوں۔ نہ بی بی مجھ سے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ جب تک زندہ ہوں گا۔ آنکھیں کھلی ہیں۔ اس وقت تک تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے دونگا۔

مہاتما دیوی پرشاد کی باتیں اس ڈھنگ کی تھیں۔ کہ بے چاری عورتیں اصل مطلب کو نہ سمجھ سکیں۔ سدا منی اس کی اس ہمدردی سے شرابور ہو کر رونے لگی۔ دیوی پرشاد نے اُسے علیٰحدہ لے جا کر دس روپے دئے اور کہا۔ کہ آج سے میں ہر مہینے برابر کچھ نہ کچھ دیتا رہوں گا۔

سدا منی نے اُن روپوں کو اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے دھو کر لے لیا۔ دیوی پرشاد نے اپنی چکنی چپڑی باتوں کے دوپٹے سے سدا منی کے آنسو پونچھے اور چلے گئے۔

اسی طرح گذرتے گذرتے ایک مہینہ گذر گیا۔ لیکن ہر پرشاد واپس نہ لوٹے۔ اور نہ ہی ان کا کچھ پتہ لگا۔ مہادیو پرشاد اور وشوا ناتھ پرشاد کو جاپان گئے ہوئے ایک مہینہ گذر چکا تھا۔ مگر ان کا بھی کوئی خط نہیں آیا تھا۔ ایک دن سدا منی نے مانتی کا گلا پکڑ کر کہا۔ بھائی جی! کیا ہم بیکس عورتوں کو سب ہی چھوڑ گئے

اس پر مالتی نے اپنی نند کے کاندھے پر اپنا سر رکھ کر روتے روتے کہا۔ کیا ہوا؟ اگر سب کے سب چھوڑ گئے۔ تو ایک سہارا ایک اب بھی موجود ہے۔

سداامنی "- کون ؟"

مالتی "- وہی ایشور جو سب کا ان داتا ہے۔ ہمارا بھی مددگار ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ سنسار میں جو لوگ دھرماتما اور نیک ہوتے ہیں۔ وہی دکھ اٹھاتے ہیں"

اس کا جواب سداامنی نے کچھ نہ دیا۔ اتنے میں ہی مہاتما دیوی پرشاد آپہونچے۔ مالتی انہیں دیکھ کر اندر گھس گئی۔ لیکن اور لڑکیاں بیٹھی رہیں۔ دیوی پرشاد سداامنی کو علیحدہ لے گئے۔ اور کہنے لگے۔ تم ابھی ہمارے ساتھ چلو۔ ہر پرشاد کے بارے میں بہت ضروری بات تم سے کہنی ہے۔

یہ سن کر سداامنی گھبرا اٹھی۔ اور جس حال میں تھی۔ اسی حال میں بڑھیا کی ماں کو ساتھ لے کر دیوی پرشاد کے ساتھ ساتھ چل کھڑی ہوئی۔

دیوی پرشاد کی عمر تقریبًا چالیس سال کی تھی جسم دبلا۔ پتلا۔ منہ لمبا اور آنکھیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بال کھچڑی۔ دو تین دانت غائب اور رنگ سانولا تھا۔ غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بال بال میں شرارت اور بدمعاشی بھری ہوئی ہے۔ بدنامی کا یہ حال تھا۔ کہ ایک راہ چلتی بڑھیا بھی ان سے بچکر چلتی تھی۔ پھر جوان عورتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

صبح پانچ بجے سے نو بجے تک آپ زنانے گھاٹ پر رہتے تھے۔ شہر میں جس قدر تیرتھ اور تہوار عورتوں کے ہوتے۔ وہاں سب سے پہلے آپ پہنچ جاتے تھے۔ آٹھ بجے رات کے بعد گیارہ بجے رات تک جس کا جی چاہے آپ کو دال منڈی میں جاکر دیکھ لے۔ شہر کی جس قدر رنڈیاں تھیں۔ سب سے آپ واقف تھے۔ اور روپیہ پیسہ خرچ کئے بغیر ہی ان کی صحبت کا لطف اٹھاتے تھے۔ اس کے سوا وہ رنڈیوں کی دلالی بھی کرتے

تھے۔ امیروں کے نوجوان لڑکوں کو رنڈیوں کے ہاں لے جایا کرتے تھے۔ جو کچھ رنڈی کو دلاتے تھے۔ اس میں سے پچیس ۲۵ فیصدی آپ پاتے تھے۔ گویا دس پانچ روپے روزانہ کمائے بغیر گھر واپس نہ لوٹتے تھے۔ اسی طرح کماتے کماتے دو تین ہزار روپیہ جمع کر لئے تھے۔

اُن کے دو بیاہ ہوئے تھے۔ پہلی بیوی تو بیاہ سے تھوڑے دن بعد ہی چل بسی تھی اور دوسری کسی کے ساتھ نکل بھاگی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے بیاہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ کام کاج کے لئے ایک عورت رکھی ہوئی تھی۔ اور روپیہ کے سود سے گذارہ کرتے تھے

سدا منی دیوی پرشاد کے گھر پہونچ گئی۔ بڑھیا کی ماں واپس آگئی۔ دیوی پرشاد نے نیچے کا دروازہ بند کر لیا۔ اُسے اوپر لے گئے۔ اور ایک کوٹھڑی میں لے جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ پھر پاؤں پر گر پڑے۔ اور کہنے لگے۔ خدا کے لئے میری جان بچاؤ مجھے نہ مارو۔ میں مدت سے تمہارے حسن عالم فریب کا شیدائی ہوں۔ تو کیا آج موقع ملنے پر بھی زکوٰۃ نہ دوگی۔

سدا منی حیران ہو گئی۔ اس کے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ اور تعجب انگیز مگر مخوف لہجے میں بولی۔ چچا! یہ کیا؟

دیوی پرشاد۔ سدا منی! میں مدت سے تمہاری خوبصورتی کا دیوانہ ہو رہا ہوں جس طرح بھونرا پھول کا رس چوسنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ اسی طرح میں بھی آج ان پھول جیسے گالوں کا رس بھونرا بن کر چوسنا چاہتا ہوں۔ اور اگر یہ رس آج نہ ملا۔ تو پھانسی لگا کر مرجاؤں گا۔

تم جانتی ہو۔ کہ میرے اولاد نہیں ہے۔ اور میرے پاس دولت اس قدر ہے۔ کہ کئی پشتوں کے لئے کافی ہے۔ اگر تم آج میری آرزو پوری کرو گی۔ تو اس کے صلے میں تمام روپیہ اور جائداد پاؤ گی۔ تم لوگوں کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ ہو گی۔ تم رانڈ ہو۔ پھر اس

حُسن و جوانی کو کیوں ضائع کر رہی ہو۔

سدامنی:۔ "اُف! کیا سن رہی ہوں۔ چچا! شرم کرو۔ بیٹی کے ساتھ یہ سلوک۔ مجھ سے یہ خواہش کبھی کامیاب نہ ہوگے۔ آج سے میں تمہیں چچا کہہ کر نہ پکارونگی۔ تم خبیث ہو بدکار ہو۔ نالائق ہو۔ بہتر ہے۔ کہ باز آؤ۔ ورنہ بُرا ہوگا"

دیوی پرشاد:۔ "بُرا ہوگا نہیں بُرا نہیں ہو سکتا۔ تمہیں ہی میری پیاس بجھانی ہوگی۔"

سدامنی:۔ "ارے چنڈال اپنی حرکتوں سے باز آ۔ وہ کہ دیکر مجھے لے آیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو پاپی ہے۔ تو میں تجھے گھر میں ہی نہ گھسنے دیتی۔ میری خطا معاف کر مجھے چھوڑ دے"

دیوی پرشاد:۔ "نہیں! ہرگز نہیں۔ پھنسا ہوا شکار کہاں جا سکتا ہے۔ اب تمہارا بچ نکلنا محال ہے۔ اگر بھلا چاہتی ہو۔ تو میرا کہنا مان لو۔ پھر یہ گھر۔ مال۔ دولت اور جائداد سب تمہاری ہے۔ بلکہ میں بھی تمہارا ہوں"

سدامنی:۔ "ارے کمبخت! مجھے تیری اس دولت کی ضرورت نہیں۔ میں بھوکی رہونگی لیکن دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گی۔ نردئی! بیکسوں پر رحم کر۔ بھلا ہوگا"

دیوی پرشاد:۔ "کون جانے بھلا ہوگا۔ یا برا۔ یہ تو مرنے پر معلوم ہوگا۔ اگر زندگی میں بھی لطف نہ اٹھایا۔ تو مرنے پر کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ باتوں میں وقت ٹالنے سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا"

سدامنی۔ (ہاتھ جوڑ کر) "پربھو! تم مصیبت میں ہمیشہ بھگتوں کا دکھ دور کرتے ہو۔ اور بیکسوں پر دیا کرتے ہو۔ میں اس وقت جس مصیبت میں گرفتار ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو مجھ اُبھاگنی کو بچاؤ۔ جگت سوامی! میرے کام آؤ۔ دیوی پرشاد سدامنی کی طرف بڑھا۔ سدامنی بھاگی۔ اور جلدی سے کوٹھڑی کا دروازہ کھولی اور سیڑھیوں سے اتر کر گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ دیوی پرشاد بھی پیچھے پیچھے بھاگا۔ لیکن سیڑھیوں سے گر پڑا۔ اور پاؤں ٹوٹ گیا

سر میں چوٹ آئی۔ وہیں کا وہیں پڑا رہ گیا"

ایک دو نہیں۔ بلکہ جس قدر شہر کے بدمعاش تھے سب سدا منی وغیرہ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے تھے۔ کمار کمل کشور بھی شہری ناتھ کے ہمراہ آ پہنچا۔ اور عشق کی چوسر پر پھانسہ پھینکنے لگا۔ یہ حال دیکھ کر سب عورتوں نے آپس میں صلاح کی۔ کہ اس شہر سے اب نکل بھاگنا ہی اچھا ہے۔ ایک تو پردیس میں گذارے کا انتظام بھی ہو جائیگا دوسرے دھرم بھی بنا رہیگا۔ بڑھیا کی ماں بولی! میری رائے میں غازی پور چلنا چاہیئے کیونکہ میں نے چودہ پندرہ سال وہاں کاٹے ہیں۔ اور شہر کے گلی کوچوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔

بڈھیا کی ماں کی رائے سب کو پسند آئی۔ اور یہ صلاح ٹھہری۔ کہ کل رات چپ چاپ یہاں سے چل دینا چاہیئے

اسی دن آدھی رات کے وقت دس بارہ مسلح ڈاکو۔ دروازہ توڑ کر چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے گھر میں گھسے۔ اور چپلا کا منہ کپڑے سے بند کر کے اُسے اٹھا کر لیگئے۔

عورتیں اگرچہ جاگتی تھیں۔ تاہم کچھ نہ کر سکیں۔ پڑے پڑے سب کچھ دیکھتی رہیں لیکن بھلا، تاب نہیں تھی۔ مسلح ڈاکوؤں کے سامنے بیچاری نازک عورتوں کی ہستی ہی کیا ہے۔ اگر شور وغوغا کریں۔ تو ممکن تھا کہ قتل ہو جائیں۔

غرض دوسرے دن آدھی رات کے وقت سدا منی۔ مالتی۔ کامنی اور کدمبنی بڈھیا کی ماں کے ساتھ گھر سے نکل کھڑی ہوئیں۔ اسباب تو تھا ہی نہیں۔ جس کا خیال آتا اور جو تھا۔ وہ بھی وہیں چھوڑا۔ وہ روپے جو گنگا سے نکلا ہے دیوی پرشاد نے دیئے تھے۔ ساتھ لئے۔ اور سواری کر کے اسٹیشن پر آئیں۔ وہاں سے رام رام جپتی ہوئیں غازی پور آ پہنچیں

تیئسواں باب

غازی پور پہنچکر ایک چھوٹا سا مکان کرایے پر لے لیا۔ جس میں رہائش اختیار کی۔ بُدھیا کی ماں نے ایک روپے مہینے اور روٹی کپڑے پر کسی کے ہاں نوکری کر لی۔ وہ دس بجے جاتی تھی اور چار پانچ بجے واپس لوٹ آتی تھی۔

بُدھیا کی ماں نے ایک نوکری سدا منی کے لئے اور دوسری کدمبنی کے لئے بھی ڈھونڈھ دی۔ کامنی مالتی کے پاس گھر پر رہنے لگی۔ کیونکہ مالتی دکھیا تھی۔ پتی کے غائب ہونے بھائی کے بھاگنے اور چپلا کے لاپتہ ہونے سے اس کا کلیجہ اس قدر بیٹھ گیا تھا۔ کہ وہ کھاٹ پر پڑے رہنے کے سوا اور کوئی کام نہ کر سکتی تھی۔

کدمبنی نوکر رہے دو روپے مہینے پر وہاں کے ایک براہمن کے گھر کام کاج کرنے لگی۔ اور سدا منی شمبری ناتھ کے ہاں جو سدا منی وغیرہ کے بھاگ جانے کا پتہ پا کر یہاں بھی آ پہنچا تھا۔ تین روپے ماہوار پر دائی کا کام سرانجام دینے لگی۔ سدامنی اور بُدھیا کی ماں شمبری ناتھ وغیرہ کو نہ پہچان سکی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ بے چاری پھنس گئی۔ ورنہ وہ ایسی نوکری ہرگز نہ کرتی۔

سدامنی اور کدمبنی دن بھر تو کام کرتی تھیں۔ اور شام کو بُدھیا کی ماں باری باری سے اُن دونوں کو جا کر لے آتی تھی۔

ادھر تو شمبری ناتھ سدامنی پر مدت سے تاک لگائے بیٹھا تھا۔ اور ادھر ڈوبے جی کا چھوٹا لڑکا برج لال کدمبنی کے حسن جہاں سوز پر لٹو ہو رہا تھا۔

شمبری ناتھ کے ساتھ ایک رنڈی تھی۔ شمبری ناتھ اور اس کی رنڈی دونوں سدامنی

کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بلکہ کپڑا لتا۔ کھانا انعام و اکرام وغیرہ بھی دیتے رہتے تھے۔ اور اُس سے زیادہ کام بھی نہیں لیتے تھے۔ اس لئے سدامنی اُن دونوں کو بہت ہی نیک سمجھتی تھی۔ لیکن نہیں شہری ناتھ اس ڈھنگ سے سدامنی کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش میں سرگرم تھا۔ پاجی برج لال کا سلوک کدمبنی کے ساتھ بہت ہی بُرا تھا۔ بات بات میں اسے جھڑکتا اور گالی دیتا۔ بعض اوقات مارنے پر بھی اتر آتا تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ ایک نہ ایک دن کدمبنی میرے پاؤں پر گر پڑے گی۔ اور کہے گی مجھے بہت نہ ستاؤ۔ میں تمہاری لونڈی ہوں۔ تمہارے تابع فرمان ہوں۔ جو حکم دوگے بجا لاؤں گی۔ بس پھر کیا ہے۔ آسانی سے اُسے خراب کرسکوں گا۔

اور بےچاری کدمبنی وہ تو مصیبت کی ماری تھی۔ اور جانتی تھی۔ کہ ہمارے دن آج کل کھوٹے ہیں۔ اس لئے برج لال کے ظلم و ستم کا خیال نہ کرتی تھی۔ اور اس خیال سے چوں چرا نہیں کرتی تھی۔ کہ کہیں نوکری نہ جاتی رہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا حال اپنی بھاوج اور بہنوں پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ہاں! اس کا سب حال بدھیا کی ماں جانتی تھی۔ اور اُسے ڈھارس دیتی تھی۔ کہ ٹھہری رہو میں تمہارے لئے کوئی اور جگہ تلاش کر رہی ہوں

چوبیسواں باب

ایک دن دوپہر کے وقت غازی پور کے گھاٹ پر کدمبنی بیٹھی ہوئی برتن صاف کر رہی تھی۔ گھاٹ پر کوئی نہ تھا۔ لیکن اُس کے آس پاس ناؤ اور ایک بہت بڑا بجرا بندھا ہوا تھا۔ ایک پیتل کا کلسا ریت پر پاس ہی اوندھا پڑا تھا۔ اتنے ہی میں

پانی کی لہر اس قدر زور سے آئی۔ کہ کلسے کو بہا کر لے گئی۔ کدمبنی کو خبر نہ ہوئی۔ جب کلسا دس پانچ ہاتھ پانی میں بہہ گیا۔ تب اُس کی نظر پڑی۔ کلسے کو بہتے ہوئے دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور رونے لگی۔

ایک نوجوان خوش وضع آدمی بجرے میں بیٹھا ہوا ٹکٹکی لگا کر بڑی دیر سے کدمبنی کو دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے لڑکی کو روتے ہوئے دیکھا۔ تو بجرے سے اُتر کر اُس کے پاس آ کر بڑی میٹھی آواز سے بولا۔ "کیوں! کیا ہُوا تم رونی کیوں ہو"

کدمبنی:۔ "ہائے! میرا کلسا!"

نوجوان:۔ "ایک ادنےٰ کلسے کے لئے روتی ہو"

کدمبنی:۔ "اجی وہ میرا اپنا کلسا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے کا ہے۔ اگر کلسا ہاتھ سے جاتا رہا۔ تو میری خیر نہیں۔ وہ لوگ مجھے مارتے مارتے ہلاک کر ڈالیں گے۔"

نوجوان۔ (تعجب سے) تم نہیں ماریں گے۔ کیا وہ راکشش ہیں۔ کہ گائے پر چھری چلاتے ہیں تو کیا تم کسی کے گھر کام کرتی ہو؟

کدمبنی:۔ "جی ہاں!"

یہ سنتے ہی اُس نوجوان نے اپنے کپڑے اُتارے۔ اور گنگا جی میں کود کر کدمبنی کا کلسا لے آیا۔ اپنا کلسا پا کر وہ بہت خوش ہوئی۔ گویا دنیا کی تمام دولت ہاتھ آ گئی۔ نوجوان نے کپڑے پہنتے ہوئے لڑکی سے پوچھا۔ تم کس کے گھر کام کرتی ہو؟

کدمبنی:۔ "ایک براہمن کے گھر۔"

نوجوان:۔ "کیا وہ لوگ تم کو بہت مارتے ہیں"

کدمبنی:۔ "وہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر مجھے اس قدر مارتے ہیں۔ کہ بے دم کر دیتے ہیں ابھی اُس دن ایک پیتل کا گلاس مجھ سے گم ہو گیا تھا۔ جس کے لئے برج لال نے یہ دیکھئے۔"

یہ کہکر کدمبنی رونے لگی۔ اور اپنی پیٹھ اُس نوجوان کو دکھلائی۔ پیٹھ پر کوڑے کے کئی ایک نشان موجود تھے۔ یہ دیکھ کر اس نوجوان نے ایک لمبی سانس لی۔ اور کدمبنی سے اس کا نام اور اس گھر کا پتہ دریافت کیا۔ جہاں وہ نوکری کرتی تھی۔ کدمبنی نے بتلادیا۔ نوجوان وہاں سے ٹل گیا تھا۔ کدمبنی برتنوں کو ایک ٹوکرے میں سر پر رکھ کر اور جل بھری کلسی بغل میں دبا کر دوبے جی کے گھر کی طرف چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ نوجوان بھی نئے لباس میں اُس طرف جاتا ہُوا دکھائی دیا۔ جس طرف برہمن کا مکان تھا۔ اور جس کے ہاں وہ لڑکی نوکری کرتی تھی۔ نوجوان نے وہاں پہونچکر دیکھا۔ کہ وہ مکان کسی امیر زمیندار برہمن کا ہے۔ مکان بہت بھاری اور چار منزلہ تھا۔ صدر دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ یہ ٹھاٹ دیکھ کر ہمارے منچلے نوجوان کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ اُن سپاہیوں سے کدمبنی کی نسبت کچھ دریافت کرے۔ اسی فکر میں غلطاں ہو کر وہ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ اُس امیر برہمن کے گھر کے ٹھیک سامنے ایک حلوائی کی دوکان ہے۔ یہ دیکھ کر نوجوان اس دوکان پر گیا۔ حلوائی نے ایک سفید پوش رئیس زادے کو اپنی دوکان پر آتے ہوئے دیکھ کر فرشی سلام کیا۔ اور کہا کیا چاہئے سرکار؟

نوجوان "کچھ ناشتا کروں گا۔ تمہاری دوکان پر تازہ مٹھائی کون کون سی ہے؟

حلوائی " سب مٹھائی تازہ ہیں۔ گھیور۔ بندیا۔ بالوشاہی۔ سنبوسہ۔ لڈو۔ پیڑا۔ گلاب۔ جامن اور امرتی وغیرہ جو چاہئے شوق سے لیجئے۔

نوجوان "اور یہ بھنوا پاگ"

حلوائی " یہ تو ابھی بنایا ہے۔ ابھی چاشنی میں ڈبویا گیا ہے۔

نوجوان " جبر تو اسی میں سے تھوڑا سا دے دو"

حلوائی " بہت اچھا!"

نوجوان نے ایک روپیہ حلوائی کے آگے پھینکدیا۔ روپے کی صورت دیکھتے ہی حلوائی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کہا۔ تو کیا ایک روپیہ کا بھتوا پاگ دوں۔

نوجوان ؛ نہیں! روپیہ تمہیں تازہ بھتوا پاگ کے صلے میں انعام دیا ہے۔ اسے لیلو۔"

یہ سُنکر حلوائی کی خوشی کی حد نہ رہی۔ اُس نے ہمارے نوجوان کو راجہ کرن سمجھ ایک سٹول بیٹھنے کے لئے بچھا دیا۔ اور دوسرے سٹول پر ایک طشتری میں بھتوا پاگ اور گلاس میں پانی رکھ دیا۔

نوجوان کھانے لگا۔ اور کھاتے کھاتے اُس نے اُس امیر براہمن کے گھر کی طرف اشارہ کرکے دریافت کیا۔ کہ یہ گھر کس کا ہے ؟"

حلوائی ؛ صاحب! یہ غازی پور کے ایک نامی رئیس بابو رنگ لال دوبے زمیندار کا ہے۔ یہ براہمن ہونے پر بھی راجہ ہیں۔ ان کے دو جوان لڑکے ہیں۔ جن میں سے بڑے صاحب یہاں کے آنریری مجسٹریٹ ہیں "

نوجوان ؛ ٹھیک ہے۔ انہی کے گھر ایک بہت خوبصورت لڑکی نوکری کرتی ہے۔ آج ہی دوپہر کو وہ گھاٹ پر برتن صاف کر رہی تھی۔ اس کی پیتل کی کلسی گنگا کی لہر سے گہرے جل میں بہہ گئی۔ اور میں نے نکال دی تھی۔ وہ بڑی سوشیل لڑکی ہے۔ تم اُسے جانتے ہو؟

نوجوان کی باتیں سُنکر حلوائی مسکرانے لگا۔ اُس نے خیال کیا۔ کہ یہ نوجوان ضرور اُس پر عاشق ہو گیا ہے۔ اُسے بدچلن تصور کرکے اُس حلوائی نے انگلی کے اشارے سے بتلایا۔ کہ یہ جو ایک بہت ہی معمولی سا مکان نظر آتا ہے۔ اس میں کئی ایک حسین عورتیں رہتی ہیں۔

نوجوان ۔ برافروختہ ہو کر کہنے لگا " کہ ہم لڑکی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ یا حسین عورتوں

یہ کہتے ہوئے بڑھیا نے پانی کا کلسا وہیں زمین پر رکھ دیا۔ اور نوجوان کے پاؤں چھو کر کہا۔ بابو جی! آج آپ نے اس غریب لڑکی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ اُسے وہ اور اس کے گھر کے لوگ جیتے جی نہیں بھولیں گے۔ اگر آج وہ چھوکری اپنی کلسی کو ڈبا جاتی۔ تو نہ جانے اُس کی کیا درگت ہوتی۔

نوجوان نے موقعہ دیکھ کر کہا۔ کیا درگت ہوتی۔

بڑھیا:- "یا تو وہ خوب مار کھاتی۔ یا نوکری ہاتھ سے جاتی۔ اگر ایسا ہوتا۔ اور وہ نکالی جاتی تو آج تین چار بیکس عورتوں کے منہ سے روٹی چھن جاتی۔"

نوجوان:- "تو پھر اس غریب کو ایسے قصائی کے گھر رکھا ہی کیوں ہے۔ جو ایسی بیدردی سے مارتا ہے۔"

بڑھیا:- سچ ہے۔ کھوٹا دن جو چاہے سو کرائے! ہلٹے! ایک دن جو دائی جا کر دل کی گود میں اور ماں باپ کی پلکوں پر پلی تھی۔ آج اسے دوسروں کی غلامی کر کے مار کھانی پڑتی ہے۔"

نوجوان:- سنو فکر نہ کرو۔ ایشور جس حالت میں رکھے۔ اسی میں رہنا چاہئے۔ لیکن سوال تو یہ ہے۔ کہ تم نے اُسے ایسے۔ بے درد بے رحم شخص کے گھر کیوں رکھا ہے۔ کیا اُسے کہیں نوکری نہیں مل سکتی۔"

بڑھیا (رو کر) "اگر مل سکتی۔ تو کیا ہم لوگ اس کے دشمن ہیں۔ کہ اُسے ایسے گھر میں پھنسے یا رہنے دیتے۔

نوجوان:- "خیر اگر کوئی اچھی جگہ مل جائے۔ تو کیا تم اسے وہاں رکھوا دو گی؟"

بڑھیا۔ (خوشی سے اچھل کر) "کیوں نہیں۔ میں تو چاہتی ہی ہوں۔ کہ کوئی اور جگہ مل جائے۔ جہاں ہماری لاڈو سکھ سے رہ سکے۔"

نوجوان:- "اگر تمہارا دل مانے۔ اور تم ہمیں نیک سمجھو۔ تو کہ بہنی کو کل صبح سے ہمارے گھر بھیج دو۔"

آپ کے گھر؟ یہ کہکر بڈھیا نے نوجوان کو سر سے پاؤں تک گہری نظر سے دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔ آپ کا مکان کہاں ہے؟ نوجوان اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اپنا مکان دکھایا اور کہا۔ کل صبح چھ بجے کدمبنی کو لے کر تم یہاں پر آنا۔ یہی ہمارا مکان ہے۔

بڈھیا مکان دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ مکان کیا تھا۔ ایک عالیشان قلعہ تھا۔ ساز و سامان وغیرہ دیکھ کر بڈھیا نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ اب میں بڑے تڑکے آؤنگی۔ اور کدمبنی کو لیتی آؤں گی۔

یہ کہکر بڈھیا اپنے گھر پہنچی۔ اور اس امیرزادے کی سدامنی وغیرہ سے بہت تعریف کی۔ پھر دوبے جی کے لڑکے برج لال کے ظلم و ستم کا قصہ بھی بیان کیا۔ سدا منی سُن کر حیرت انگیز نگاہوں سے کدمبنی کی طرف دیکھ کر بولی۔

کدمبنی! اگر ایسا ہی حال تھا۔ تو تو نے مجھ سے کہا۔ کیوں نہیں میں ایک دن بھی تجھے وہاں نہ جانے دیتی۔

کدمبنی:۔ جی جی! اگر میں وہاں نہ جاتی۔ تو اس دیوتا کے درشن کیسے ہوتے۔"

یہ سُنکر سب کھلکھلا اُٹھیں۔ مالتی نے کدمبنی کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ لیکن کہیں اُن سے سگائی نہ کر بیٹھنا۔

کدمبنی یہ سنتے ہی وہاں سے بھاگ گئی۔ اور سدا منی نے بڈھیا کی ماں سے کہا۔ کیا کیا باتیں اس مہاتما سے طے ہوئی ہیں۔

بڈھیا کی ماں:۔ یہی کہ پانچ روپیہ مہینہ اور کپڑا۔ کدمبنی صبح جایا کرے گی۔ اور شام کو میں لے آیا کروں گی۔ کام کاج کے بارے میں انہوں نے یہ کہا ہے۔ کہ جو کچھ کام ہوگا وہ کرے گی۔ اور چونکہ ان کے ساتھ رسوئی دار براہمن بھی ہے۔ اس لئے کدمبنی کھانا بھی وہیں کھایا کرے گی۔"

مالتی:۔ کیا ان کے ساتھ زنانہ بھی ہے۔؟"

بُدھیا کی ماں :- زنانہ تو ان کے ساتھ نہیں ہے۔ لیکن وہ بڑے ہی شریف ہیں۔ اُن کے گھر کدمبنی رہے گی۔ تو اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔"

الغرض دوسرے روز صبح ہی بُدھیا کی ماں کدمبنی کو لے کر ان کے گھر پہنچی۔ اُس وقت ہمارے رائے صاحب اپنے نئے سجے سجائے کمرے میں بیٹھے تھے۔ نوکر سے خبر پا کر انہوں نے دونوں کو بلایا۔ لیکن وہ کمرے کے باہر ہی کھڑی ہو گئیں۔ اندر نہ گئیں کیونکہ کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی۔ اور ان دونوں کے پاؤں خاک آلودہ تھے۔

کئی بار سر سے پاؤں تک کدمبنی کو انہوں نے دیکھ کر بڑی سادگی سے کہا "چلی آؤ"۔

بُدھیا کی ماں :- سرکار! ہم لوگوں کے پاؤں میلے کچیلے ہیں۔ آپ کی دری خراب ہو جائے گی۔"

امیرزادہ :- کچھ ہرج نہیں۔ چلی آؤ۔"

لاچار دونوں کمرے کے اندر گئیں۔ کدمبنی نے نوجوان امیرزادے کو دیکھتے ہی اپنا سر جھکا لیا۔ اس کے جسم میں بجلی دوڑنے لگی اور وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ بُدھیا کی ماں نے کہا۔ حضور! اسے کون کون سے کام کرنے ہونگے۔ بتلا دیجئے۔ تو میں اسے سمجھاتی جاؤں۔

امیرزادہ :- ہم تم سے زیادہ سمجھا سکتے ہیں۔ اس لئے تم جاؤ۔ جو کام ہوگا۔ ہم خود سمجھا دیں گے۔"

یہ سُنکر بُدھیا کی ماں نے کدمبنی سے کہا۔ کدمبنی بیٹی تم رہو۔ میں شام کے وقت آ کر تمہیں لے جاؤں گی۔

امیرزادے نے پانچ روپے اور ایک دھوتی جوڑا بدھیا کی ماں کو دیکر کہا۔ یہ لو۔ یہ اس کے اس مہینے کی پیشگی تنخواہ ہے۔

بُدھیا کی ماں روپے اور دھوتی جوڑا لے کر چلی گئی۔ امیرزادے نے میز پر پڑی

ہوئی امرت بازار پتریکا پر نظر دوڑائی۔ کدمبنی کھڑی کمرے کی نایاب چیزیں دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے کہنے لگی۔ میں کیا کروں؟

امیرزادہ (سر اٹھا کر) اس اسٹول پر بیٹھ کر میز کے کاغذوں کو قرینے سے چن دو۔

کدمبنی آگے بڑھی۔ اور اخباروں کو سلسلہ وار رکھنے لگی۔

امیرزادہ بیچ بیچ میں اس سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا تاکہ اُس کا ڈر اور خوف جاتا رہے۔ یہ میٹھی میٹھی باتیں سُن کر کدمبنی آن کی آن میں اُس نوجوان امیرزادے سے گھُل مل گئی۔ اور اپنے گھر کا کل حال کہہ سنایا۔ نوجوان کا دل پگھل گیا۔ کچھ سوچ کر کدمبنی سے کہا۔ تمہاری بہن اور بھاوج ابھی تک موزے بُنتی ہیں؟

کدمبنی:۔ "جی نہیں۔ گھر میں تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ اون اور سوت وغیرہ کہاں سے خریدا جائے۔"

امیرزادہ:۔ "اچھا! ہم اون۔ سوت اور کپڑا وغیرہ منگا دینگے۔ تم ہمارے لئے موزے بنوا لانا۔ کیا تم بھی بُننا جانتی ہو؟"

کدمبنی:۔ "جی ہاں! کچھ کچھ جانتی ہوں۔"

امیرزادہ:۔ "تم کچھ پڑھی لکھی بھی ہو؟"

کدمبنی:۔ "جی ہاں! میں نے مڈل تک ہندی اور انگریزی پڑھی ہے۔ لیکن مڈل پاس نہیں کر سکی۔"

امیرزادہ:۔ "اچھا! یہ پڑھو۔ کیا لکھا ہے۔"

یہ کہکر ایک انگریزی کتاب اس کے سامنے رکھ دی۔

کدمبنی پڑھنے لگی

Tell me what is your intention?

امیرزادہ:۔ "واہ واہ! تم تو مزے سے انگریزی پڑھ لیتی ہو۔ اچھا اسے تو پڑھو۔"

کہکر ایک ہندی کتاب اس کے ہاتھ میں دی۔ اسے لے کر کدمبنی نے کہا۔ واہ! واہ! یہ تو تلسی کرت راماین ہے۔ اسے میں نے کئی بار پڑھا ہے۔ بتلائیے۔ کہاں سے پڑھوں۔

امیرزادہ "جہاں سے تمہارا جی چاہے"

کدمبنی راماین پڑھنے لگی۔ اور امیرزادہ پیار سے چکور کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک نوکر نے آکر سلام کیا اور کہا۔ بابوجی۔ رسوئی تیار ہے۔

اچھا آتے ہیں۔ یہ کہکر نوکر کو ٹال دیا۔ پھر کدمبنی سے کہا۔ چلو۔ ہمیں کھانا کھلادو۔ کدمبنی کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ وہ رسوئی گھر میں گئی۔ اور بڑے پریم کے ساتھ امیرزادے کو کھانا پروسا۔

ادھر امیرزادہ کھانا کھاکر فارغ ہؤا۔ اُدھر کدمبنی نے کھانا کھایا۔ پھر اُسی کمرے میں چلی آئی۔ امیرزادے نے کدمبنی سے پان کی فرمائش کی۔ کدمبنی نے پاندان لیکر اپنے ہاتھ سے پان لگایا۔ اور امیرزادے کو کھلایا۔ پھر آپ کھایا۔

تمام دن آرام سے کٹا۔ شام کو بڑھیا کی ماں آئی۔ اور کدمبنی کو لے گئی۔ کدمبنی نے گھر پہونچ کر اپنی بہن اور بھاوج سے اس روز کا سارا حال کہہ سنایا۔ اور اس کی بہت تعریف کرنے لگی۔ جسے سن کر سب خوش ہو گئیں۔

پچیسواں باب

"اماوس کی اندھیری رات تھی۔ آسمان پر ستاروں کے بے شمار چراغ ٹمٹما رہے تھے مگر ان کی روشنی اس قدر دھندلی تھی۔ کہ اس خوفناک تاریکی پر غالب نہیں آسکتی تھی رات بہت بھیگ چکی تھی۔ یکایک بھیروں پرشاد کے مکان کا دروازہ کھٹکا۔ اُس قدر وقت گذرنے پر بھی دونوں ماں بیٹیاں جاگتی تھیں۔ للتا نے اوپر سے پوچھا کون ہے؟

اس سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ کواڑ پھر کھٹکے۔ للتا دروازے کے پاس آئی اور بولی "کون ہے۔ نام بتلاؤ۔ تب دروازہ کھولوں گی۔"

اس پر کسی نے آہستہ سے کہا۔ للتا جلدی دروازہ کھول۔ میں تیرا بدنصیب بھائی بھیروں پرشاد ہوں۔

للتا نے گھبرا کر کہا "بھیا!"

بھیروں پرشاد نے باہر سے کہا۔ چپ! میں دیر تک باہر کھڑا نہیں رہ سکتا۔"

یہ سنتے ہی للتا نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ بھیروں پرشاد نے اندر گھستے ہی دروازہ بند کر دیا۔ للتا نے دھندلے چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں دیکھا۔ کہ ایک جٹادھاری سادھو سامنے کھڑا ہے۔

بھیروں پرشاد نے جا کر ماتا کو پرنام کیا۔ ماں نے بیٹے کو دیکھتے ہی اس کے گلے میں دونوں ہاتھ ڈال کر رونا شروع کر دیا۔

بھیروں پرشاد نے دونوں ہاتھوں سے بڑھیا کا منہ بند کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ "ماں! یہ کیا کرنے لگی ہو! چپ رہو۔ ورنہ میں گرفتار ہو جاؤں گا۔

بڑھیا نے کہا "بیٹا! بھیروں؟"
بھیروں پرشاد "چپ! چپ!! نہیں جانتی۔ کہ میں خونی ہوں۔ خونی کو پھانسی دلانا چاہتی ہے"

یہ سنکر بڑھیا چپ ہو گئی۔ بیٹے کے کاندھے پر اپنا سر رکھ رونے لگی۔ کچھ دیر بعد آنسو پونچھ کر بولی "بیٹا! اتنے دنوں تک کہاں رہا؟"
بھیروں پرشاد "ماں! یہ بڑا لمبا قصّہ ہے۔ تم اسی کو غنیمت سمجھو۔ کہ میں ابھی تک پولیس کے ہاتھوں سے بچا ہوا ہوں۔ میری شکل دیکھ کر تم خود سمجھ سکتی ہو۔ کہ میری کیا حالت ہے؟"
بڑھیا "بیٹا بھیروں پرشاد"
بھیروں پرشاد "اماں! چپ رہو۔ میں مدن موہن کا احسانمند ہوں۔ اُسی کی مدد سے آج تک زندہ ہوں۔ اتنی مدد مصیبت کے وقت حقیقی بھائی بھی نہیں کرتا۔ پہلے جب میں خون کا حال سن کر بھاگا تھا۔ تو میں نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائی تھیں۔ انہی دنوں میں مالتی سے بھی ملا تھا۔ اور اس بے چاری نے حتےّ الامکان میری مدد کی تھی۔ کچھ دن اس طرح کٹے۔ پھر مدن موہن سے یک بیک ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے بہت کچھ مدد کی"
بڑھیا "بیٹا! تو نے ایسا کام کیوں کیا"
بھیروں پرشاد "ماں! میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں نے خون نہیں کیا"
بڑھیا "تو پھر لوگ تجھے خونی کیوں کہتے ہیں؟"
بھیروں پرشاد "میں لوگوں کی زبان کیسے پکڑ سکتا ہوں۔ یہی تو ایک وجہ تھی میں گھر سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ورنہ بھاگنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔
بڑھیا "بیٹا! کتنے دنوں تک اسی طرح چھپا رہیگا۔

بھیروں پرشاد"۔ ماں! جب تک ایشور کی دیا نہیں ہوتی۔ میں اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا پا سکتا ہوں؟"

بڑھیا"۔ بیٹا! جب تو نے خون نہیں کیا۔ تو پھر کس نے کیا؟"

بھیروں پرشاد"۔ ماں! جس کمبخت نے یہ خون کیا ہے۔ وہ اس شہر میں نہیں رہتا اسی لئے میں اس کا نام اور رہنے کا مقام نہیں جانتا۔ ہاں! اتنا ضرور ہے۔ کہ اگر میں اُسے دیکھ پاؤں۔ تو فوراً پہچان لوں۔ میں رات دن اسی فکر میں ہوں۔ کہ کسی طرح وہ کمبخت پکڑا جائے"!

بڑھیا"۔ اور مالتی کا حال سُنا ہے؟"

بھیروں پرشاد"۔ ماں! سنا ہے۔ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ وہ سب کی سب نیک اور پارسا عورتیں ہیں۔ بدی کی طرف راغب نہ ہونگی۔ شاید پیٹ سے تنگ آکر اپنا گذارہ کرنے کے لئے کہیں چلی گئی ہیں۔ کیونکہ دیس چوری پردیس بھیکھ کا معاملہ ہے"

بڑھیا"۔ ہاں! یہی بات مدن موہن بھی کہتا تھا"

بھیروں پرشاد"۔ للتا! ذرا مدن موہن کو تو بلا لا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں"!

"جاتی ہوں! یہ کہکر للتا اٹھ کر چلی گئی۔ بھیروں پرشاد اس کے پیچھے پیچھے نیچے آیا۔ اور للتا کے جانے پر اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

مدن موہن دس پندرہ روز سے آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ چنبیلی اور بھیروں پرشاد کی ماں کی چٹھی سے انہیں یہاں کا سارا حال معلوم ہوگیا تھا۔ انہوں نے کاشی میں آکر ہرچند سدا منی اور ہر پرشاد وغیرہ کو ڈھونڈا۔ لیکن پتہ نہ ملا۔ شیو پرشاد کو جیل میں ملنے کے لئے گئے۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ وہ بریلی کے جیل میں کم عمر قیدیوں کو پڑھانے کیلئے بھیج دیا گیا ہے۔ زیادہ تر وہ بھیروں پرشاد کے گھر ہی آتے جاتے تھے۔ اور کہیں

ان کا آنا جانا نہ تھا۔

جب للتا مدن موہن کو بلانے کے لئے گئی تھی۔ اس وقت نو بجے تھے۔ اندھیری رات تھی۔ للتا کا جسم خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ اپنے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے بھائی کی آ گیا پالن کرنے کے لئے چلی جا رہی تھی۔

ادھر سے تو للتا مدن موہن کو بلانے کے لئے گئی۔ اور اُدھر مدن موہن کرتہ دھوتی سنبھالنے لگے۔ یہ دیکھ کر چنبیلی نے کہا۔ اب کدھر چلے؟

مدن موہن:۔ "ذرا للتا کے گھر ہو آؤں"۔

چنبیلی:۔ "کیا آج نہیں گئے تھے"۔

مدن موہن:۔ "صبح گیا تھا۔ لیکن اس وقت بھی جانے کو جی چاہتا ہے"۔

چنبیلی۔ (ناراض ہو کر) مجھے تمہاری عادتیں بالکل پسند نہیں ہیں"۔

یہ کہکر اس نے زبردستی مدن موہن کی گود میں بچے کو دے دیا۔ اور کہا۔ کہ اس وقت کہیں نہ جانے پاؤ گے۔

مدن موہن:۔ "میں نے بارہا تمہیں سمجھایا ہے۔ کہ بھیروں کی ماں اور بہن سے ڈاہ کرنا چھوڑ دو۔ لیکن تم مانتی ہی نہیں۔ کیا تمہیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ کہ سوا ہمارے ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں"۔

چنبیلی:۔ "تو تم سے اور ان لوگوں سے واسطہ؟"

مدن موہن:۔ "اور تم سے ہم سے واسطہ؟"

چنبیلی۔ (منہ پھیر کر) "مجھ سے تمہارا کیا واسطہ؟ اگر ایسا ہی ہے۔ تو مجھے چھوڑ دو اور للتا سے بیاہ کر لو"۔

اتنے ہی میں ایک نوکر نے آ کر کہا۔ للتا بی بی آئی ہیں۔

اگر مدن موہن گھر پر نہ ہوتے۔ تو چنبیلی للتا کو مار مار کر نکال دیتی۔ لیکن مدن موہن

کے سامنے وہ کیا کر سکتی تھی۔ للتا کی آمد سنکر چنبیلی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پھنکارنے لگی۔ اور غصہ میں بھر کر کہنے لگی۔ لو! تمہیں جانے میں دیر ہوئی تو گھبرا کر وہ بے چاری خود ہی آپہونچی۔

مدن موہن نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ بچے کو گود سے اتار کر فوراً نیچے چلے گئے۔ چنبیلی جل کر کباب ہو گئی۔ اس نے بچے کو پلنگ پر سُلا دیا۔ اور خود چھت پر ٹہلنے لگی مدن موہن نے للتا کو دیکھتے ہی پوچھا "کیا ہے للتا۔ اس اندھیری رات میں اس وقت اکیلی کیوں آئیں۔ خیر تو ہے نا؟

للتا " ماں آپ کو بلاتی ہیں "

مدن موہن " کیوں کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟ "

للتا " کچھ نہیں۔ آپ ابھی میرے ساتھ چلئے "

مدن موہن " چلو! "

یہ کہکر مدن موہن للتا کے پیچھے ہو لئے۔ جب دونوں اندھیری گلی میں گھسے۔ تو مدن موہن نے للتا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ للتا! بڑی اندھیری گلی ہے۔

مدن موہن کے ہاتھ پکڑتے ہی للتا کے جسم میں ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ اور اُس کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ مدن موہن نے سمجھا کہ یہ اندھیرے میں ڈرتی ہے۔ للتا سے کہا۔ کیوں ڈرتی کیوں ہو۔ تمہارا ہاتھ تو میں نے پکڑ رکھا ہے۔

للتا کچھ نہ بولی۔

تھوڑی سی دیر میں دونوں گھر کے دروازے پر پہونچے۔ اور للتا نے دروازہ کھٹکھٹایا بھیروں پرشاد نے اندر سے آواز دی " کون؟ "

" میں ہوں۔ للتا "

بھیروں پرشاد نے للتا کی آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا۔ للتا مدن موہن کو

پہلے تو اُس شخص نے شراب کی بوتل نکالی۔ آپ پی اور پتی کو پلائی۔ پھر دونوں نے خوب مزے لوٹے۔ اور شکایت و شکوے کے دفتر کھلے۔

اجنبی بولا۔ تم برابر مجھ سے یہی کہتی ہو۔ کہ میں گھنشام کیا۔ کسی سے بھی تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں سے گھنشام کو تمہارے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔

پتی نے جواب دیا۔ تمہارا خیال غلط ہے۔ میں ہزار بار کہہ چکی ہوں۔ کہ جبتک تم مجھے کسی کے ساتھ گرفتار نہ کرلو میں قائل نہیں ہو سکتی۔

یہ جواب سنکر وہ اجنبی اچھا! اچھا!! کہتا ہُوا وہاں سے اٹھ کھڑا ہُوا۔ اور اُس کے اٹھتے ہی میں اپنے گھر چلا آیا۔

اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ میں غصے کی وجہ سے ایک ہفتہ تک اس کے گھر نہ گیا۔ مگر پھر اس کی موہنی صورت کا خیال دل کو ستانے لگا۔ حُسن نے کشش کی۔ اور عشق پا بہ زنجیر پھر اس کے گھر کی جانب لے گیا۔ جب میں اس کے گھر پہونچا۔ تو اس نے میری بہت خاطر تواضع کی۔ اور اتنے دن غائب رہنے کا سبب پوچھا۔ میرا دل اُسے دیکھتے ہی موم ہو گیا۔ شکایت تو کجا میں نے ہی اس سے معافی مانگی۔ اور بہانہ کیا کہ بیمار تھا نہ آسکا۔ آخر ۹ بجے کے قریب گھر واپس آیا۔ آتے ہوئے جب گھنشام کے مکان کے نیچے سے گذرا تو دیکھا۔ کہ وہ کمند کے ذریعے سے نیچے اتر رہا ہے۔ میں ایک طرف کو ہو گیا۔ وہ گلی میں اُتر کر سیدھا پتی کے پاس پہونچا۔ اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ میں بھی پھر اسی طرف واپس لوٹ آیا۔ اور سوراخ سے اندر کا تماشہ دیکھنے لگا۔

آج تماشہ ہی نیا تھا۔ گھنشام پتی کے پاؤں پر پڑا ہُوا ناک رگڑ رہا تھا۔ اور پتی بار بار اُسے ٹھکرا کر جلی کٹی باتیں سنا رہی تھی۔ آخر گھنشام کی خوشامد سے وہ

قدرے نرم ہوئی تیوریاں چڑھا کر بولی۔ کہ جب تم شادی ہی کرتے ہو۔ تو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِس پر گھنشام نے اقرار کیا۔ کہ میں شادی نہ کروں گا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے رومال میں لپٹی ہوئی چمپا کلی نکالی۔ اور پتی کے گلے میں پہنادی پتی چمپا کلی دیکھتے ہی خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ اور گھنشام سے لپٹ گئی۔

اتنے میں کئی آدمی ننگی تلواریں لئے ہوئے نہ معلوم کدھر سے اُس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ اور اُن سب کے آگے وہی شخص تھا جسے میں نے ایک دن پتی کے پاس پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس اجنبی شخص نے پتی کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پتی! اب بتلا کیا سزا دوں۔ آج تو پکڑی گئی ہے۔ یہ کہکر اس نے ایک شخص کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھا۔ اور گھنشام کی مشکیں کس لیں۔ اس کے منہ میں پھٹے پُرانے کپڑے بھر دئیے۔ ادھر تو یہ حال تھا۔ اور اُدھر بنی دوکان بڑھا کر بھولا آپہنچا۔ اُسکی آہٹ پاکر میں ایک طرف دبک رہا۔ بھولا نے باہر کا دروازہ بند کیا۔ اور صحن کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازہ کھُلا۔ بھولا اندر گیا۔ اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔ میں پھر وہیں آپہنچا۔ اور سوراخ میں آنکھ لگا کر دیکھنے لگا۔ میرے دیکھتے دیکھتے بھولا کا سر اڑا دیا گیا۔ بے سر کی لاش زمین پر آرہی۔ اور تڑپنے لگی۔ وہی خونی آگے بڑھا۔ اور اس نے لاش کے تین ٹکڑے کر دئیے۔ میں یہ حالت دیکھ کر وہاں سے بھاگا۔ لیکن پیچھے سے مجھے آہٹ سنائی دی۔ میں اور بھی گھبرایا۔ اور ایک طرف کو دبک رہا۔ وہی خونی جس نے بھولا کو قتل کیا تھا۔ تلوار اور کمند لئے ہوئے آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے چار ڈاکو اور آئے۔ دو کے سر پر تو دو بڑی بڑی گٹھڑیاں تھیں۔ اور دو خالی ہاتھ تھے۔ وہ لوگ گھنشام کے نیچے پہونچے۔ کمند ڈال کر ایک اوپر گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آگیا۔ اور کمند اتار کر سب لوگ وہاں سے راہی ہوئے۔

مدن موہن :- "بھئی کہانی تو مزیدار ہے۔ ہاں تو یہی سبب تمہارے بھاگنے کا ہؤا"

بھیروں پرشاد :- میں گھر آیا۔ میرا کلیجہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ محلے والے چونکہ پتی کے گھر میری آمد و رفت سے آگاہ ہیں۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ میں ہی پکڑا جاؤں۔ اس خیال سے میں روپے پیسے لے کر کہیں چھپ رہا۔ اور آخر جو میں نے سوچا تھا۔ وہی ہؤا۔ بھولا کے خون کا الزام میرے سر منڈھا گیا۔ اب بتلاؤ۔ میں کیا کروں

مدن موہن :- "اچھا۔ ذرا سوچ سمجھ کر خونی کا حُلیہ تو لکھوا دو"

یہ کہہ کر انہوں نے پاکٹ بُک جیب سے نکالی۔ اور لکھنے کے لئے تیار ہوئے۔ بھیروں پرشاد نے خوب سوچ سوچ کر اُس خونی ڈاکو کا حلیہ لکھوایا۔ مدن موہن لکھتے جاتے تھے۔ اور ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا وہ اسے پہچانتے ہیں۔ لیکن اُس وقت انہوں نے بھیروں پرشاد سے کچھ نہ کہا۔

مدن موہن اور بھیروں پرشاد تو تنہائی میں رہے۔ ادھر دونوں ماں بیٹیاں کھانا کھانے میں مصروف تھیں۔ جب دونوں بات چیت سے فارغ ہوئے۔ تو بڑے پریم سے دونوں نے کھانا کھایا۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اس لئے بھیروں پرشاد اور مدن موہن جلد ہی وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ للتا دروازے تک چھوڑنے آئی۔

چھبیسواں باب

چنبیلی جب تک میکے میں رہی۔ برابر کمل کشور سے ملتی رہی۔ اب وہ مدن موہن کے پاس رہتی تھی۔ اس لئے ملاقات کی کوئی صورت نہ رہی۔ آخر ایک دائی کو لالچ دیکر اُس کے ذریعہ کمل کشور کے پاس خط وغیرہ بھیجنے شروع کئے۔ اور لکھ بھیجا۔ کہ ہمارے مکان کے پیچھے ایک مکان خالی پڑا ہے۔ اُسے کرائے پر لے لیجئے۔

کمل کشور نے اگلے روز ہی مکان کرائے پر لے لیا۔ اور رہنے سہنے لگا۔ جب موقعہ ملتا۔ چنبیلی چھت کی دیوار پھاند کر اس کے پاس جا پہنچتی۔ اور بعض دفعہ وہ خود بھی آجاتا تھا۔

مدن موہن آج چنبیلی کی خلاف مرضی گھر سے چلے گئے تھے۔ اور وہ اوپر چھت پر ٹہل رہی تھی۔ کہ اتفاقاً کمل کشور بھی چھت پر آ پہنچا۔ اور چنبیلی کو چھت پر ٹہلتے ہوئے دیکھ کر اس نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ سیٹی کی آواز سنتے ہی چنبیلی نے چھت کا دروازہ بند کر لیا۔ تاکہ اوپر کوئی نہ آسکے۔ پھر اشارے سے کمل کشور کو بلایا۔ وہ فوراً بیچ کی دیوار پھاند کر آ پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ چنبیلی! تمہارے حُسن جہانسوز نے مجھے جلا کر راکھ کر ڈالا ہے آہ! معلوم نہیں۔ تمہیں میری محبّت کا یقین کیسے آئے گا۔

کمل کشور کی بات چنبیلی کے دل میں تیر کی طرح چُبھ گئی۔ مدن موہن سے تو وہ پہلے ہی برگشتہ ہو رہی تھی۔ کمل کشور کو اپنے حُسن پر اس طرح دیوانہ وار فدا ہوتے دیکھ کر آنسو بہاتے ہوئے بولی۔ پیارے کیا سچ مچ تم مجھ سے محبّت کرتے ہو۔

کمل کشور نے ہزاروں بار قسمیں کھائیں۔ پھر بھی یقین نہ آیا۔ اگر موت کا ڈر نہ ہوتا تو کلیجہ

پھاڑ کر دکھا دیتا۔"

چنبیلی: "پیارے! میں تمہاری محبت کا سچا ثبوت چاہتی ہوں۔"

کمل کشور: "میں ثبوت دینے کے لئے تیار ہوں۔ بتاؤ۔ کیا ثبوت دوں۔"

چنبیلی: "تمہاری شادی ابھی ہوئی ہے یا نہیں۔"

کمل کشور: "نہیں۔ ابھی نہیں ہوئی۔ اب تمہارے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گا۔"

چنبیلی: "تو میں واقعی خوش نصیب ہوں۔ کہ تمہارے جیسا چاہنے والا مجھے مل گیا۔ میرا دل ان کی طرف سے ہٹ گیا ہے۔ اور چونکہ وہ کسی دوسرے کے فراق میں مرتے ہیں۔ اس لئے مجھے بھی اپنی مرضی کے موافق کوئی مرد ڈھونڈھنا چاہئے۔ اور جب ہم دونوں کی ملاقات ہو گئی ہے۔ تو پھر کیوں نہ تمہاری ہی لونڈی بن کر رہوں۔"

کمل کشور: "زہے قسمت۔ زہے نصیب کہ آخر تمہارا دل بھی گرمئے محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اور مجھے اپنی خدمت میں لے کر سرفراز کیا۔ میں بھی دل و جان سے تمہاری دلجوئی کرتا رہوں گا۔"

چنبیلی: "میں مانتی ہوں۔ کہ آپ دلجوئی کرتے رہیں گے۔ لیکن پھر بھی اگر آپ میری دلجمعی کے لئے ایک سادے کاغذ پر اپنی تمام جائداد میرے نام لکھ دیں۔ تو میں آپ کی لونڈی ہوں۔ اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہونگی۔"

کمل کشور: (جیب سے دستاویز نکال کر) "یہ لو! تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔ اپنی تمام جائداد تمہارے نام منتقل کر دی ہے۔ اب تم میری جان اور مال دونوں کی مالک ہو اس سے بڑھ کر تمہاری دلجمعی کیا ہو سکتی ہے۔"

چنبیلی نے وہ دستاویز کمل کشور کے ہاتھ سے لے لی۔ اور اس کے گلے سے لپٹ کر بولی۔ سچ سچ آپ مجھے جی جان سے پیار کرتے ہیں۔ اب میں بھی مرتے دم تک آپ ہی کا دم بھروں گی۔ جہاں کہوگے چلونگی۔

کمل کشور دل ہی دل میں خوش ہوا کہ وار چل گیا۔ اسی وقت وہاں سے بھاگ چلنے کا ارادہ کیا۔ چنبیلی تو پہلے ہی سے تیار بیٹھی تھی۔ اس نے ایک چٹھی لکھ کر پلنگ پر رکھ دی اور جان سے پیارے بچے کو وہیں چھوڑا۔ دیوار پھاند کر کمل کشور کے گھر کی چھت پر آ دو گئی۔ کمل کشور نے نوکر کو حکم دیا کہ گاڑی تیار کرو۔ فوراً گاڑی تیار ہو گئی۔ کمل کشور اور چنبیلی دونوں گاڑی پر سوار ہوئے۔ گاڑی ریلوے اسٹیشن پر پہنچی۔ تو لکھنؤ کی ٹرین تیار ملی۔ اس نے دو سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ لئے۔ ٹرین میں بیٹھا اور کوچ کیا۔ ٹرین چلی۔ لیکن چنبیلی بے قرار ہو رہی تھی اس کے دل میں خیالات کی ترنگیں اٹھنے لگیں۔ اور آخر جب بے چین ہو گئی۔ تو کمل کشور سے کہنے لگی پیارے! میں اگلے اسٹیشن سے اتر کر واپس چلی جاؤں گی۔ کیونکہ میں بہت بے چین ہو رہی ہوں اور میرا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔

کمل کشور جس ڈبے میں بیٹھا تھا اس میں کوئی دوسرا مسافر نہ تھا اس لئے اس نے چنبیلی کو گلے سے لگا کر کہا۔ گھبرا کیوں رہی ہو ذرا دل کو تسلی دو۔ دیکھو ٹرین رات کے سناٹے میں کس تیزی سے منزل پر طے کرتی ہوئی جا رہی ہے۔ لیکن چنبیلی ان باتوں میں کب آنے والی تھی۔ جونہی ٹرین گیا اسٹیشن [illegible] ہو کر کھڑی ہوئی۔ اور بولی بس! بس! میں اسی اسٹیشن پر اتر دوں گی۔ [illegible] چنبیلی [illegible] عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ اس اندھیری [illegible] لیا [illegible] ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ اسی اسٹیشن پر ایک عورت [illegible] سے اسے لوٹ لیا اور مار کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ اگر تم واپس جانا ہی چاہتی ہو تو صبح ہوتے فیض آباد سے دوسری گاڑی میں سوار کرا کے ہم تمہیں واپس لے آئیں گے۔

چنبیلی بدحواس ہو کر ایک سیٹ پر پڑ گئی۔ اور بولی۔ میری جان نکلی جاتی ہے اگر پانی ہو تو پلاؤ۔ کمل کشور نے بکس کھولا۔ اس میں سے گلاس نکالا۔ اور پانی کے ساتھ شراب ملا کر چنبیلی کو دی وہ دو تین ہی گھونٹ میں تمام گلاس حلق میں اتار گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد پھر پانی پانی پکارنے لگی۔ کمل کشور نے پھر ویسے ہی کیا۔ وہ بیچاری بیہوش ہو گئی۔ اور اس کمبخت نے حالت بیہوشی میں

میں ہی اس کا دامن عصمت چاک کر ڈالا۔ جب چنبیلی و کملی کشور یں مکان کی چھت پر باتیں کر رہی تھیں۔ تو وہی دائی جو ان کی پوشیدہ راہ و رسم سے واقف تھی۔ سیڑھیوں پر کھڑی ہوئی اُن کی سب باتیں سن رہی تھی۔ اور جب وہ دونوں دیوار پھاند کر بھاگ گئے تو دائی نے چھت کے روازہ کے کواڑ اتار کر وہ خط جو چنبیلی لکھ کر پلنگ پر چھوڑ گئی تھی اٹھا لیا اور چونکہ وہ تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ اسلئے خط پڑھنا شروع کیا خط پڑھ کر گھبرائی لیکن پھر تریا چرتر کے کرشمے دکھلانے پر اتر آئی نیچے جا کر آہستہ سے صدر دروازہ کھول دیا اور پھر آ کر نیچے تو کبھی چنگاڑ یا کبھی چلانے ہی پیٹنے لگی۔ پھر نوکروں چاکروں کو جگا کر شور مچا دیا۔ کہ بی بی جی کا گھر بھر میں پتہ نہیں نہ معلوم کہ چلی گئیں۔ نوکر یہ الفاظ سنتے ہی سناٹے میں آ گئے اور جس کا جدھر سینگ سمایا وہ ادھر ہی چنبیلی کو ڈھونڈھنے کے لئے بھاگ کھڑا ہوا لیکن تھوڑی ہی دیر میں سب ناکام واپس آ گئے

چنبیلی تو بنارس سے روانہ ہو چکی تھی۔ اب کہاں سے مل سکتی تھی۔

اتنے میں من موہن بھی گھر پر آ پہنچے۔ انہوں نے سب نوکروں کو روتے پایا۔ سبب پوچھا مگر کسی نے کچھ نہ بتلایا اُسی دائی نے آگے بڑھ کر چنبیلی کا خط من موہن کے ہاتھ میں دے دیا جسے پڑھ کر وہ ایسا چکر کھا کر گرے کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ چنبیلی کی چٹھی کا مضمون یہ تھا۔

میرے شوہر!

تمہاری چالاکی مجھ جیسی بہن قابل اور پڑھی لکھی عورت کے سامنے نہیں چل سکتی میں دیکھتی [illegible] للتا سے [illegible] کرتے ہو اور اس سے شادی کرنے کی [illegible]

[illegible] مجھے طلاق دیتی ہوں تم للتا سے ہی بیاہ کر لو [illegible]

[illegible] خود ہی اس گھر سے نکل جا رہی ہوں [illegible]

[illegible] کیونکہ میری [illegible] شوہر سے [illegible]

[illegible]

[illegible]

مدن موہن جب ہوش میں آئے۔ تو اپنا ماتھا پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہہ نکلی۔ پھر انہوں نے اپنے بچے کو کلیجے سے لگا لیا۔ بچہ اور بھی رونے لگا۔ اور آخر روتے روتے بے دم ہو گیا۔ نوکر اسی وقت بھیروں پرشاد کے مکان پر دوڑے گئے۔ اور کل حال بھیروں پرشاد کی ماں کو کہہ سنایا۔ للتا نوکروں کے ساتھ مدن موہن کے گھر آئی۔ اور ان کے سامنے جا کر بولی۔ لاؤ بچے کو مجھے دو۔

مدن موہن نے للتا کو دیکھتے ہی بچہ اس کے حوالے کیا۔ بچہ اس کی گود میں جاتے ہی چپ ہو گیا۔ مدن موہن نے چنبیلی کا خط للتا کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ للتا! آج سے یہ بچہ تمہارا ہے۔ اگر یہ میری گود میں مر بھی جاتا۔ تو بھی میں کسی کو نہ دیتا۔ کیونکہ دنیا میں اب تمہارے سوا مجھے کسی پر اعتبار نہیں ہے۔

للتا نے خط پڑھا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔ مدن موہن نے اس سے کہا۔ جاؤ! بچے کو اپنے گھر لے جاؤ۔ ابھی میں کچھ دنوں کے لیے باہر جانا چاہتا ہوں۔ للتا بچے کو لے کر نوکروں کے ہمراہ گھر واپس چلی گئی۔ اور مدن موہن اسی روز شام کی گاڑی کے لیے اسٹیشن کی طرف پیدل چل کھڑے ہوئے۔

تیسرا باب

کہ خبر نہیں۔ اور اگر سدامنی وغیرہ ان کے لینے سے انکار کرتیں۔ تو بھی لانے والا آدمی چیزیں پٹک کر اور مسکرا کر چل دیتا۔ عجب تماشہ تھا۔ گویا جادو کا کھیل ہو رہا تھا آخر سب کی سب اسی نتیجے پر پہنچیں۔ کہ یہ سب کام رائے صاحب کا ہے۔ یہ سوچ کر ایک دن سدامنی نے کدمبنی سے کہا کہ بی بی کدمبنی! تو میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر رائے صاحب سے کہیو۔ کہ وہ کرپا کریں۔ اور ہمیں ہمارے ہی حال پہ چھوڑ دیں یہاں پر کوئی چیز نہ بھیجا کریں۔

یہی بات اگلے روز کدمبنی نے رائے صاحب سے کہی۔ انہوں نے سنتے ہی اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ میں تو تمہارے گھر کچھ نہیں بھیجتا۔

کدمبنی نے جیسا سنا تھا۔ شام کو گھر آ کر کہا۔ سب کی سب حیران ہو گئیں کہ آخر یہ کس کی کرتوت ہے۔ جب کچھ پتہ نہ چلا۔ تو مالتی کہنے لگی۔ بی بی جی! ہم لوگوں پر دیا کر کے یہ سب سامان بھگوان ہی دے جاتے ہیں۔ سدامنی نے جواب دیا۔ بیشک دینے والے تو بھگوان ہی ہیں۔ لیکن بھیجنے والے رائے صاحب ہی معلوم ہوتے ہیں آخر کچھ سوچ سمجھ کر سدامنی نے کدمبنی سے کہا کہ رائے صاحب سے کہہ دینا کہ اگر [illegible] چیزیں [illegible] بھیجنے سے باز نہیں [illegible] تو [illegible] مجھے [illegible] گھر نہ [illegible] ہی نوکری کرنے والی ہے۔

کدمبنی نے اپنی بہن کا پیغام رائے صاحب کو پہنچا دیا۔ کہ میری جی جی کہتی ہیں کہ اگر آپ اسی طرح اور چیزیں بھیجتے رہیں گے۔ تو میں کدمبنی کو آپ کے پاس نہ رہنے دوں گی۔

یہ سنکر رائے صاحب نے کدمبنی کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس کرسی پر بٹھا لیا اور ہنس کر کہنے لگے۔ گھبراؤ نہیں۔ تمہاری جی جی کو ہم سمجھا دیں گے۔

کدمبنی۔ نہیں نہیں!! آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ اور ان تمام چیزوں کا بھیجنا ایک دم

بند کر دیں۔ نہیں تو جی جی مجھے نہ آنے دینگی"۔

رائے صاحب۔ کون کمبخت کوئی چیز تمہارے گھر بھیجتا ہے۔ کدمبنی! تم اور تمہاری جی جی دونوں پاگل ہو"۔

کدمبنی"۔ نہیں! پاگل نہیں ہیں۔ جو ہر روز چیزیں بھیجتا ہے۔ وہی پاگل ہے۔ آپ اسے سمجھا دیں۔ کہ آگے سے کوئی چیز نہ بھیجا کرے۔ ورنہ جی جی مجھے یہاں آنے نہ دینگی۔ اور آپ کے منہ سے بھی نہ سُنیں گی"۔

رائے صاحب! اخاہ اتنا غصہ! خیر تمہاری جی جی ہم پر خفا ہوئیں تو ہوئیں لیکن تم تو ناراض نہیں ہونا؟

اس کا جواب کدمبنی نے کچھ نہ دیا۔

اچھا! تم یہاں بیٹھ کر اس کتاب کو پڑھو۔ میں آتا ہوں۔ یہ کہکر رائے صاحب اٹھا ہی چاہتے تھے۔ کہ کدمبنی نے کہا۔ اگر آپ کے ہاں کوئی کام کاج نہیں۔ تو مفت کی تنخواہ دینے سے کیا فائدہ؟ میں اپنے گھر چلی جاتی ہوں۔

کون کہتا ہے۔ کہ کام کاج نہیں ہے۔

یہ کہکر رائے صاحب نے اخبارات اور کتابیں کمرے میں بکھیر دیں۔ اور کدمبنی سے کہا۔ کہ انہیں ترتیب وار رکھو۔ کیوں کام پایا یا نہیں؟

یہ تماشا دیکھ کر کدمبنی کرسی سے اُٹھی۔ اور کتابوں کو اٹھا اٹھا کر میز پر باترتیب سجا کر رکھنے لگی۔ رائے صاحب اس عرصے میں ایک چٹھی لکھنے لگے۔ چٹھی کا مضمون یہ تھا۔

شریف زادیو!

میں نے تمہارا سب حال کدمبنی کی زبانی سنا ہے۔ اور مجھے تم لوگوں سے کچھ ہمدردی سی ہوگئی ہے۔ تم نہیں جانتیں۔ کہ میں کون ہوں۔ میرا اصلی نام کرشن کشور ہے

اور میں گوونگی ... کہ راجہ کا چھوٹا لڑکا ہوں۔ [illegible]
مشہور کر رکھا ہے۔

نہیں معلوم وہ کونسی گھڑی تھی۔ جب میں نے موشیلا کنری کو گنگناتے گھر میں برتن صاف کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا دل اسی روز سے اس کی طرف کھنچ گیا ہے۔ اگر تم میری اس بات قبول نہیں کرتیں۔ تو جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ کامنی سے میری شادی [illegible] قبول کریں [illegible] جواب ضرور دینا۔

راجہ

کرشن کشور

جب خط ختم ہوا۔ تو لفافہ پر پتہ لکھ کر [illegible] کے لئے خود ہی ڈاکخانہ تک گئے۔

وہ خط شام کے وقت مالتی کو ملا۔ غریب بیماری کی وجہ سے کھاٹ پر پڑی تھی کامنی نے خط کھولا۔ اور پڑھ کر اُسے سنایا۔ مالتی کے سوکھے منہ پر تازگی آگئی۔ اور وہ مسکرا کر کامنی سے کہنے لگی۔ کہ دیکھو بی بی جی! اس وقت ہماری مدد کوئی نہیں کرتا تو کیا ہوا بھگوان تو ہے۔

کامنی نے بھابی جی! یہ کون جانتا تھا۔ کہ کامنی کا بیاہ راج کمار سے ہوگا۔

جس وقت یہ چٹھی آئی تھی۔ اُس وقت مدامنی گھر پر نہ تھی۔ شہر میں ناتھ کے ہاں کام پر گئی ہوئی تھی۔ جب وہ کام سے لوٹ کر واپس آئی۔ تو اُس نے کرشن کشور کے خط کو پڑھا۔ اُس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ بار بار راجے صاحب کے ہی گیت گانے لگی۔

رات کو سب نے مل کر کھانا کھایا۔ اور دن بھر کی تھکی ماندی آرام کرنے کے لئے لیٹ گئیں۔ اور تو سب فوراً ہی نیند سے مدہوش ہو گئیں۔ لیکن وہ بیا مالتی کروٹیں

[illegible] سا مالتی جو بیٹھی ہوئی تھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بیٹھے بیٹھے صحن میں جا کر آہستہ سے بولی کون ہے؟

باہر سے آواز آئی۔

مالتی دروازہ کھول۔ میں تیرا بدنصیب بھائی بھیروں پرشاد ہوں۔

مالتی کی جان میں جان آئی۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔

بھیروں پرشاد صحن میں آ کر کہنے لگے۔

"مالتی میں نے بڑی مشکلوں سے آج تیرا پتہ پایا ہے۔ ہائے بہن! آج ہم لوگوں کی قسمت میں یہ دن لکھے تھے۔ مالتی! تو تو سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔ کیا بیمار تھی؟

مالتی:۔ بھیا! تم بھی تو اتنے دُبلے ہو گئے ہو کہ پہچانے نہیں جاتے۔ ہائے! بہن اور بھائی کی ایک ہی حالت ہے۔ یہ کہکر مالتی رونے لگی۔

بھیروں پرشاد اُسے تسلی دیتے ہوئے بولے کہ بہن! رو مت نہیں تو میں بھی رونے لگوں گا۔ چندے صبر کر۔ مدن موہن اُس خونی کی تلاش میں ہیں۔ یقین ہے کہ سراغ مل جائے گا۔ جب میں بے قصور ثابت ہو جاؤں گا تو حتی الوسع تمہیں ان تکالیف سے بچانے کی کوشش کروں گا۔

مالتی:۔ "نارائن کرے۔ تم اس بلا سے جلد چھٹکارا پاؤ۔ کیوں بھیا! میں نے سنا ہے کہ چنبیلی کہیں نکل بھاگی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

بھیروں پرشاد:۔ ہاں! سچ ہے۔ اس کمبخت کا اب نام نہ لو۔ ایشور اُسے غارت کرے۔ بے حیا نے خاندان کی ناک کٹوا ڈالی۔ ہاں! یہ تو کہو کہ بہاری پرشاد وغیرہ کا کچھ پتہ لگا یا نہیں۔"

مالتی:۔ "کون پتہ لگائے؟"

بھیروں پرشاد:۔ "اچھا! مجھے اس بلا سے چھٹکارا مل جائے تو میں پتہ لگاؤں گا

اُمید ہے۔ کہ ڈھونڈھ لاؤں گا۔"

مالتی "خونی کا کچھ پتہ لگا؟"

بھیروں پرشاد "ہاں لگا۔ وہ کمبخت آج کل یہیں ہے۔ اُس نے اپنا نام یہاں پہ رائے گوبند سہائے مشہور کر رکھا ہے۔ لیکن دراصل وہ گورکھپور کے راجہ کا لڑکا ہے۔ اور اس کا اصلی نام کرشن کشور ہے۔"

یہ سُنتے ہی مالتی کے سر میں چکر آنے لگے۔ اس نے بھیروں پرشاد سے کہا۔ کہ تم جاؤ مجھے چکر آ رہے ہیں۔ میں اوپر جانا چاہتی ہوں۔

اچھا! میں جاتا ہوں۔

یہ کہکر بھیروں پرشاد وہاں سے چل دیا۔ اور مالتی نے اندر سے دروازہ بند کر لیا پھر اوپر جا کر سو رہی۔

اٹھائیسواں باب

سدامنی شری ناتھ کے ہاں سوشیلا کے نام سے رہتی تھی۔ تاہم شری ناتھ اُسکی اس چالاکی سے واقف تھا۔ اُس نے آہستہ آہستہ سوشیلا سے مذاق دل لگی کرنا شروع کی۔ مگر وہ اُس کی باتوں پر دھیان نہ دیتی تھی۔ جب شری ناتھ نے دیکھا۔ کہ یہ کچھ نہیں بولتی۔ تو اشارہ بازی سے کام لینے لگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کمل کشور کو بھی اطلاع بھیج دی۔ کہ چڑیا جال میں پھنس گئی ہے۔ اور اب اس کا بچ نکلنا محال ہے۔

یہ خبر سنتے ہی کمل کشور بھی شری ناتھ سے آملا۔ اور سوشیلا پر یہ ظاہر کیا۔ کہ

میں شری ناتھ کا چچازاد بھائی ہوں۔ اور اس لحاظ سے اُس نے رنڈی کو بھاوج کہکر پکارنا شروع کیا۔

شری ناتھ کمل کشور کو تنہائی میں لے جا کر کہنے لگا۔ کہ بھائی کمل کشور! ہماری خوش قسمتی کی کونپلیں اب پھوٹ نکلی ہیں ہنسی مذاق کی حد تک جا پہنچا ہوں۔

کمل کشور:۔ بس! ابھی تک ہنسی مذاق کی حد تک ہی پہونچے ہو۔ بڑھے چلو۔ ٹھہرتے کیوں ہو"

شری ناتھ:۔ بھائی مجبوراً ٹھہرنا پڑا۔ لیکن اس انتظار میں خوب آتا ہے"

کمل کشور:۔ ارے یار! تم تو بیچ بیچ گدھے نکلے۔ ایک بیکس اور نادار لڑکی پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ افسوس، صد افسوس!!"

شری ناتھ:۔ بھائی بات یہ ہے۔ کہ جور و ظلم ہمیں پسند نہیں۔ اور زبردستی میں مزہ بھی نہیں آتا"

کمل کشور:۔ جور و ظلم کی بھی ایک ہی کہی۔ دیکھنا۔ ہم آج ہی اس کلی کا رس چوسینگے"

تیسرے پہر کے وقت شری ناتھ کی بیوی نے سوشیلا کو باغیچے سے پھول لانے کے لئے بھیجا۔

سوشیلا پھول توڑنے کے لئے باغ میں پہنچی۔ وہاں کمل کشور پہلے ہی سے موجود تھا۔ سوشیلا نے اُسے دیکھ کر سر کا کپڑا برابر کر لیا۔ اور دوسری روش پر چلی گئی لیکن کمل کشور نے اسے پیچھے سے پکار کر کہا۔ سوشیلا! ادھر تو آنا۔۔

کمل کشور کی آواز سن کر سوشیلا واپس آ گئی۔ اور کہنے لگی۔ کیا آپ نے مجھے پکارا ہے۔

کمل کشور:۔ ہاں! تم تو بابو شنکر پرشاد کی لڑکی ہو نا؟ اور تمہارا ہی نام تو سد ہنی ہے نا؟"

یہ سُن کر سدا منی کانپ اٹھی۔ اور کمل کشور کے پاؤں پر سر رکھ کر رونے لگی۔
کمل کشور: نہیں نہیں بیٹی! ڈرو نہیں۔ کیوں ڈرتی ہو؟ ہم کسی سے تمہارا ذکر نہیں کرینگے اگرچہ کھتری ناتھ میرے بھائی ہیں۔ لیکن میں اُن سے بھی یہ راز نہ کہوں گا۔ مگر افسوس! ہمارے جیتے جی تم یہاں دائی نوکروں کا کام کرو۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

سدا منی یہ الفاظ سن کر گڑگڑا کر کہنے لگی۔ بابو جی! بڑی دیا ہوگی۔ اگر آپ بابو کھتری ناتھ [illegible] نہ کہیں گے۔

کمل کشور: [illegible] مجھ سے یہ صدمہ سہا نہیں جاتا۔ کہ تم ہماری آنکھوں کے سامنے اس گھر میں اونی باندیوں کا کام کرو۔"

سدا منی: آپ نے مجھے کیونکر پہچانا؟"

کمل کشور: ہم تمہیں ہی نہیں۔ بلکہ تمہارے گھر بھر کو پہچانتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ تمہارے پتا ہمارے پتا کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ اور ایک ہی آفس میں کام کرتے تھے۔ ہماری ماں جب ہم تین برس کے تھے قضا کر گئیں۔ ہم ننہال میں رہتے تھے۔ اور جب کبھی بنارس آتے تھے۔ تو تمہارے گھر بھی اکثر جاتے تھے۔ اب چونکہ پتا اور نانی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لئے دونوں کی جائداد کے ہم واحد مالک ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر روپیہ ہے۔ کہ جس کا کچھ حد و حساب نہیں۔ تم لوگ جو ہمارے قدیمی واقفکار ہی نہیں بلکہ رشتہ دار ہو۔ اس حالت بیکسی میں رہو۔ ہم سے تو یہ دیکھا نہیں جاتا۔ ہم جہاں تک ہو سکیگا۔ تم لوگوں کی مدد کرینگے۔"

سدا منی ان چکنی چپڑی باتوں میں آگئی۔ اور اس نے اپنی تمام مصیبت کا حال شروع سے آخر تک کمل کشور کو کہہ سنایا۔

کمل کشور نے ایک لمبی سانس لی۔ اور کہا۔ خیر جو ہُوا سو ہُوا۔ لیکن آج سے تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ کل سے تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی

بنا بھیروں بہن امینی لو کر [illegible]

بھائیوں کا بھی پتہ لگائیں گے۔ ہمارے ایک [illegible] گئے ہوئے ہیں۔ ان کو مہادیو اور شوناتھ کے بارے میں لکھ دیں گے۔ وہ ضرور تمہارے دونوں بھائیوں کا پتہ لگائینگے۔ بابو ہری پرشاد کے [illegible] ہندوستان کے کل ہندی۔ اردو۔ انگریزی اخباروں میں نوٹس نکلوا دینگے۔ تم صبر رکھو۔ تمہاری سب مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

سدا اسنی: "بھگوان آپ کا بھلا کریں۔ آپ بڑے دیاوان [illegible] جگدیشور نے ہماری امداد کے لیے ہی آپ کو یہاں بھیجا ہے۔ آپ [illegible] ضرور پتہ لگائے۔ ہم آپ کے احسان [illegible] نہ بھولیں گی۔ نوکری کے بارے میں جو آپ نے کہا ہے کہ چھوڑ دو۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ جب تک شیو پرشاد بھیا جی سے نہ آئیں۔ ہری پرشاد۔ وشوناتھ پرشاد اور مہادیو پرشاد ہماری خبر نہ لیں ہم محنت مزدوری سے ہی پیٹ پالیں گی۔"

کمل کشور: "اچھا اب تم جاؤ۔ اپنا کام کرو۔ کیونکہ اگر کوئی اور تمہاری ہماری گفتگو سن لیگا۔ تو اس کے دل میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہو جائینگے۔ جس دن تمہارے بھائیوں کی کچھ خبر ہمیں ملے گی۔ اسی روز ہم تمہیں اشارہ کر دینگے تم اشارہ پا کر رات کو ہمارے پاس اسی جگہ آنا۔ ہم تمہیں جو کچھ حال معلوم ہوگا۔ بتلا دینگے۔"

سدا اسنی: "بہت اچھا۔ لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے گھر چلے آئیں۔"

کمل کشور: "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تم سب کی سب نوجوان ہو۔ اور اگر ہم تمہارے گھر جائینگے۔ تو نا معلوم لوگ کیا خیال کریں گے مفت میں بدنامی ہوگی۔"

سدا اسنی: "بہت اچھا آپ جب اشارہ کرینگے۔ میں آپ کو یہیں ملونگی۔"

یہ کہکر سدا اسنی تو چلی گئی۔ شمبھوناتھ نے پیڑ کی آڑ سے نکل کر کمل کشور کی پیٹھ

ٹھونک کر کہا۔ واہ! اُستاد کمال کیا۔ سچ مچ پورے عیّار ہو۔
دوسرے روز کمل کشور نے سدامنی کو اشارہ کیا۔ وہ بےچاری رات کو آٹھ بجے باغ میں پہونچی۔ کمل کشور پہلے ہی سے تیار تھا۔ سدامنی کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ آہا! آ گئیں۔ میں تمہاری انتظار کر رہا تھا۔ آؤ میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔ بابو ہر پرشاد کمرے میں بیٹھے ہیں۔
یہ کہکر کمل کشور آگے بڑھا۔ سدامنی کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے دبائے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ کمل کشور اُسے اپنے سجے سجائے کمرے میں لے گیا۔ اور باہر سے دروازہ بند کر لیا۔ دروازہ بند کرتے ہی سدامنی کا ماتھا ٹھنکا۔ اور اُسے مہانما دیوی پرشاد کی کہانی یاد آ گئی۔ لیکن دیوی پرشاد اور کمل کشور میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ دیوی پرشاد کے ہاتھوں سے سدامنی بچکر بھاگ گئی تھی۔ مگر کمل کشور کے ہاتھوں سے بچ کر نکل جانا بڑی ٹیڑھی کھیر تھی۔
کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی کمل کشور سدامنی سے مخاطب ہوا۔ سدامنی! میں مدت سے تمہارے لئے مر رہا ہوں۔ امرت رس کے دو گھونٹ پلا دو۔ میری خشک زبان تر ہو جائے گی۔ اب تک میرے اور تمہارے درمیان جس قدر گفتگو ہوئی ہے۔ اُس کا مقصد یہی تھا۔
سدامنی کچھ سوچ کر ہنستے ہوئے بولی۔ واہ! واہ!! اتنی بے تابی۔ بس ذراسی بات کے لئے؟ میں تو خوش نصیب ہوں۔ کہ آپ میرے حُسن پر فریفتہ ہوئے۔ اگر آپ پہلے ہی سے اپنی خواہش ظاہر کر دیتے۔ تو لونڈی اسی وقت حاضر ہو جاتی۔
سدامنی کی باتیں سُن کر کمل کشور خوش ہو گیا۔ اور اُچھل کر کہنے لگا۔ واہ! تب تو ہم سے سخت غلطی ہوئی۔
سدامنی نے بیشک غلطی ہوئی۔ آپ نے بے فائدہ اتنے دنوں تک میرا

انتظار کیا۔ آپ خیال تو کیجئے۔ کہ جو عورت راغب ہو۔ اور پھر خوب صورت اور نوجوان ہو وہ ایسے سجیلے نوجوان کے آگے کیسے عذر پیش کر سکتی ہے؟"

کمل کشور: "تو آؤ پلنگ پر آؤ"

سدامنی: "بیشک آؤنگی۔ لیکن آج کے لئے معافی چاہتی ہوں"

کمل کشور: "کیوں کیا وجہ؟"

سدامنی: (لجاجت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر) "کیونکہ میں . . . . ."

کمل کشور: "اچھا۔ کل ہی سہی۔ کل کا دن بھی خوب ہوگا"

سدامنی: "ہاں محبت کی بنیاد رکھنے کا دن ہوگا۔ لیکن آج مجھے رخصت کیجئے"

کمل کشور: "خیر تو آج تم جاؤ۔ اور حسب وعدہ کل اسی وقت ضرور آنا"

یہ سنتے ہی سدامنی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اور سر پر پاؤں رکھ کر گھر کی طرف بھاگی۔ ادھر کمل کشور اس وعدے کا ذکر کرنے کے لئے شری ناتھ کے کمرے میں گیا۔

سدامنی گھر پہنچی۔ تو تھکاوٹ محسوس [illegible] تھی۔ وہ پلنگ پر پڑی بہت دیر تک [illegible] [illegible] وقت کھانا [illegible] لئے کہا [illegible] [illegible] سے کھانا کھانے کے لئے مجبور کیا۔ تو [illegible] سر درد کا بہانہ کر کے [illegible] اور اس رات کچھ نہ کھایا۔

اُنتیسواں باب

نو بجے تڑکے اُٹھ کر کامنی نے دیکھا۔ کہ سدامنی اور مالتی بخار میں بیہوش پڑی ہیں۔ اُس نے گھبرا کر ایک چٹھی راجہ کرشن [illegible] کے پاس کہ منی کے ہاتھ بھیجی۔

راجہ صاحب:

کل رات سے میری چچی اور بھاوج بخار میں بے ہوش پڑی ہیں۔ اس لئے آپ کے خط کا جواب نہیں دیا۔ میری رائے میں جب تک بھائیوں کا پتہ نہ لگے۔ کہ منی کا بیاہ ہونا ٹھیک نہیں۔ ہم لوگ آپ کی مہربانیوں کو جنم بھر نہیں بھول سکتے۔

آپ کی ......

کامنی

راجہ صاحب نے چٹھی پڑھتے ہی [illegible] کو بلایا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں تین چار ڈاکٹروں کو لے کر اُن غریب عورتوں کے مکان پر پہنچا۔ ڈاکٹروں نے اچھی طرح [illegible] راجہ صاحب [illegible]

[illegible]

ان سے وعدہ کر چکی ہے۔ شری ناتھ اور کمل کشور سمجھتے تھے۔ کہ آج ضرور [illegible] کی عصمت کا ستیاناس کر دینگے۔ اور اسی لئے ایک کمرے کے سجانے میں سرگرم تھے۔ اتنے میں کامنی جا پہونچی۔ اور گردن جھکا کر نہایت آہستگی سے بولی۔ کہ کل رات سے جی جی بخار میں بدحواس پڑی ہیں۔ اس لئے میں آئی ہوں۔ میری تو یہ خواہش ہے۔ کہ جب تک انہیں آرام نہ ہو۔ آپ چھٹی دے دیں۔ اور اگر چھٹی نہ دے سکیں۔ تو ان کی بجائے میں آپ کا کام کاج کر جایا کرونگی۔

کامنی سر جھکائے کھڑی تھی۔ اور وہ دونوں دونو فرشتے آنکھوں کے اشاروں سے صلاح و مشورہ کر رہے تھے۔ جب آپس میں تصفیہ ہو گیا۔ تو شری ناتھ نے کہا۔ ہم تمہاری بہن کی بیماری کا حال سُنکر بہت ہی [illegible] کرتے ہیں۔ خیر ایک دم سے تو چھٹی منظور نہیں کر سکتے۔ مگر اتنا کر سکتے ہیں۔ کہ تمہاری جی جی جہاں دن بھر رہتی تھی۔ تمہیں دن بھر کی رعایت تمہیں دی جاتی ہے۔ فقط [illegible] وقت آکر کھانا پکا جایا کرو۔ ایک آدھ گھنٹہ صرف [illegible] کھانا تیار ہو سکتا ہے [illegible] تمہیں [illegible] سے گھر تک پہنچا آیا کریگا

شری ناتھ کی ہمدردی دیکھ کر کامنی [illegible] خوش ہوئی۔ اور بولی: بہت اچھا!

یہ بات [illegible]

اچھا اب جاؤ۔ شام [illegible] تمہیں [illegible] آنا ہوگا۔

یہ کہکر شری ناتھ نے اپنے [illegible]

جا کر دیکھا۔ [illegible] طرح [illegible]

طرح پڑی رہیں۔

[illegible]

بوتلیں میز پر رکھی تھیں۔ شری ناتھ اور کمل کشور دونوں گلاس پر گلاس چڑھا رہے تھے
اتنے میں کامنی کمرے میں جا کھڑی ہوئی۔ کمل کشور نے اسے دیکھتے ہی پکڑ لیا۔ شری ناتھ
نے جھٹ کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ لیکن نشے میں سٹکنا یاد نہ رہا۔

کامنی جہاں تک اُس کی آواز نکل سکی۔ چلائی۔ لیکن کر ہی کیا سکتی تھی۔ گائے
کی طرح قصائیوں کے ہاتھوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ اور کوئی دم میں چھری چلا ہی چاہتی
تھی۔ کہ یکا یک زور سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ ہری ناتھ کمرے میں گھسے۔ ایک ہی دھکے
میں شری ناتھ کو دیوار کی طرف دھکیل دیا۔ کمل کشور کا لاتوں اور گھونسوں سے کچومر
نکال دیا۔ اور اُس بچاری کی عصمت کو بچا لیا۔

ناظرین حیران ہوتے ہونگے۔ کہ بابو ہری ناتھ یہاں کیسے آ پہنچے۔
ہری ناتھ اس وقت باغ کے پاس سے اتفاق سے گذر رہے تھے۔ جب اُنہوں نے
کامنی کی آواز سُنی۔ تو حیران ہو کر دربان سے پوچھنے لگے۔ اس باغ میں کون رہتا ہے
دربان نے کہا۔ بابو شری ناتھ ... مگر اس وقت وہ آپ ... [illegible]
[illegible] ... جا کر اُنہوں نے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ہری ناتھ پر حملہ ... [illegible] ... کہ ہری ناتھ نے ... [illegible] ... دیا
کمل کشور جھپٹا۔ لیکن ہری ناتھ نے اپنے پاؤں سے جوتا نکال کر تڑا تڑ اس کی کھوپڑی
پر برسانا شروع کیا۔ جب دونوں بے دم ہو گئے۔ تو ہری ناتھ نے کمرے بس سے
ہی ایک تلوار اٹھائی۔ اور جب وہ کمرے سے باہر نکلے۔ تو سب نوکر اُنہیں تلوار ہاتھ
میں لئے ہوتے دیکھ کر بھاگ گئے۔ جب میدان صاف ہو گیا۔ تو اُنھوں نے کامنی

کی طرف دیکھا۔ وہ ہوش میں آگئی تھی۔

اُسے دیکھ کر ہری ناتھ نے کہا۔ کامنی! آؤ! اب یہاں سے نکل چلو۔ اور دل میں بھروسہ رکھو۔ کہ ہمارے ہوتے ہوئے اب کوئی شخص تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

کامنی بابو ہری ناتھ کے ساتھ چل دی۔ اور وہ اندھیرے میں تلوار کو گھماتے ہوئے باغ کے پھاٹک سے باہر نکل آئے۔ کامنی کو اس کے گھر پہنچایا۔ اور تمام رات ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔

پہلا حصّہ ختم ہُوا!

چپلا

دوسرا حصّہ

پہلا باب

مدن موہن گاڑی پر سوار ہو کر سیدھے اسٹیشن پہنچے اور تحقیقات کرنے لگے۔ تلاش کرتے کرتے یہ پتہ لگا۔ کہ اسی ڈاک گاڑی میں ایک آدمی ایک عورت کو ساتھ لئے ہوئے سیکنڈ کلاس میں سوار ہو کر لکھنؤ گیا ہے۔

اتنا پتہ لگ گیا۔ مگر یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ وہ عورت چنبیلی ہی تھی یا کوئی دوسری۔ اور یہ پتہ لگ بھی کیسے سکتا تھا چنبیلی کو کون پہچانتا تھا۔ کہ مدن موہن کو بتلا دیتا۔ کچھ سوچ سمجھ کر وہ اسٹیشن پر ہی ٹھہرے رہے۔ دوسری گاڑی لکھنؤ جانے کے لئے تیار ہوئی۔ وہ اس میں سوار ہو کر لکھنؤ پہنچے۔ وہاں ٹکٹ کلکٹر، قلیوں اور گاڑی والوں سے بہت کچھ پوچھا۔ آخر پتہ لگا۔ کہ ایک عورت اور ایک مرد نمبر ۲۵ کی فسٹ کلاس گاڑی میں بیٹھ کر فلاں جگہ گئے ہیں اُن کے ساتھ ایک نوکر بھی تھا۔

مدن موہن نے وہی گاڑی کرائے پر لی۔ اور اسی جگہ پہنچے جہاں اُس نے دونوں کو اتارا تھا۔ وہ بڑے امام باڑے کا میدان تھا۔ کوچوان نے کہا کہ میں نے وہاں ہی اتارا تھا اور کوئی یہ لے کر چلا گیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں۔ کہ سواریاں کس طرف گئی ہیں۔

مدن موہن مایوس ہوکر تھانہ میں آئے۔ اور پتہ لگایا۔ کہ اُس وقت وہاں پر کس کانسٹیبل کا پہرہ تھا۔ آخر وہ کانسٹبل بلایا گیا۔ اور اُس سے پوچھا گیا۔ لیکن اُس نے خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ اور دیتا بھی کیسے؟ سینکڑوں گاڑیاں وہاں پر آئی ہونگی۔ اور ہزاروں سواریاں اتری ہونگی۔ وہ کیسے خیال رکھ سکتا تھا۔

جب مدن موہن کو کچھ پتہ نہ لگا۔ تو وہ گھر واپس لوٹ آئے۔ طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ اس لئے نہ تو الماتا سے ملے۔ اور نہ اپنے بچے کو دیکھا۔ سیدھے وہاں پہنچے۔ جہاں بھیروں پرشاد چھپا ہوا تھا۔

بھیروں پرشاد سے مل کر پہلے تو انہوں نے چنبیلی کا سارا حال کہہ سنایا۔ پھر جی کھولکر روئے۔ بھیروں پرشاد بھی اس نئی آفت کا حال سُن کر رونے لگا۔ ایک گھنٹہ بعد جب مدن موہن کا جی کچھ ٹھکانے ہوا۔ تو بھیروں پرشاد نے کہا۔ بھئی! چنبیلی کو اب مری ہوئی سمجھو کیونکہ اگر اُس کا پتہ بھی لگ گیا۔ تو تمہارے کس کام کی؟ جس عورت نے اس قسم کی چٹھی لکھ کر تمہارے پاس چھوڑی ہے۔ کیا وہ ابھی تک پاکدامن ہی رہی ہو گی۔ اس کا پتہ لگانے سے تمہیں حاصل ہی کیا ہو گا۔ میری رائے ہے۔ کہ اُسے پرانی جوتی سمجھ کر صبر کرو۔ اگر تم سلامت رہو گے۔ تو گلاب اور چنبیلی کے سینکڑوں پھول تم پر نثار ہوتے رہینگے۔

مدن موہن "بھیروں پرشاد! اس بے عزتی اور بدنامی سے میرے دل پر ایسی چوٹ لگی ہے کہ جیتے جی نہ بھولوں گا۔ اب میں عمر بھر شادی نہ کروں گا۔"

بھیروں پرشاد یہ سُنکر چپ رہا۔ اُس نے کچھ نہ کہا۔ مدن موہن بھی ٹھنڈی سانس بھرنے لگے۔ مدن موہن تھوڑی دیر بعد بولے۔ "لمو اور کچھ پتہ لگا؟"

بھیروں پرشاد:۔ "ہاں اور دو باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ جن سے شاید پتی کی تلاش میں تمہیں کافی مدد ملے گی۔"

مدن موہن:۔ "کیا؟"

بھیروں پرشاد:۔ "دو باتوں میں ایک تو یہ ہے۔ کہ مالتی اپنی نندوں کے ساتھ جیسا کہ دیوی پرشاد نے کہا تھا کسی کے ساتھ کہیں نکلی نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب کی سب غازی پور میں رہتی ہیں۔ اور نام بدل کر بھلے گھروں میں نوکری کر کے اپنا پیٹ پالتی ہیں۔"

مدن موہن:۔ "اور دوسری بات؟"

بھیروں پرشاد:۔ "یہ ہے۔ کہ جس نے بھولا کو مارا ہے۔ اُسے میں کئی بار کانسٹبلوں کے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔ اُس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کسی طرح میں پکڑا جاؤں۔ اور وہ گورنمنٹ سے انعام حاصل کرے۔"

مدن موہن:۔ "اس معاملے میں تھوڑی سی تحقیقات میں نے بھی کی ہے۔ یعنی وہ کانسٹبل جو اس کے ساتھ گھوما کرتے ہیں۔ اصلی نہیں۔ بلکہ نقلی ہیں۔ اور یہ سب اُسی کی کارروائی ہے۔ کیونکہ اپنے بدلے وہ تمہیں پھنسانا چاہتا ہے۔"

بھیروں پرشاد:۔ "شنکر پرشاد ابھی جیتے تھے۔ کہ میں ایک دفعہ آدھی رات کے وقت اپنی بہن مالتی سے ملنے کے لئے گیا۔ اُس رات بھی میں نے چند ایک کانسٹبلوں کو باغ میں کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید یہی خونی رہا ہوگا۔"

مدن موہن:۔ "خیر کچھ ڈر نہیں۔ لیکن یہ تو بتلاؤ۔ کہ ابھی تک اُس کمبخت یا اُس کے آدمیوں نے اس جگہ کو دیکھا تو نہیں۔"

بھیروں پرشاد:۔ "نہیں۔ اس جگہ وہ لوگ یک بیک نہیں آ سکتے۔"

مدن موہن:۔ "نہیں۔ خیال نہ کرو۔ کیونکہ معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ نقلی پولیس بھی سرکار کی اجازت سے تمہیں پکڑنے کے لئے تعینات کی گئی ہے۔ اور بھولا کا خونی جو تمہارے خون کا

پیاسا ہے۔ اُن نقلی سپاہیوں کا لیڈر بنایا گیا ہے۔"

بھیروں پرشاد" میں نے اُس خونی کو کئی بار دیکھا ہے۔ اور اس کے چہرے پر ایک نشان ہے۔ اگر تم یاد رکھ سکو۔ تو آسانی سے پکڑ سکتے ہو۔"

یہ کہکر بھیروں پرشاد نے مدن موہن کو وہ نشان بتلایا۔ مدن موہن سنتے ہی چونک اُٹھے۔ گویا پتہ پالیا۔ لیکن بھیروں پرشاد کے سامنے وہ چُپ ہی رہے۔ اپنا راز اُس پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

مدن موہن" خوب ممکن ہے۔ کہ میں اس کا پتہ لگا سکوں۔ اور تمہیں اس قید تنہائی سے رہائی دلوا سکوں۔"

بھیروں پرشاد" یہ لوتی کی تصویر ہے۔ اگر ہو سکے۔ تو اس کا بھی پتہ لگاؤ۔ کیونکہ اِس سے اُس خونی کا پتہ لگ جائے گا۔"

مدن موہن نے تصویر لے لی۔ غور سے دیکھ کر کہنے لگے۔ بھئی! شکل وصورت تو خوب ہے۔ جو دیکھے گا۔ اُس کی خوبصورتی نزاکت اور لطافت کی ضرور تعریف کرے گا۔ اگر تم اِسی کے ساتھ بھرشٹ ہوئے ہو۔ تو تمہارا چنداں قصور نہیں۔ کیونکہ ایسی ایسی مہجالوں کو دیکھ کر تو رشی منی بھی للچا جاتے ہیں۔ اور اپنی تپسیا کی پروا نہیں کرتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ انسان اپنے دل اور اندریوں پر اُسی وقت تک قابو رکھ سکتا ہے شرم وحیا کا اُسی وقت تک خیال رکھتا ہے۔ اور ضمیر کا کہنا اُسی وقت تک مانتا ہے۔ جبتک کسی کل نینی استری کا نین بان اُس کے کلیجے پر نہ بیٹھے۔ جہاں یہ تیر لگا۔ اور انسان سب کچھ بھول گیا۔ نشۂ محبت سے سرشار ہو کر بالکل پاگل ہو جاتا ہے۔ اور دھرم کرم کا خیال نہیں رہتا۔ اب تو پرماتما سے یہی دعا ہے۔ کہ تم اس مصیبت سے نجات پاؤ۔ اور پھر کبھی ان جھگڑوں میں پڑنے کا نام نہ لینا۔

بھیروں پرشاد" نہیں اب ایسے بُرے کام کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔

کیا یہ مصیبت بھول جائے گی۔ نہیں یہ نہیں بھول سکتی"

مدن موہن: اگر تمہارا یہی خیال ہے۔ تو ایشور پر بھروسہ رکھو وہ تمہیں جلد تر اس مصیبت سے نجات دلائیگا۔ لیکن اپنی اس پرتگیا پر قائم رہنا۔ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تمہاری بیوی ہے نہیں۔ اور تم رنگین مزاج آدمی ہو۔

مدن موہن کی یہ بات سن کر بھیروں پرشاد کے چہرے پر ہلکی سی ہنسی جھلکنے لگی۔ اور اس نے مسکرا کر کہا۔ اگر بیوی کے بغیر مرد کا چال چلن اچھا نہیں رہ سکتا۔ تو تم نے ابھی ابھی پرتگیا کیوں کی ہے۔ کہ میں شادی نہ کروں گا۔ یہ سنکر مدن موہن بھی مسکرا دیئے اور اس سوال کا جواب نہ دیکر کہا۔ خیر میں اس تصویر سے ببی کا پتہ لگاؤں گا۔ وہ یا تو اسی کے ساتھ ہوگی۔ اور یا وہ بازاری رنڈیوں میں شامل ہوگئی ہوگی۔ کیونکہ ایسی عورتوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ تصویر تمہارے ہاتھ کیونکر لگی ہے

بھیروں پرشاد: یہ بھی سن لو میں نے یہ تصویر ایک بار ببی کے پاس رکھی دیکھی تھی۔ اور جب اس سے پوچھا۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ میں نے فوٹو گرافر سے کھچوائی ہے۔ میں نے اس سے تصویر چھین لی۔ اور لے آیا۔ لیکن بھاگتے ہوئے غلطی سے گھر پر ہی چھوڑ آیا تھا آخر ایک روز [illegible] پہنچا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ اس روز میں بات چیت میں اس کا خیال بھول گیا تھا۔ ورنہ اسی روز تمہیں دے دیتا۔ اور تمہیں ببی کا سراغ مل جاتا۔ یہ سنکر مدن موہن نے فوٹو جیب میں رکھا۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

دوسرا باب

آخر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے مدن موہن نے لکھنؤ میں نبی کو ڈھونڈھ نکالا۔ انہوں نے جو سوچا تھا۔ وہی ہوا۔ وہ مسلمان ہوگئی تھی۔ اور گلشن نام سے گول دروازے کے اندر کوٹھے پر بیٹھ گئی تھی۔ مدن موہن نبی سے ملے۔ اور ربط ضبط پیدا کیا۔

وہ اس کے گھر جاتے ہوئے دل میں بڑی تکلیف محسوس کرتے تھے۔ لیکن کرتے کیا۔ بھگوان کرشن گرودیو کا اُدھار کرنے کے لئے نرک میں بھی جا پہنچے تھے۔ تو مدن موہن بھیروں پرشاد کو مصیبت سے بچانے کے لئے اس مسلمان رنڈی کے کوٹھے پر کیسے نہ جاتے؟

اِدھر نبی نے مدن موہن کو سونے کی چڑیا سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا۔ اُدھر مدن موہن نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس کے پاس آنا جانا شروع کیا۔ پہلے روز اِدھر اُدھر کی بات چیت کی۔ اور پانچ روپے دیکر اُٹھ آئے۔ دو تین دن جو پھر گئے۔ اور پانچ روپے ادا کر گئے۔ اسی طرح انہوں نے چالیس پچاس روپے پر پانی پھیر دیا۔ لیکن اس کے بدلے کوئی [illegible] نہ کمائی۔ [illegible] تک بھی نہ کھائی [illegible] تھے۔

کاتک کے کرشن پکش کی [illegible] کی اندھیری رات تھی۔ پانی بڑے زور سے برس رہا تھا۔ مدن موہن نبی کے گھر بیٹھے ہوئے اس سے طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ نبی نے کہا۔ پیارے اتنے دن ہوئے آپ کو آتے ہوئے ہوگئے۔ اور چالیس پچاس روپے بھی دیئے۔ لیکن نہ تو آپ نے ابھی تک اپنا نام اور پتہ ہی بتلایا۔ اور نہ کوئی دل

خواہش ظاہر کی۔ اس کا سبب میں ہزار سر ٹپکنے پر بھی نہیں سمجھ سکی۔ مدن موہن نے کہا میرا نام رائے چند ہے سب مجھے آج تک تمہارے جیسی خوش فکر اور خوش وضع نازنین نہیں ملی تھی۔ نہ معلوم تم نے میرے دل پر کیا جادو ڈالا ہے۔ کہ یہ بھی اپنا ہو کر بیگانہ ہو گیا ہے۔ اور اپنے قابو میں نہیں رہا۔ اور جب دل ہی قابو میں نہیں رہا۔ تو اپنی دلی خواہش کیا خاک ظاہر کروں۔

یہ سنتے ہی گلشن نے جوش میں آ کر اپنی باہیں رائے چند کے گلے میں ڈال دیں اور اُن کا منہ چومنا ہی چاہتی تھی۔ کہ جھٹ انہوں نے اسے اپنے سے دور کیا۔ اور خود بھی پیچھے ہٹ کر کہا۔ بس! یہ کیا غضب کرتی ہو۔ ناحق بارود کے میگزین میں آگ لگا کر مجھے اُڑانا چاہتی ہو۔

گلشن (شرمندہ ہو کر) اُف! آپ اس قدر سنگدل ہیں۔ پیارے! اگر آپ کو مجھ سے اتنی نفرت ہے۔ تو پھر آپ یہاں آنے اور روپے برباد کرنے کی تکلیف کیوں کرتے ہیں؟

رائے چند۔ پیاری گلشن ناراض کیوں ہوتی ہو۔ بے سوچے سمجھے دل چھوٹا نہ کرو"

گلشن " تو بتلائیے آپ کا دلی مقصد کیا ہے"

رائے چند " مقصد یہی ہے۔ کہ جب تک تم ہمیشہ کے لئے میری نہ ہو جاؤ۔ میں ہرگز اس کوچے میں قدم نہ رکھوں گا"

گلشن " کیا ابھی تک آپ کو یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ لونڈی اب آپ ہی کی ہے۔ اور تمام عمر آپ ہی کی ہو کر رہے گی"

رائے چند۔ اگر تم میرا کہنا مانو تو ————

گلشن " کہئے! میں بسر و چشم آپ کا حکم ماننے کے لئے تیار ہوں"

رائے چند " اچھا! تم میرے ساتھ میرے گھر چلو اور میری بیوی بن کر پردے میں رہو"

گلشن :- اس میں مجھے کوئی عذر نہیں۔ لیکن آپ کی پہلی بیوی ؟"
رائے چند :- میری پہلی بیوی نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتی۔ تو شائد تم سے دل لگانے کی باری نہ آتی :-
گلشن :- اگر آپ کی طبیعت کچھ دنوں بعد مجھ سے متنفر ہو جائے۔ تو پھر میں کہاں جاؤں گی "
رائے چند :- اوّل تو ایسا ہو نہیں سکتا۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو جائے۔ تو تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ جب تک میں تمہارے نام تمہارے گذارے کے لئے اپنی تھوڑی بہت جاگیر نہ لکھ دوں گا۔ تمہارے جسم کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔ اگر پھر تمہیں میں چھوڑ بھی دوں۔ تو تمہیں کیا تکلیف ہو سکتی ہے ؟"
گلشن :- (تھوڑی دیر سوچ کر) نہیں پیارے! میں آپ کو چاہتی ہوں۔ آپ کی جاگیر کی بھوکی نہیں ہوں۔ آپ کی طبیعت دیکھ کر مجھے یقین ہوتا ہے۔ کہ آپ جیتے جی اس لونڈی کو قدموں سے جدا نہ کرینگے :-
رائے چند :- ہاں ٹھیک کہتی ہو۔ مگر ہمیشہ کسی کا دل کسی کے بس میں نہیں رہتا۔ اسلئے اس بارہ میں میں زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ ہاں اتنا ضرور اقرار کرتا ہوں۔ کہ جب تک تمہارا پورا پورا بندوبست نہ کر لوں گا۔ تم سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہ کروں گا۔"
گلشن :- تو خیر میں راضی ہوں۔ مجھے جہاں چاہیے لے چلو :-
رائے چند :- یہ بات تو طے پائی۔ اب دوسری بات یہ ہے۔ کہ جب تک تم مسلمان سے ہندو بننا منظور نہ کرو۔ تم میرے کسی کام کی نہیں۔ کیونکہ میں ہندو ہوں :-

یہ سنتے ہی گلشن کانپ اٹھی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر رونے لگی۔ رائے چند اس کی حرکات اور چہرے کے رنگ کو بغور دیکھنے لگے۔ آخر تھوڑی دیر بعد اپنے دل کو سنبھال کر کہنے لگی۔ کیوں صاحب! ہندو کو مسلمان ہوتے تو میں نے بہت دیکھا ہے۔ لیکن مسلمان کیونکر ہندو ہو سکتا ہے۔

رائے چند "کیوں اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ جب ہندو مسلمان ہو سکتا ہے۔ تو پھر مسلمان ہندو کیوں نہیں ہو سکتا؟"

گلشن (تعجب سے) "کیا یہ سچ ہے؟"

رائے چند "ہاں اتنا ہی سچ ہے جتنا گدھے کے سر سے سینگ کا نہ ہونا"

گلشن "مگر صاحب! اگر یہ طریقہ رائج ہوتا۔ تو آج ہندوستان میں اتنے مسلمان نظر نہ آتے۔ کیونکہ میں نے سنا ہے۔ کہ آج کل جو مسلمان ہندوستان میں مقیم ہیں۔ ان میں سے ۹۰ فی صدی ایسے ہیں۔ جو ہندو سے مسلمان بنائے گئے ہیں۔ اگر مسلمان کو ہندو بننا آسان ہوتا۔ تو کیا مسلمانوں کی تعداد اتنی قائم رہ سکتی تھی"

رائے چند "معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم کسی عالم شخص کی صحبت میں رہی ہو۔ یہ میرے لئے اور بھی خوشی کی بات ہے۔ تمہارے سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ جب ہندو مسلمان بنائے جاتے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کا راج تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ انہیں دوبارہ ہندو بنانے کا ارادہ کرتا۔ اس لئے سات سو برس تک مسلمانی حکومت قائم رہنے کے سبب مسلمانوں کی گنتی بڑھ گئی۔ مگر اب ہم نے ڈنکے کی چوٹ مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے یہ اُمید پائی جاتی ہے۔ کہ اگر یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ تو پانچ سات [illegible] میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ جائے گی"

گلشن "لیکن پیارے ہندوؤں میں تو سینکڑوں ذاتیں ہیں۔ جو مسلمان ہندو بنایا جاتا ہے۔ وہ کس ذات میں شامل کیا جاتا ہے"

رائے چند گلشن کی زبان سے یہ سوال سن کر دنگ رہ گئے۔ اور دل ہی دل میں اس کی خداداد ذہانت اور قابلیت کی تعریف کرنے لگے۔ مسکراتے ہوئے بولے۔ ابھی تک یہ بات طے نہیں ہوئی۔ تاہم میرا خیال ہے۔ کہ جس درجے کا مسلمان ہو۔ اُسی درجے میں اُسے ہندوؤں میں شامل کیا جائے۔ اب بتاؤ کہ تمہیں ہندو بننا منظور ہے

یا نہیں۔ کیونکہ ہمارے تمہارے تعلقات کا فیصلہ اسی سوال کے جواب پر منحصر ہے۔

یہ سُنکر گلشن پھر رونے لگی۔ رائے چند نے اُسے تسلی دے کر چُپ کرایا۔ وہ آنسو پونچھ کر کہنے لگی۔ پیارے! میں نہیں جانتی تھی۔ کہ میری زندگی میں ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے۔ جب مجھے آپ سا فرشتہ سیرت شخص پھر ملیگا۔

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔ تو میں ہندو سے مسلمان کیوں ہوتی۔

رائے چند۔ تعجب سے "ایں! کیا تم پہلے ہندو تھیں"

گلشن۔ "جی ہاں"

رائے چند۔ واہ! واہ! تو اسے بھی تم اپنی خوش قسمتی سمجھو۔ کیونکہ جو عورت ہندو سے مسلمان ہو گئی ہو۔ وہ بڑی آسانی سے پرائشچت کر کے ہندو ہو سکتی ہے"

گلشن۔ "خیر! اگر میں ہندو بن سکتی ہوں۔ تو مجھے ذرا بھی انکار نہیں۔ بس پیارے! اب کوئی تیسری بات آپ کے دل میں ہو۔ تو وہ بھی کہہ ڈالئے۔

رائے چند۔ "نہیں! اب کوئی بات دل میں نہیں ہے۔ اچھا تو کل رات کے وقت میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم تیار رہنا اور اگر جی چاہے۔ تو ایک بار پھر ان باتوں پر غور کر لینا"

یہ کہکر بابو رائے چند نے جیب سے گھڑی نکالی۔ وقت دیکھا۔ تو ٹھیک بارہ بج چکے تھے۔ اٹھنے لگے۔ تو گلشن نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہنے لگی۔ اس وقت کہاں جاؤ گے۔ یہیں آرام کرو۔

رائے چند۔ "نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔ طبیعت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ممکن ہے کہ بدل جائے اس لئے جب تک تمہیں ہندو نہ بنا لوں گا۔ تم سے دور رہنے کی کوشش کروں گا"

گلشن۔ "خیر! مگر یہ تو آپ نے ابھی تک نہیں بتلایا۔ کہ آپ کی ذات کیا ہے اور گھر کہاں ہے؟

اس پر انہوں نے اپنی ذات بتلا کر کہا۔ میرا گھر بنارس میں ہے۔
بنارس کا نام سنتے ہی گلشن کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ اُس پر آسمان ٹوٹ پڑا اور غشی طاری ہو گئی۔
رائے چند نے خوشبوبات سونگھائیں۔ جن سے وہ ہوش میں آگئی۔ وہ بولے۔ بنارس کا نام سُنکر بیہوش کیوں ہوگئیں؟"

گلشن "پیارے۔ بنارس میرا وطن ہے۔ میں وہیں کی رہنے والی ہوں۔ اُسی شہر کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی۔ بنارس کا نام سنتے ہی میرا دل بیٹھ گیا۔ اور میں بیہوش ہو گئی۔ مجھے مدت سے بنارس دیکھنے کی آرزو تھی۔ پس آپ پوری کرینگے۔ لیکن یہ تو بتلائیے۔ کہ بنارس میں آپ کا مکان کس محلے میں ہے؟"

رائے چند "کسی محلے میں بھی نہیں۔ میں شہر کے باہر رہتا ہوں"
رائے چند نے یہ تمام باتیں کچھ اس ڈھنگ سے کہیں۔ کہ گلشن کو شک کی گنجائش نہ رہی۔ دوسرے روز مدن موہن عرف رائے چند۔ پتی عرف گلشن کو بنارس لے آئے اور اُسے اپنے باغ والے مکان میں رکھا۔

تیسرا باب

مدن موہن پتی سے بہت کم ملتے تھے۔ مگر انہوں نے اس کے آرام کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ شام کے وقت اُس سے ملنے کے لئے گئے تو اس نے جاتے ہی کہا۔ پیارے! کیا آپ نے اِسی لئے مجھے اس جیل خانے میں لا کر

قید کیا ہے۔ کہ باوجود ہر طرح کا آرام پانے کے میں آپکے درشنوں کو تڑپا کروں۔

مدن موہن نے مسکرا کر کہا۔ مجھے دن رات تمہارا ہی فکر رہتا ہے۔ دو چار روز میں ہی تمہارے نام اپنی کچھ جائداد کی رجسٹری کروا دوں گا۔ پھر پرائشچت کرا کر تمہیں ہندو بنا لوں گا۔ اس کے بعد پھر تمہیں کسی قسم کی شکایت کرنے کا موقعہ نہیں ملے گا۔ بالفعل دو چار روز اور صبر کرو۔

پتی ”خیر چند روز اور سہی۔ زہر کے گھونٹ پی پی کر دن کاٹوں گی۔ لیکن کہیں آپ مجھے دھوکا تو نہیں دیتے؟“

مدن موہن ”یہ تم نے کیونکر جانا؟“

پتی ”جانتی کیسے۔ جب میں غور کرتی ہوں۔ تو آپ کے دل کی تھاہ نہیں پا سکتی۔ واقعی آپ کا دل اتھاہ ساگر ہے۔ جس میں غوطہ لگانے پر آپ کا اصل مطلب نہیں پا سکتی۔“

مدن موہن (منہ بنا کر) ”تو پیاری! اگر مجھ پر شک ہے۔ تو بہتر یہ ہے۔ کہ تم ابھی سے کنارہ کشی اختیار کرو۔“

پتی ”ایں! آج تو مزاج گرم معلوم ہوتا ہے۔ کیوں صاحب! سب خیریت تو ہے نا آپ اس قدر ناراض کیوں ہیں؟“

مدن موہن ”نہیں! ہُوا تو کچھ نہیں۔ لیکن جب تم ناحق مجھ پر شک کرتی ہو۔ تو میں نے کیا بیجا کہا؟ کہ جس پر تمہیں شک ہو۔ اُس سے دور رہنا ہی اچھا ہے۔“

پتی ”لیکن اب تو آپ جوتیاں مار کر بھی نکالیں۔ تب بھی یہ بندی آپ کے قدموں کو چھوڑ کر کہیں جانے والی نہیں۔“

مدن موہن ”خیر! تو اب دو روز میں ہی ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس لئے آج بس چاہتا ہوں۔ کہ تمہارا اصلی حال جس طرح سے میں اپنا سنا چکا ہوں۔ سنوں۔ تاکہ دل کی صفائی ہو جائے۔ اور پیچھے کوئی بات نہ نکلے۔“

پتی "یہ آج آپ کے سر میں کیا سودا سمایا ہے؟"

مدن موہن "دیکھو میں نے اپنا نام ذات پیشہ اور کل حال تمہیں بتلا دیا ہے۔ اب تمہیں بھی چاہئے۔ کہ اپنا کل حال ٹھیک ٹھیک بیان کرو۔ تاکہ میں دل سے محبت کر سکوں"

پتی "بیشک۔ جب آپ نے اپنا تمام حال لفظ بہ لفظ سنا دیا ہے۔ تو میں کیوں نہ سناؤنگی آپ ذرا سی بات کے لئے اس قدر ناراضگی ظاہر کر رہے ہیں لیجئے سنئے"

میں یہاں کی رہنے والی ہوں۔ ذات بنیا ہے۔ میں بہت چھوٹی تھی۔ جب میرے پتا کا انتقال ہو گیا۔ ماں نے مجھے پالا پوسا۔ اور مجھے اتنا بڑا کیا۔ وہ مجھے جی جان سے چاہتی تھیں۔ کیونکہ میرے سوا گھر میں کوئی دوسرا بچہ نہ تھا۔ رفتہ رفتہ میں تیرہ چودہ برس کی ہوئی۔ اور جب اپنی ذات میں اُنہیں کوئی لڑکا نہ ملا۔ تو لاچار ہو کر انہوں نے میری شادی غازی پور کے ایک امیر زادے سے کر دی۔ مگر افسوس شادی ہونے کے دو مہینے بعد ہی میں بیوہ ہو گئی۔ اور سسرال والوں نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا۔ کیونکہ اُن لوگوں کا خیال تھا۔ کہ میں راکشسی ہوں۔ اس لئے آتے ہی اپنے شوہر کو کھا گئی۔ میں روتی اور کلپتی ہوئی گھر سے نکلی۔ دن بھر چلتی رہی۔ رات کو ایک درخت کے نیچے پڑ رہی۔ میرے پاس کچھ نہ تھا۔ دن بھر کی بھوکی پیاسی۔ تھکی۔ ماندی میں اُس پیڑ کے نیچے پڑ کر بیہوش ہو گئی۔ میں کب تک حالت بے ہوشی میں رہی۔ یہ نہیں جانتی۔ جب بیہوشی دور ہوئی۔ تو میں نے اپنے آپ کو ایک عالیشان سجے سجائے کمرے میں ایک مخملی چھپر کھٹ پر سوتے ہوئے پایا۔ کئی خوبصورت اور کمسن باندیاں میرے گرد بیٹھی ہوئیں میری خدمت کر رہی تھیں۔

یہ دیکھتے ہی میں نے گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور دل ہی دل میں اُسے خواب سمجھنے لگی۔ لیکن کب تک۔ میں ہزار چاہتی تھی۔ کہ اسے خواب خیال کروں۔ لیکن اتنے ہی میں کسی کی آواز میرے کان میں آئی۔ "کہ اے خواب ناز کی متوالی! آنکھیں کھول!

جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تو ایک نہایت ہی خوبصورت نوجوان زمیندارہ میرے پاس کھڑا تھا۔

آنکھیں چار ہوتے ہی اُس نے پوچھا۔ کہو طبیعت کا کیا حال ہے۔

میں نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔ مجھے یہاں کون لایا ہے۔ یہ جگہ کونسی ہے۔ اور آپ کون ہیں۔ کہ ایک بھلے گھر کی پاکدامن عورت کو یہاں اٹھا لائے ہیں۔

میرے سوالوں کا جواب اُس نے نہ دیا۔ ہاں مسکرا کر میری بغل میں چھپر کھٹ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ پیاری! یہ گھر تیرا ہی ہے۔ اور مجھے بھی اپنا فرمانبردار سمجھو۔ یہ کہکر اُس نے زبردستی میرے اچھوتے ہونٹوں کا رس چوس لیا۔

پیارے! کیا کہوں۔ اُس کمبخت نے میرا ستیاناس کر ڈالا۔ اور مجھے معلوم ہوا۔ کہ میں غازی پور میں نہیں۔ بلکہ جون پور میں ہوں۔ اور مجھے مٹی میں ملانے والا ایک مسلمان ہے جب میں اپنی سسرال سے نکل کر جنگل میں اُس پیڑ کے نیچے بے ہوش ہو گئی تھی۔ تو یہ شیطان اتفاقاً وہاں جا پہنچا۔ مجھے کمسن اور حسین سمجھ کر اپنے ڈیرے میں اُٹھا لایا۔ وہاں لاکر مجھے بے ہوشی کا عرق پلایا۔ اور ایک سوراخ دار صندوق میں مقفل کر کے گھر پر لا پٹکا۔ وہاں جب میری آنکھ کھلی۔ اُسے اپنے سامنے کھڑا ہُوا پایا۔

آخر مجھے زبردستی کلمہ پڑھایا گیا۔ اور میں اس کے ساتھ رہنے لگی۔ لیکن جورو کی طرح نہیں۔ بلکہ رنڈی کی طرح۔ مجھے ایک استاد گانا بجانا سکھلاتا تھا۔ دوسرا اردو پڑھاتا تھا۔ اور تیسرا دستکاری سکھلاتا تھا۔ میں اس کے ساتھ بڑے چین سے گذران کرتی تھی۔ اور وہ کمبخت بھی مجھے جی جان سے چاہتا تھا۔ لیکن پہلے دن کی حرکتوں سے میرے آئینہ دل پر ٹھیس لگ گئی۔ اور وہ چُور چُور ہو چکا تھا۔ اِس لئے میرا دل اُس پر مائل نہ ہُوا۔ لیکن کرتی تو کیا کرتی۔ لاچار تھی۔ مجبوراً پانچ برس تک زہر کے گھونٹ پی پی کر گذارہ کرتی رہی۔

اُس کمبخت کی ایک بیاہتا بیوی بھی تھی۔ لیکن میاں صاحب مجھے پاکر بیوی کو ایکدم

بھول گئے۔ بیوی نے موقعہ دیکھ کر ایک دِن میاں کو زہر دے دیا۔ اور مار ڈالا۔ اُس کی کل جائداد پر بذریعہ عدالت قبضہ کر لیا۔ پھر تو میں پہلے کی مانند وہاں سے بھی نکالی گئی۔ اب مجھے روزی کا فکر ہوا۔ آخر رنڈی کا پیشہ اختیار کیا۔ لکھنؤ آئی۔ اور وہ کوٹھا کرائے پر لے کر رہنے لگی۔ مجھے وہاں آئے ہوئے دو یا تین مہینے ہوئے۔ کہ اتفاقاً آپ کا دیدار حاصل ہوا اور اب امید ہے۔ کہ میری زندگی کے باقی دن آپ کے قدموں میں کٹیں گے۔

جب تک پتی اپنی جھوٹی کہانی کہتی رہی۔ مدن موہن غور سے سنتے رہے۔ انہیں خیال نہ تھا۔ کہ پتی اس ڈھنگ سے اپنا حال کہیگی۔ اور ایک ناول کا پلاٹ بنا ڈالے گی۔ اُس کی باتوں سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا۔ کہ ایسی خطرناک عورت شائد ہی اس لامحدود کائنات میں کوئی ہو۔ خیر کہانی پوری ہوگئی۔ لیکن مدن موہن کچھ نہ بولے۔ پتی نے مسکرا کر کہا۔ کیوں پیارے! آپ چپ کیوں ہیں۔ کیا غور کر رہے ہیں۔

مدن موہن "غور تو کچھ بھی نہیں کرتا۔ تمہاری کہانی نے میرے دل پر وہ اثر کیا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ تم مجھے معافی دو۔ تو میں کچھ کہوں"

پتی ۔ (ہنسکر) "کیا خوب! بھلا لونڈی اپنے مالک کو کیا معافی دے سکتی ہے۔ خیر آپ کے اس جملے نے مجھے اچھی طرح یقین دلا دیا ہے۔ کہ آپ مجھے دل سے پیار کرتے ہیں۔ اچھا کہئے! کیا کہنا چاہتے ہیں"

مدن موہن "نہیں۔ یوں تو میں ہرگز نہیں کہوں گا۔ جب تک تم سچے دل سے معافی نہ دو گی"

پتی "اچھا۔ دیدی۔ اب کہیگا"

مدن موہن "پیاری میں نے تمہارے ساتھ بڑی دغا کی۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ جب تم میرا اصلی حال سنوگی۔ تو مجھ سے نفرت کرنے لگو گی"

یہ سُنتے ہی پتی کا چہرہ زرد ہو گیا۔ لیکن اُس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ واہ صاحب!

بھلا ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں۔ کہ اب سوا آپ کے قدموں کے میرے لئے دُنیا میں کہیں بھی ٹھکانا نہیں۔ اس لئے آپ نے جو کہنا ہو بلا کھٹکے کہدیجئے اب اگر آپ خود اپنے ہاتھوں سے میرا گلا بھی کاٹ ڈالیں۔ تو بھی میں چوں نہ کرونگی۔

مدن موہن :۔ تو سنو۔ لیکن ناراض نہ ہونا۔ پہلے میں نے جو کچھ اپنا حال تم سے کہا تھا وہ سراسر جھوٹ اور غلط تھا۔ تم پوچھو گی۔ کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ اس لئے کہ میں نے ایک ایسا بُرا کام کیا ہے۔ کہ جسے سُنکر کوئی بھی عورت مجھ پر یقین نہیں کر سکتی۔"

پتی :۔ اگر ایسا ہی ہے۔ تو میں آپ کا اصلی حال سُننا نہیں چاہتی۔ میرے لئے وہی کافی ہے۔ جو آپ سنا چکے ہیں۔"

مدن موہن :۔ نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ چاہے میں کتنا ہی گنہگار رہوں۔ تاہم تم جیسی نیک اور اچھی عورت کے سامنے میں اپنے اصلی راز کو چھپانا نہیں چاہتا جس نے اپنے گذشتہ حالات اس خوبی کے ساتھ بیان کئے ہوں۔"

پتی :۔ پیارے! اگر میں یہ جانتی۔ تو اپنا حال ہرگز بیان نہ کرتی۔ اور پھر اُس سے کیا؟ تم جیسے بھی ہو مجھے تو جان سے بھی زیادہ پیارے ہو۔ اس لئے مجھ پر رحم کرو۔ اور اپنی اصلی داستان رہنے دو۔"

مدن موہن :۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال یہ کہانی تمہیں سُننی ہی پڑیگی۔ میں اپنے گھر میں بالکل اکیلا ہوں۔ جورو مر چکی ہے۔ گھر میں سوا بوڑھی ماں اور ایک کنواری بہن کے اور کوئی نہیں۔ ایک بہن بیاہی ہوئی ہے۔ میں روپوں کا بیوپار کرتا تھا۔ ایک آدمی کو کچھ روپے میں نے اُدھار دیئے۔ لیکن جب بہت دن گذر گئے۔ تو میں نے تقاضا کرنا شروع کیا۔ لیکن وہ ٹالتا ہی رہا۔ آخر ایک دن میں اس کے گھر پہنچا۔ مگر پردہ پڑا تھا میں اُس کی نوجوان اور خوبصورت لڑکی پتی سے پھنس گیا۔ روپوں کا تقاضا چھوڑ دیا اور اُس سے تعلق پیدا کر لیا۔ اس طرح کچھ روز گذرے۔ بلکہ ایک روز گھنشام نامی شخص

جو اُسی عورت کے تیسرے عاشق کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اُس کے پاس بیٹھا ہُوا دیکھا
یہ دیکھتے ہی مجھے غصہ آیا۔ اور میں نے اُسے تلانجلی دے دی۔ لیکن اُس نے مجھے نہ
چھوڑا۔ اور گھر آ کر مجھے پھر لے گئی۔

آخر ایک دن کچھ رات گئے میں اس کے گھر گیا۔ تو پھر اُسے گھنشام کے ساتھ
دیکھا۔ یہ دیکھتے ہی میں جل کر کباب ہو گیا۔ اتنے ہی میں اُس کا باپ بھولا دوکان بڑھا کر
گھر لوٹا۔ اُسے دیکھ کر میں ایک طرف چھپ رہا۔ وہ دروازہ کھلوا کر اندر چلا گیا۔ میں پھر
دروازے کے چھید میں آنکھ لگا کر اندر کا حال دیکھنے لگا۔ لیکن دیکھتا کیا ہوں۔ کہ بھولا
ٹکڑے ٹکڑے کیا ہُوا پڑا ہے۔ اور دو بھاری گٹھڑیاں جن میں شاید گھنشام اور تم کی لاشیں
ہونگی صحن میں رکھی ہیں۔ اور پاس ہی چند ایک نقاب پوش ڈاکو کھڑے ہیں۔ انھوں نے
وہ گٹھڑیاں اُٹھا لیں۔ اور باہر نکلنے کو ہوئے۔ میں ایک طرف کو دبک رہا۔ وہ سب کے
سب باہر نکل کر چل دیئے ان کے چلے جانے پر میں اپنے گھر چلا آیا۔ لیکن صبح ہوتے
ہی اُس خون کا حال کھل گیا۔ پولیس نے بھولا اور گھنشام کے خون کا الزام میرے
ماتھے لگایا۔ میں گھر سے بھاگ گیا۔ اور اب تک بھاگا بھاگا پھرتا ہوں۔ یہی سبب ہے
کہ میں تم سے کم ملا کرتا ہوں۔ کیونکہ ڈر رہتا ہے۔ کہ کہیں پولیس نہ دیکھ لے۔ اب تم ہی
بتلاؤ۔ کہ اس حال کو سُن کر تمہارے جیسی پارسا عورت مجھ جیسے خونی سے کیسے محبت
کر سکتی ہے۔

پنی کی حالت قابل رحم ہو گئی۔ مدن موہن کے ایک ایک لفظ نے اُس کے ساتھ
زہریلے بچھو کے ڈنک کا سا اثر کیا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا
تھا۔ مدن موہن اُس کی حالت کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی بےچینی کی حد نہ تھی۔ بے
قراری بڑھ رہی تھی۔ لیکن تمام قصہ سنا کر مدن موہن نے پھر کہا۔ پیاری اسی واسطے کہتا تھا
کہ میں نے تمہارے ساتھ دغا کی ہے۔ تم کی تصویر اب تک کلیجے سے لگائے ہوئے ہوں

اور مرتے دم تک جدا نہ کروں گا۔ مرتے وقت لوگوں سے کہہ جاؤں گا۔ کہ یہ تصویر میرے کلیجے سے جدا نہ کی جائے۔ بلکہ میرے ساتھ ہی چتا پر رکھ کر پھونک دی جائے۔

پتی نے گھبرا کر کہا۔ تو کیا میں اس تصویر کو ایک نظر دیکھ سکتی ہوں۔

مدن موہن "بیشک دیکھ سکتی ہو"

یہ کہکر اُنہوں نے جیب سے تصویر نکال کر اُس کے سامنے رکھ دی۔ جیسے دیکھتے ہی وہ بڑے زور سے چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ ٹھیک اُسی وقت بھیروں پرشاد کمرے میں آ موجود ہوا۔

دو گھنٹے کے بعد جب پتی ہوش میں آئی۔ تو اُس نے مدن موہن کے بدلے بھیروں پرشاد کو اپنے سامنے دیکھا۔ جیسے دیکھتے ہی پھر اُس نے ایک چیخ ماری۔ اور بیہوش ہو گئی۔ لیکن یہ بیہوشی بہت دیر تک قائم نہ رہی۔ اور وہ جلدی ہی ہوش میں آ گئی۔

دوبارہ ہوش میں آنے پر اس نے آنکھیں مل کر بھیروں پرشاد کو دیکھا۔ اور رونی آواز سے کہا میں کیسا گورکھ دھندا دیکھ رہی ہوں۔

اس پر بھیروں پرشاد نے کڑک کر کہا۔ پتی یہ گورکھ دھندا نہیں۔ تیرے پاپوں کی سزا کا وقت ہے۔ ذرا آنکھیں کھول ہوش میں آ۔ اٹھ کر بیٹھ۔ اور جو میں کہتا ہوں۔ اُسے غور سے سن۔

یہ سُن کر پتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور بھیروں پرشاد کی شکل دیکھ کر چلا اٹھی۔ آپ کی یہ حالت؟

بھیروں پرشاد۔ یہ سب میرے اعمال کا اثر ہے۔ گھبرائے جانے دے۔ اگر تجھے اپنی جان پیاری ہے۔ تو جو کچھ میں پوچھتا جاؤں۔ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے۔

پتی۔ بہ دل لئے چند لمحے گئے۔ افسوس میں بے طرح الجھ گئی۔

بھیروں پرشاد [illegible] جس طرح [illegible] حضرت [illegible]

مدن موہن نہیں نہیں رائے چند کو ٹھگنا چاہتی تھی۔"

پتی "افسوس! میری تصویر میرا کال ثابت ہوئی۔ میں نہیں جانتی تھی۔ کہ یہ تصویر ایک دن اصلی چیز کا خاتمہ کر دے گی۔

بھیروں پرشاد "لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل۔ اگر اب بھی تو اپنی جان بچانا چاہے۔ تو بچ سکتی ہے۔"

پتی - کیونکر؟"

بھیروں پرشاد "اسطرح کہ جس نے تیرے باپ اور گھنشام کو مارا ہے۔ اُس کا پتہ بتلادے"

پتی "نہیں! ایسا تو میں کبھی نہ کرونگی۔"

بھیروں پرشاد "ایسا تو تیرا مرا ہوا باپ بھی کریگا۔ جو نرک میں پڑا ہوا تیرے نام کو روتا ہوگا۔"

اتنا کہکر بھیروں پرشاد نے پتی کے گال پر طمانچہ مارا۔ وہ تلملا کر منہ کے بل گر پڑی۔ اور منہ سے خون بہنے لگا۔ یہ حال دیکھ کر مدن موہن جو دوسرے کمرے میں چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ باہر نکل آئے۔ اور بھیروں پرشاد کی طرف غضب آلودہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ بھیروں پرشاد تمہارے جیسا بے رحم شخص شاید ساری دنیا میں بھی نہیں ملیگا تمہیں میری پیاری پر ہاتھ اٹھانے کا کیا حق تھا۔ بس ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔ اور پھر اپنا منہ نہ دکھلاؤ۔ ورنہ ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔

یہ سنتے ہی بھیروں پرشاد مسکرا کر یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ کہ میں نہیں جانتا تھا کہ تم بھی گئے گذرے ہو۔ اور اس غلیظ عورت پر منہ ڈال چکے ہو۔

بھیروں پرشاد کے جانے پر مدن موہن نے بڑے پیار سے پتی کو اٹھا کر اُس کا منہ دھویا۔ خون بند ہونے کے لئے دوا لگائی۔ جس سے فوراً خون بند ہو گیا۔ پھر اسے پلنگ پر لا کر لٹا دیا۔ مدن موہن کا سلوک دیکھ کر پتی سب کچھ بھول گئی۔ اور ان کے گلے

میں بالیں ڈالکر بولی۔ پیارے! کیا سچ مچ تم نے مجھ سے دغا کی۔ اور کیا سچ مچ مجھے پھانسی پر چڑھوا دوگے۔ ہائے! اسی لئے تم نے میرے دل کا خون کیا۔ اور یہاں لاکر یہ جھگڑا کھڑا کر دیا!

مدن موہن نے پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ میں بھیروں پرشاد کا رشتہ دار ہوں۔ اور جب وہ بھاگ گیا۔ اور اُس کے گھر کی پولیس نے تلاشی لینا شروع کی۔ تو اُس وقت میں وہاں موجود تھا۔ اتفاقاً تمہارا فوٹو میرے ہاتھ لگا۔ میں اسے دیکھتے ہی ہزار جان سے تم پر عاشق ہو گیا۔ خیر اب تک۔ تو جو باتیں تم نے مجھ سے کی ہیں۔ دل کا اصلی بھید چھپا کر کی ہیں۔ اور میں نے بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی کیا ہے۔ لیکن مطلب کی بات یہ ہے۔ کہ میں تمہارے حسن کا شیدائی ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ تمہیں جیتے جی اپنے سینے سے جدا نہ کروں۔ اور اسی خیال سے میں تمہیں یہاں لے آیا ہوں اگر میرے دل میں تمہاری دلی محبت نہ ہوتی۔ تو تمہاری ناز برداری کیوں کرتا۔ اپنے رشتہ دار کو تمہاری خاطر کیوں گالیاں دیکر گھر سے نکالتا۔ اور کیوں اب تک تمہیں پولیس کے حوالے نہ کر دیتا

مدن موہن کی زبان سے یہ باتیں سُنکر پتی پھر پگھل گئی۔ اور بولی۔ تو پیارے! کیا سچ مچ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔

مدن موہن: "بیشک اور سچے دل سے لیکن اس وقت تم بلا میں پھنسی ہوئی ہو۔ اگر تم میرا کہنا مانو۔ تو میں تمہیں اس بلا سے بچا لوں گا۔ اور مرتے دم تک اپنی آنکھوں سے اوٹ نہ ہونے دوں گا۔"

پتی: "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے!!"

مدن موہن: "اس طرح کہ تم سرکاری گواہ بن کر خونی کا پتہ بتا دو۔ سرکار تمہیں رہا کر دیگی پھر میرا اور تمہارا تعلق ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے گا۔"

پتی: "لیکن اس کا نام تو میں کبھی نہ بتاؤں گی۔ چاہے جان جائے یا رہے۔"

مدن موہن: "پھر تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں ہے۔ تمہاری

آنکھوں کے سامنے اُس موذی نے تمہارے باپ کو قتل کر ڈالا۔ لیکن پھر بھی تم اُسے ابھی تک پیار کرتی ہو۔ اور تمہارا دل اس پر مائل ہے۔"

پتنی روتے روتے "آپ جو چاہیں سمجھیں۔ لیکن ایک سبب ایسا ہے۔ کہ میں اس خونی کے بارے میں جب تک کہ وہ زندہ ہے کچھ نہیں بتلا سکتی۔ ہاں اگر وہ آج مرجائے۔ یا کسی طرح اُسے پھانسی یا جلاوطنی کا حکم ہو جائے۔ تو یہ بھید میں آپ سے فوراً کہہ دوں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ کمبخت آج ہی پرلوک سدھارے۔ لیکن کروں کیا۔ اُس کی موت میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگر موقعہ ملے۔ تو میں خود اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب تک وہ زندہ اور آزاد ہے۔ میں اُس کے برخلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکال سکتی۔"

مدن موہن نے ہزار سر پٹکا۔ لیکن پتنی نے نام نہ بتلایا۔ آخر انہوں نے کہا۔ "تو کیا تم یہ سمجھتی ہو۔ کہ میں اُس خونی کو جانتا ہی نہیں۔

پتنی "اگر جانتے ہو تو اس کا نام بتلاؤ؟"

اس پر مدن موہن نے اس کے کان میں ایک آدمی کا نام بتلا کر کہا۔ کیوں! اب تو ٹھیک ہے نا؟ بس کہو؟ میں نے اُس خونی کو پہچان لیا یا نہیں؟

اس پر پتنی مدن موہن کا ہاتھ پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں لے گئی۔ اور وہاں اُن دونوں میں دو گھنٹے تک نہ جانے کیا کیا باتیں ہوتی رہیں۔ جب وہ دونوں کوٹھڑی سے نکلے۔ تو دونوں کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔

چوتھا باب

پھاگن کا مہینہ شروع ہو گیا۔ راجہ کرشن کشور شیو پرشاد کا پتہ لگانے کے لئے بنارس آئے۔ کیونکہ ان کی سزا کی میعاد ختم ہو چکی تھی۔ پہلے تو وہ جیل خانے کے افسر سے ملے اور شیو پرشاد کا پتہ پوچھا۔ جیل کے افسر نے رجسٹر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ فلاں فلاں تاریخ کو چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

کرشن کشور۔ مایوس ہو کر جیل سے لوٹے۔ پھر مجسٹریٹ صاحب کے دفتر میں پہونچے۔ جہاں بابو شیو پرشاد پہلے کام کرتے تھے۔ مگر جب وہاں سے بھی ناامید ہو کر واپس لوٹنے لگے تو ایک چپراسی نے جو ان کی طرف کان لگائے ہوئے تھا۔ باہر آ کر سلام کے بعد پوچھا۔ آپ کس شیو پرشاد کا پتہ لگا رہے ہیں۔

کرشن کشور۔ (سلام کا جواب دیکر) بابو شنکر پرشاد کے بیٹے ہر پرشاد اور شیو پرشاد کا۔ کیا تم عدالت کے چپراسی ہو"

چپراسی۔ "جی ہاں۔ میں پہلے چھوٹی عدالت میں چپراسی تھا۔ اب کچھ دنوں سے ترقی پا کر بڑی عدالت میں کام کرتا ہوں آپ ہر پرشاد کے رشتہ دار ہیں؟"

کرشن کشور۔ "نہیں۔ دوست ہوں۔"

چپراسی۔ "آپ کا نام؟"

کرشن کشور۔ "کرشن کشور"

چپراسی۔ "آپ کہاں کے رہنے والے ہیں"

کرشن کشور۔ "گورکھپور کے"

چپراسی۔ "آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

کرشن کشور۔ "میں زمیندار ہوں۔"

چپراسی۔ "آپ زمیندار ہیں۔ اور آپ کے ہوتے ہوئے آپ کے دوستوں کا یہ حال ہو۔ وہ برباد ہو جائیں۔ اور آپ دیکھا کریں۔ یہ کیسی دوستی ہے؟"

کرشن کشور۔ "میں تمہاری ان فضول باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ اگر تم اُن لوگوں کی نسبت کچھ جانتے ہو۔ تو بتلاؤ ورنہ اپنی راہ لو۔"

چپراسی۔ "بیشک! میں ان کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ اور بتلاؤں گا بھی لیکن ابھی نہیں۔ کیونکہ جب تک مجھے پختہ یقین نہ ہو جائے۔ کہ آپ سچ مچ ان کے دوست ہیں اور ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ میں نہیں بتاؤں گا۔ اس لئے اس وقت آپ جائیے۔ کل اتوار ہے۔ کچہری بند رہے گی۔ اور مجھے بھی فرصت ہو گی۔ کل آپ دس بجے یہاں تشریف لے آئیگا۔ جیسا حال ہو گا۔ آپ کے گوشگذار کر دوں گا۔"

کرشن کشور۔ "تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔"

چپراسی۔ "یہ دیکھئے۔ آپ کا نام پتہ وغیرہ میں نے لکھ لیا ہے۔ اگر بابو شیو پرشاد آپ سے ملنا چاہیں گے۔ تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اور ان سے آپ کی ملاقات کرا دوں گا۔ اور اگر آپ ان کے دوست نہ ہوئے۔ تو میں کل آپ کو کورا جواب دیدونگا اب تو آپ نے میرا مطلب سمجھا نا؟"

چپراسی کی باتیں سُنکر راجہ کرشن کشور بڑے حیران ہوئے۔ کہ یہ کمبخت حیوان ہے یا انسان۔ اتنی دلیل بازی کرنے سے اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ میری ہر پرشاد وغیرہ سے دوستی تو ایک طرف رہی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں شیو پرشاد کیا جواب دینگے۔ اسی اُلجھن میں لگے ہوئے راجہ کرشن کشور نے کہا تمہارا نام کیا ہے؟

چپراسی: سیوا!

کرشن کشور: سنو سیوا۔ میں سچّی بات تم سے کہے دیتا ہوں۔ بابو ہر پرشاد یا شیو پرشاد سے میری جان پہچان نہیں ہے۔ لیکن اُن کے گھر کی عورتیں سدامنی۔ کدمنی وغیرہ جہاں ہیں مَیں وہیں سے آیا ہوں۔ بلکہ ایک طرح اُن عورتوں کا بھیجا ہؤا ہوں۔ اور میرا مطلب صرف ہرپرشاد وغیرہ کا پتہ لگانا ہی ہے۔ اگر وہ لوگ مجھ سے ملنا چاہیں تو لے چلنا۔ ورنہ جواب دے دینا۔

یہ کہکر وہ لوٹ چلے تھے۔ کہ سیوا نے اونہیں روکا اور کہا۔ تو کیا ان عورتوں کو آپ ہی نکال کرلے گئے ہیں؟

یہ سُنتے ہی راجہ کرشن کشور کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور انہوں نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ جما کر کہا۔ خبردار! اگر پھر یہ بات اُن نیک اور پارسا عورتوں کی نسبت کہی۔ تو سر کاٹ ڈالوں گا۔

اُن کا غضبناک چہرہ دیکھ کر سیوا نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ صاحب! قصور ہؤا۔ معاف کیجئے۔ جن عورتوں کی شان میں مَیں نے ایسا کلمہ کہا ہے۔ وہ سب میری ماں بہن ہیں۔ میں نے یہ اس لئے کہا تھا۔ کہ اُن کے چچا دیوی پرشاد نے یہاں پر مشہور کر رکھا ہے۔ کہ وہ عورتیں کسی بدمعاش کے ساتھ نکل گئی ہیں۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ بابو شیو پرشاد اب اُن کا نام سننے سے بھی گھبراتے ہیں۔

راجہ صاحب کدمنی اور بُدھیا کی ماں کی زبانی دیوی پرشاد کا حال سُن چکے تھے اس لئے وہ کڑک کر بولے۔ اُس کمبخت کا نام نہ لو۔ وہ انسان نہیں شیطان ہے۔

اتنا کہہ کر انہوں نے دیوی پرشاد کی شرارت کا حال سیوا سے بیان کیا۔ پھر یہ بھی کہا۔ کہ ان بے چاروں نے جو اتنے دکھ اٹھائے ہیں اُسی خبیث کی وجہ سے۔ اور اگر وہ شیطان اُن پر جور وظلم نہ کرتا۔ تو وہ اپنا دیس چھوڑ کر پردیس کی مٹی کیوں پھانکتی۔

یہ سنکر سیوا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ صاحب نے گھنٹی بجائی۔ وہ راجہ صاحب کو ٹھہرنے کے لئے کہکر جھٹ اندر چلا گیا۔ اور یہ برآمدے میں چہل قدمی کرنے لگے۔

ڈیڑھ گھنٹہ بعد جب کچہری برخاست ہوئی۔ تو سیوا باہر آیا۔ اور کہنے لگا۔ صاحب! اب آپ میرے ساتھ چلئے۔ جب آپ بابو شیو پرشاد کے دوست ہیں۔ اور انکی عورتوں کے پاس سے آئے ہیں۔ تو چلئے میں ابھی آپ کو ان کے پاس لے چلتا ہوں۔

کچہری سے باہر آکر راجہ کرشن کشور سیوا سے یہ کہکر اپنی گاڑی پر سوار ہوئے۔ کہ جہاں وہ لوگ ہوں چلو۔ یہ سنکر سیوا بھی "جو آگیا" کہکر کوچ بکس پر جا بیٹھا۔ اور گاڑی چل کھڑی ہوئی۔

کچھ دور جاکر گاڑی یکایک رک گئی۔ کیونکہ سڑک پر انبوہ کثیر جمع ہو رہا تھا۔ اور وہ مجمع آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہؤا آرہا تھا۔ جب وہ انبوہ گاڑی کے پاس سے ہو کر نکلا۔ تو کرشن کشور نے گاڑی سے سر نکال کر دیکھا۔ کہ دس بارہ پولیس کے سپاہی ایک شریف آدمی کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے حوالات کی طرف لے جارہے ہیں۔ اور لوگ ان کو گھیرے ہوئے جارہے ہیں۔ اُس قیدی کو دیکھتے ہی سیوا کوچ بکس سے نیچے کود پڑا۔ اور بھیڑ کو چیرتا ہؤا اندر گھُس کر سپاہیوں سے بولا۔ کیوں جی! اس کو کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟

یہ سنکر ایک کنسٹبل نے کہا۔ اس نے دوسرے کے نام کے جعلی دستخط بنا کر دس ہزار روپے بنک سے اڑائے ہیں۔ اور اس کے گھر سے ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے۔

سیوا "۔ وہ لاش کہاں ہے؟"

کانسٹبل "۔ ہسپتال میں بھیجدی گئی ہے"۔

یہ سنکر سیوا نے اُس قیدی پر تھوک دیا۔ پھر گاڑی کے پاس آکر دروازہ کھول کر کرشن کشور کے پاؤں پر گر کر بولا حضور میرا قصور معاف کیجئے۔ افسوس! میں آپ کو پہچان نہ سکا۔

کرشن کشور "سیوا! تمہارا کچھ بھی قصور نہیں۔ تم نے جو کچھ کہا ہے۔ نا دانستگی میں کہا ہے۔ اِس لئے میں تمہیں معافی دیتا ہوں۔ مگر یہ بتلاؤ۔ کہ یہ کون شخص ہے۔ جسے پولیس اس قدر مستعدی کے ساتھ لئے جاتی ہے۔ اور جسے اتنے لوگ گھیرے ہوئے ہیں۔ سیوا نے کہا۔ صاحب! آپ سچ کہتے تھے۔ جو شخص قیدی کی حیثیت سے چلا جا رہا ہے وہی بدکار دیوی پرشاد ہے۔

یہ سُنتے ہی کرشن کشور نے پھر گاڑی سے منہ نکال کر اُس مجمع کی جانب نظر ڈالی جو کچھ دور چلا گیا تھا۔ اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ایشور تو دھنیہ ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے۔ کہ تو دنیا کا پُن اور پاپ نہیں دیکھتا۔ اور پاپی کو اُس کے پاپوں کی سزا نہیں دیتا۔

گاڑی چل دی۔ اور ایک جگہ آ کر ٹھہر گئی۔ سیوا نے کوچ بکس سے اُتر کر کہا۔ اب حضور کو تھوڑی دور تک گلی میں پا پیادہ چلنا ہوگا۔ کیونکہ جہاں میں آپ کو لے جاؤں گا وہاں سواری کا گذر نہیں ہے۔

"اچھی بات ہے۔" یہ کہکر وہ گاڑی سے نیچے اُترے۔ اور سیوا کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ ایک گلیوں کا چکر کاٹنے کے بعد ایک کچے مکان کے دروازے پر کھڑے ہوگئے سیوا انہیں باہر ٹھہرا کر آپ اندر گیا۔ پانچ دس منٹ کے بعد واپس آیا۔ اور راجہ صاحب کو اپنے ساتھ لے گیا۔

جب راجہ صاحب نے گھر کے اندر قدم رکھا۔ تو چراغ روشن ہو چکے تھے۔ چراغ کے اُجالے میں انہوں نے ایک بیمار کو تکیئے کے سہارے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ راجہ صاحب کو دیکھتے ہی بیمار شیو پرشاد نے کہا۔ میری قسمت کتنی اچھی ہے۔ کہ آپ جیسا چھتری راجہ اور گورکھپور کا راجکمار اس اندھیری کوٹھڑی میں مجھے ملنے کے لئے آیا ہے۔ معاف کیجئے۔ کہ میں اُٹھ کر آپ کی تعظیم نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں اسی حالت میں آپ کے سامنے

سر جھکاتا ہوں۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو۔ تو بیٹھ جائیے۔

کرشن کشور (بیٹھ کر اور گلے مل کر) "میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں"

شیو پرشاد "آپ کی مہربانی ہے۔ مگر یہ تو فرمائیے۔ کہ مجھ غریب اور نادار سے ملنے کے لئے آپ نے کیوں تکلیف فرمائی"

کرشن کشور "بتلاتا ہوں لیکن آپکے بڑے بھائی بابو ہر پرشاد کہاں ہیں؟"

شیو پرشاد "مجھے اُن کی کچھ خبر نہیں"

کرشن کشور "بابو مہادیو پرشاد اور بابو شیو اناتھ پرشاد؟"

شیو پرشاد "ان کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ میں نے کئی خط اُن کے نام جاپان لکھے۔ لیکن ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔ لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہا"

کرشن کشور "اور آپ کی بہنیں وغیرہ"

شیو پرشاد (ٹھنڈی سانس لیکر) افسوس! میں اپنے چچا دیوی پرشاد سے بے طرح ٹھگا گیا۔ اور اُن بے چاریوں پر جھوٹا ۔۔۔۔۔۔"

اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ گلا رونده گیا آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ یہ دیکھ کر راجہ صاحب نے کہا۔ اب یہی بہتر ہے۔ کہ آپ اپنے دل سے گذشتہ رنج و غم کے خیال کو دور کریں۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ مصیبت کے دن گذر چکے ہیں۔ ایام مسرت دوڑے دوڑے آ رہے ہیں۔ جس طرح آج آپ اپنی بہنوں سے ملیں گے۔ اور ان کا حال سنیں گے اسی طرح کل آپ اپنے بھائیوں سے بھی ملیں گے۔

شیو پرشاد نے اپنے آنسو پونچھ کر کہا۔ کیوں صاحب ہم لوگ تو آستک ہیں۔ ہندو ہیں۔ سناتن دھرمی ہیں۔ اور ایشور کو مانتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ جو لوگ پاپی ہیں دن رات پاپ کرتے ہیں۔ وہ تو سو سکھوں بھرتا و دیکر چین اڑاتے ہیں۔ اور جو لوگ دھرماتما اور ایماندار ہیں۔ وہ طرح طرح کی مصیبتوں میں پھنسے رہتے ہیں۔

یہ الفاظ بابو شیو پرشاد کے کلیجے کو توڑ کر نکلے تھے۔ راجہ صاحب پہلے تو تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے۔ مہاشیہ! مجھ میں اتنی قابلیت نہیں۔ کہ میں آپ کے سوال کا جواب دے سکوں۔ لیکن مہاتماؤں کے ست سنگ اور شاستروں کے مطالعہ سے جو کچھ مجھے معلوم ہوُا ہے۔ وہ سب آپ کو سناتا ہوں۔ دیکھئے! جیسا کہ آپ نے کہا ہے۔ ہم لوگ سناتن دھرمی ہیں۔ اِس لئے سورگ اور نرک کو بھی مانتے ہیں۔ اب سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ کہ پاپی اگر اچھی حالت میں نظر بھی آئیں۔ تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ سُکھ اُن کے پوربلے کرموں کا پھل ہے۔

پاپ کی ناؤ ایک نہ ایک دن ضرور ڈوبتی ہے۔ دیکھئے۔ دیوی پرشاد نے کچھ دن خوب مزے کئے۔ لیکن اب کیا حال ہے۔ ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہیں پولیس سختی کرتی ہے۔ نہیں معلوم کس طرح جان نکلے گی۔ اب کوئی اتنا بھی نہیں رہا کہ اُس کی لاش پر دو آنسو بہائے۔ کیا آپ اب بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ پاپ کا پھل ایشور نہیں دیتا؟ یہی بات نیک آتماؤں کے بارے میں سمجھنی چاہئے۔ اگر کوئی شخص نیک ہے۔ پاکباز ہے پرہیزگار ہے اور دُکھ اٹھاتا ہے۔ رنج و غم سہتا ہے۔ تو یہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ کہ یہ اُس کی پاک زندگی کا نتیجہ ہیں۔ نہیں۔ یہ تو اسکے پوربلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ کہ وہ تکلیف میں ہے۔ اُس کے اس جنم کے اعمالوں کا ثمرہ اُسے اگلے جنم میں ملیگا۔ جہاں تک میں نے شاستروں کا مطالعہ کیا ہے۔ یہی پتہ لگا ہے۔ کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے اعمالوں کا نتیجہ ضرور پاتا ہے۔ اس جنم میں یا اُس جنم میں اگر یہ نہ مانا جائے۔ تو ناستک ہونے کا اندیشہ ہے بعض بعض شخص ایسے بھی ہوئے ہیں۔ کہ جنہیں زمانہ مہاتما ہی سمجھتا رہا۔ لیکن وہ بہت ہی بُرے ہوتے نکلے۔ اور ایسی حالت میں بھی چین کرتے رہے۔ اب کیا آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ وہ اپنے بُرے اعمال کی سزا اگلے جنم میں نہ پائیں گے۔ ضرور پائیں گے۔ کیونکہ اگر پاپی کو اُس کے پاپ کا پھل نہ ملے۔ تو پھر قدرت کے انتظام میں خلل آ جانے کا اندیشہ ہے

اندھیر نگری چوپٹ راجہ والا معاملہ نہ ہو جائے۔ یاد رکھو۔ ہر شخص کو اُس کے کرموں کے مطابق پھل بھوگنا پڑے گا۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ کہ جو پاپی ہوتا ہے۔ وہ سُکھ بھوگتا ہے۔

راجہ کرشن کشور کی باتیں سنکر بابو شیو پرشاد مطمئن ہو گئے۔ ان کے چہرے پر مسرت کی جھلک دوڑ گئی۔ انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ کی قابلیت اور ذہانت پر آپ کو تہِ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کا جواب سُن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ میرے دل کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اور اس اپکار کے لئے جہاں تک میں آپ کا شکریہ ادا کروں تھوڑا ہے۔

راجہ کرشن کشور نے کہا۔ آپ کی عنایت ہے۔ کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔ اور میری تعریف کرتے ہیں۔ ورنہ من آتم کہ من دانم۔ میں نے تو شاستروں کو پڑھا ہی کیا ہے اپنی عقل کے مطابق آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔ اب آپ بُرا کہیں یا بھلا۔ ہاں ایک بات اور کہتا ہوں۔ یعنی ہارئے نہ ہمت بسارئے نہ ہری نام۔ تا بدھ رہیے جا بدھ راکھے رام مہاشہ! جو نیک اور دھرماتما آدمی ہوتے ہیں۔ وہ مصیبت کے وقت ہمت نہیں ہارتے۔ دیکھئے۔ گوسائیں تلسی داس کہتے ہیں۔

دھیرج۔ دھرم۔ متر و نا ری
آفت کال پرکھیا چا ری

یعنی مصیبت کے وقت ہی صبر۔ دھرم۔ دوست اور استری کا امتحان ہوتا ہے اس لئے جو کچھ گذر گیا۔ اُسے جانے دو۔ درآئندہ زمانے کا خیال رکھو۔ مثل مشہور ہے گذشتہ راصلوٰۃ آئندہ را احتیاط۔ یقین جانئے۔ کہ اگر پاپی پر مصیبت آتی ہے۔ تو اس کا ستیاناس کئے بغیر نہیں رہتی۔ لیکن جہاں نیک جیو والا شخص اس کے چنگل میں پھنستا ہے۔ وہ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ مہاتماؤں نے کہا ہے
کہ جیسے سونا کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ اسی طرح مصیبت آدمی کے پرکھنے کی ایک

کسوٹی ہے۔

بابو شیو پرشاد اور بھی خوش ہوئے۔ اُن کے بھرے دل میں خوشی کی ترنگیں اُٹھنے لگیں دل میں جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے سیوا چپراسی کی طرف نظر ڈال کر کہا۔ صاحب! میں اب تک کبھی کا مر چکا ہوتا۔ صرف اسی کی بدولت زندہ نظر آرہا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا۔ کہ نیچ کُل میں بھی کبھی کبھی دیوتا جنم لیتے ہیں۔ میرا پیارا سیوا اُنہیں دیوتاؤں میں سے ہے۔ یہ وفادار دوست پہلے میرے ہاں نوکری کرتا تھا۔ مگر اس نے میرے ساتھ وہ بھلائی کی۔ جو بھائی بھائی کے ساتھ۔ باپ بیٹے کے ساتھ یا جورو شوہر کے ساتھ نہیں کرتی۔ اس نے کھائے ہوئے نمک کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ اور میرے سر پر احسان کا اتنا بھاری بوجھ لاد دیا ہے کہ میں کئی جنم تک ہلکا نہ ہو سکوں گا۔

سیوا ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ راجہ صاحب نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ بھائی سیوا! تمہاری جرح سے تنگ آکر میں نے تمہیں بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔ اس لئے بُرا نہ ماننا۔

بابو شیو پرشاد کہنے لگے۔ راجہ صاحب! اس میں ایک خوبی نہیں بلکہ کئی خوبیاں ہیں۔ اور اتفاق سے استری بھی ویسی ہی سُشیل ہے جیسا خود نیک ہے۔ اُس جیسی نیک عورت شریف اور بڑے گھرانوں میں بھی ڈھونڈھنے سے نہ ملیگی۔ مجھے جیل میں کمبخت دیوی پرشاد نے میرے گھر کی عورتوں کے نکل جانے اور بڑے بھائی کے سنیاس دھارن کرنے کی خبر سنائی تھی۔ جسے سُن کر میں سخت پریشان ہوگیا تھا۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے۔ کہ قریب المرگ تھا۔ بخار آنے لگا۔ آخر قید سے رہائی پاکر اس نیت سے گنگا کنارے آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ کہ اپنا کالا منہ کسی کو نہ دکھاؤں۔ اور جل کر ڈوب مروں۔ لیکن نہیں۔ پھر خیال آیا کہ انسان کو مصیبتوں سے تنگ آکر خودکشی نہ کرنی چاہئے۔ اس خیال کے آتے ہی میں سڑک پر ہو لیا۔ بازار میں چلتے ہی سے تھا۔ ایک ٹمٹم آئی۔ اور میں اس کے دھکے سے گر گیا اُس کا ایک پہیہ میرے پاؤں پر سے گذر گیا۔ بس [illegible]

ہوگیا۔ کئی گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد جب ہوش و حواس درست ہوئے۔ تو میں نے اپنے تئیں اسی کوٹھڑی میں پایا۔ سیوا اور اُس کی استری میری خدمت میں سرگرم تھے۔ سیوا سے پوچھنے پر معلوم ہوُا۔ کہ جب میرے پاؤں سے گاڑی کا پہیا نکل گیا۔ تو میں بالکل بیہوش تھا۔ اور سڑک پر پڑا تھا۔ میرے چاروں طرف ایک اچھا خاصہ مجمع کھڑا ہوگیا۔ کچہری سے لوٹ کر سیوا ابھی گھر آتا تھا۔ مجھے برلب سڑک پڑا ہوُا دیکھ کر اُس نے ڈولی کرائے پر کی اور مجھے گھر اُٹھا لایا۔ پھر سول سرجن اور اسسٹنٹ سرجن کو بلا کر میرے پاؤں کا علاج کرنے لگا

میرے پاؤں کی ہڈی جو ٹوٹ گئی تھی۔ اب بالکل ٹھیک ہوگئی ہے۔ پٹی بھی دو چار روز ہوئے کھول دی گئی ہے۔ سب ڈاکٹروں کی رائے ہے۔ کہ ابھی دس پانچ دن کھڑے ہونا۔ چلنا۔ پھرنا یا پاؤں پر زور دینا ٹھیک نہیں یہی وجہ تھی۔ کہ میں آپ کی تعظیم کے لئے اُٹھ نہیں سکا۔

کرشن کشور :۔ پرماتما کی کرپا سے اب آپ اچھے ہوگئے ہیں۔ یہی بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپکی بیماری میں دیوی پرشاد آپ کو دیکھنے کے لئے برابر آتا ہوگا؟"

شیو پرشاد :۔ صاحب! اُس خبیث کا نام نہ لیجئے۔ دیکھئے اُس نے اپنے کئے کا پھل ہاتھوں ہاتھ پا لیا۔"

کرشن کشور :۔ ابھی نہیں۔ بلکہ ابھی تو پائیگا۔ اگر ہو سکا۔ تو میں بھی ایک دن اُس کی مزاج پرسی کے لئے جاؤں گا۔"

شیو پرشاد :۔ نہیں! جانے دیجئے۔ آپ جا کر کیا کرینگے۔ سیوا سے میری بیماری کا حال سُنکر وہ ایک روز آیا تھا۔ اور بہت کچھ افسوس ظاہر کرکے مجھے اپنے گھر لے چلنے اور ہر طرح کی خدمت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اس کی رائے سیوا کو پسند نہ آئی۔ اِس لئے میں نے بھی جانے سے انکار کر دیا۔"

کرشن کشور :۔ ٹھیک ہے۔ لیکن پھر تو وہ موذی نہ آیا ہوگا۔"

شیوپرشاد: نہیں صاحب! پھر وہ کیوں آنے لگا تھا۔ اور کیا وہ سچ مچ مجھے لیجاتا یا میری مدد کرتا۔ کبھی نہیں۔ اب اس کا دلی مطلب میری سمجھ میں آیا۔ یعنی یا تو وہ مجھے لے ہی نہ جاتا۔ اور اگر لے جاتا۔ تو میں کبھی کا مر گیا ہوتا۔"

کرشن کشور نے دیوی پرشاد کے ظلم وستم کا تذکرہ سُن کر سدا منی وغیرہ کا غازی پور جا کر رہنا اور مصیبتوں کا جھیلنا بیان کیا۔ لیکن یہ نہ کہا۔ کہ میں کدمبنی پر ہزار جان سے عاشق ہوں۔ کیونکہ کدمبنی کے بڑے بھائی سے ایسا کہنا کرشن کشور کے لئے ٹھیک نہیں تھا۔

اسی قسم کی بات چیت ہوتی رہی۔ اتنے میں سیوا جو دوران گفتگو میں باہر چلا گیا تھا دوڑا ہوا اندر آیا۔ اور کہنے لگا۔ اب موذی دیوی پرشاد پھانسی پر چڑھے بغیر نہ رہیگا یہ سنتے ہی کرشن کشور اور شیوپرشاد حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ کیوں! کیوں!! کیا ہوا؟

سیوا: مجھے ابھی اس محلے کے آدمی سے۔ جس میں دیوی پرشاد کا مکان ہے۔ خبر ملی ہے۔ کہ جو عورت دیوی پرشاد کے گھر میں رہتی تھی۔ کل کسی بات پر اُس سے خوب لڑائی ہوئی۔ اور وہ عورت کل رات پھانسی لگا کر مر گئی ہے۔ آج دوپہر تک جب اُس نے کوٹھڑی کا دروازہ نہ کھولا۔ تو دیوی پرشاد دروازہ توڑ کر اندر گھسا۔ عورت کو لٹکتے ہوئے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اُدھر صدر دروازہ توڑ کر پولیس اندر گھس آئی۔ اور اُسے پھانسی پر لٹکی ہوئی عورت کی کوٹھڑی ہی میں گرفتار کر لیا۔ اس لئے میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ پولیس اُس عورت کی پھانسی کا جرم دیوی پرشاد پر عاید کرے گی۔ اور اس جرم کے ثابت ہو جانے پر اُسے پھانسی نہیں۔ تو کیا راجہ اندر کا سنگھاسن ملیگا۔

شیوپرشاد: تو کیا اب اُس کی جان کسی طرح نہیں بچ سکتی؟"

کرشن کشور:- "کیا ایسے آدمی پر بھی آپ رحم کر سکتے ہیں۔ جس نے اپنی عمر میں بھلائی کا کام ہی نہ کیا ہو"

شیو پرشاد:- "میرے خیال میں ایسے آدمیوں پر بھی رحم کرنا چاہیئے"

کرشن کشور:- "تو گویا دنیا کو غلط راستہ دکھلانا چاہیئے"

شیو پرشاد:- "جی نہیں۔ آپ نے میرا مطلب نہیں سمجھا میرے خیال میں ایسے پاپی کو موت کی سزا نہیں دینی چاہیئے۔ کیونکہ اُسے پورا پورا بدلہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ اسے تمام عمر قید میں رکھا جائے۔ اور اذیتیں دی جائیں۔ تاکہ دنیا والوں کو اُس کی زندگی سے سبق حاصل ہو"

کرشن کشور:- "ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے پہلے آپ کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔ آپکی رائے بالکل ٹھیک اور درست ہے۔ میں آپ کی تائید کرتا ہوں۔ اگر آپ منظور کریں۔ تو کل میں آپ کو غازی پور لے چلوں"

یہ سُن کر کچھ دیر شیو پرشاد چپ رہے۔ آخر کار مان گئے۔ دوسرے دن پہر دن چڑھے ایک پالکی آئی۔ جس پر شیو پرشاد سوار کرائے گئے۔ جس وقت وہ روانہ ہوئے۔ سیوا اس کی استری حتےٰ کہ بچے بھی رونے لگے۔

راجہ کرشن کشور چلتے وقت دو سو روپے کے نوٹ سیوا کو دینے لگے۔ لیکن نوٹ دیکھ کر اُس نے ایسا منہ بنایا۔ کہ پھر انہیں کچھ کہنے سننے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ہاں اس کے دونوں بچوں کے گلے میں دو سونے کی زنجیریں جن کی قیمت چار سو روپے سے کم نہ ہوگی ڈال دیں۔ اس پر سیوا پھر بولا تو سہی۔ لیکن کرشن کشور کی ڈانٹ ڈپٹ سے خاموش ہو گیا

الغرض شیو پرشاد کی پالکی گھاٹ کے کنارے پہنچائی گئی۔ وہ پالکی سے اتر کر بجرے کے اندر مخملی پلنگ پر جا لیٹے۔ اُن کے پلنگ کے پاس دوسرے پلنگ پر کرشن کشور بیٹھ گئے اور انکے حکم سے بجرا کھول دیا گیا۔

بولو گنگا مائی کی جے! یہ کہکر ملاح آہستہ آہستہ بجرے کو پانی میں چلانے لگے۔

پانچواں باب

یہ ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں۔ کہ بابو ہری ناتھ نے عین موقع پر پہنچکر کامنی کی عصمت اُن کمبختوں کے ہاتھ سے بچائی تھی۔ اب وہ سدامنی وغیرہ کے گھر کے دروازے پر تلوار لیکر بیٹھ گئے۔ کہ کہیں وہ لوگ پھر ادھر کا رُخ نہ کریں۔

ہری ناتھ نے کامنی سے پوچھا۔ تم لوگ یہاں کیسے آگئے۔ اور تم اُن بدمعاشوں کے پاس کس لئے گئی تھیں؟

یہ سوال سنتے ہی کامنی نے اپنا اور اپنے گھر والوں کا کل حال کہہ سُنایا۔ ہری ناتھ نے کہا۔ تو کیا بابو ہر پرشاد۔ شیو پرشاد وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں لگا؟

کامنی:۔ "کون پتہ لگاتے!"

ہری ناتھ:۔ "تو مجھے کیوں خبر نہ دی"

اس پر کامنی نے مسکرا کر کہا۔ آپ تو ولایت گئے تھے نا؟ آپ کا کہیں پتہ بھی تھا؟ پھر خبر کیسے دیتی؟

ہری ناتھ نے موچھوں پر تاؤ دیکر کہا۔ تو کچھ پرواہ نہیں۔ اب تو آگیا ہوں۔ اب تمہارے بھائیوں کو اس طرح کھوج کر نکالوں گا جیسے غوطہ زن سمندر سے موتی نکالتے ہیں۔

کامنی:۔ لیکن آپ تو ولایت سے صاحب بن کر آنے والے تھے۔ میں دیکھتی ہوں۔ آپ

ویسے ہی بنے ہوئے ہیں۔ جیسے ولایت جانے سے پہلے تھے"۔

ہری ناتھ:- "کچھ نہ پوچھو۔ جب تک بمبئی نہیں پہنچا تھا۔ اُس وقت تک ولایت جانے کی ہوس تھی۔ لیکن وہاں پہنچکر میں نے سمندر کی اٹھتی ہوئی خوفناک لہروں کا تماشہ دیکھا۔ تو ہوش و حواس گم ہو گئے۔ اور میں نے ولایت جانے کا ارادہ ترک کر دیا"۔

کامنی:- "کیا ڈر گئے تھے؟"

ہری ناتھ:- "واہ! میں کس سے ڈرنے والا ہوں؟ مگر جان بوجھ کر اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالنا کونسی دانائی ہے؟"

کامنی:- "تو اتنے لوگ جو ولایت آیا جایا کرتے ہیں۔ انہیں جان پیاری نہیں؟"

ہری ناتھ:- "کبھی نہیں۔ وہ تو شیطان ہیں۔ خیر اس معاملے کو جانے دو۔ اور یہ بتاؤ۔ کہ جو بکس میں تمہیں دے گیا تھا۔ وہ کیا ہوا؟"

کامنی:- "اُس میں دس ہزار کے نوٹ تھے نا؟"

ہری ناتھ:- "ہاں!"

کامنی:- "اُن نوٹوں میں سے بڑے بھیا نے ایک بھی نہیں لیا۔ جوں کے توں بنک میں جمع کرا دئے تھے"۔

ہری ناتھ:- "اُن کی رسید بخیر ہے؟"

کامنی:- "ہاں! میں اسے جان سے بھی زیادہ حفاظت کے ساتھ رکھتی ہوں"۔

یہ کہکر اُس نے گھر کے اندر سے رسید لا کر ہری ناتھ کے حوالے کی۔ اُنہوں نے اُسے جیب میں ڈال کر کہا۔ بھلا یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ کرشن کشور کون شخص ہے۔ جس کے ہاں کدمبنی رہتی ہے۔ اور جو اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔

یہ سنتے ہی کامنی نے ہری ناتھ کے ہاتھ میں کرشن کشور کا وہ خط دیا۔ جو انہوں نے سدامنی کے نام لکھا تھا۔

ہری ناتھ نے کرشن کشور کا خط پڑھا۔ انہیں کامنی سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ اُس نے اس خط کے جواب میں کرشن کشور کو کیا لکھا تھا؟"

صبح کی سفیدی نمودار ہوئی۔ پو پھٹتے ہی ہری ناتھ کامنی اور بدھیا کی ماں کو ہوشیاری کے ساتھ گھر میں رہنے کے لئے کہکر چلتے بنے۔ اور بات کی بات میں راجہ کرشن کشور کے مکان پر پہنچ گئے۔

ابھی آفتاب طلوع بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ بابو ہری ناتھ راجہ کرشن کشور کے مکان کا دروازہ توڑنے لگے۔ اتنا شور مچایا۔ کہ دربان جو گہری نیند سو رہا تھا۔ آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھاٹک کھول کر بابو ہری ناتھ کو سلام کرتا ہوا بولا آپ کسے ڈھونڈھتے ہیں؟

ہری ناتھ "کرشن کشور نامی کوئی شخص اس گھر میں رہتا ہے؟

دربان "ہاں صاحب! یہیں رہتے ہیں۔ لیکن انہیں لوگ راجہ صاحب کہتے ہیں"

ہری ناتھ "موقع پڑنے پر میں بھی کہوں گا بالفعل انہیں ملنا چاہتا ہوں"

دربان "لیکن وہ تو کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں"

ہری ناتھ "کہاں؟"

دربان "معلوم نہیں"

ہری ناتھ "کیا تم یہ بھی بتلا سکتے ہو۔ کہ وہ کب تک آئیں گے؟"

دربان "نہیں صاحب! مجھے معلوم نہیں"

یہ سنتے ہی بابو ہری ناتھ وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ جاتے جاتے برلب سڑک انہیں ایک تین منزلہ مکان دکھائی دیا۔ جس کا صدر دروازہ مقفل تھا اور جس پر ٹو لیٹ کا بورڈ آویزاں تھا۔

یہ پڑھ کر انہوں نے لوگوں سے مالک مکان کا پتہ دریافت کیا معلوم ہوا کہ یہ مکان بابو رنگ لال دوبے کا ہے۔

یہ سنکر وہ دوبے جی کے گھر پہنچے۔ لیکن اُن کے دروازے پر ایک جم غفیر کھڑا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے لوگوں سے اِس انبوہ کثیر کے جمع ہونے کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہُوا۔ کہ دوبے جی کا چھوٹا لڑکا مر گیا ہے۔ اسلئے یہ کہرام مچ رہا ہے۔ کئی دنوں سے وہ لڑکا بیمار تھا۔ ڈاکٹر نے جب جراحی کا عمل کیا۔ تو اس سے تکلیف برداشت نہ ہو سکی۔ اور نشتر لگتے ہی مر گیا۔

بابو ہری ناتھ کامنی سے اس لڑکے کے تظالم کا تذکرہ سن چکے تھے۔ جو اس نے کدمبنی پر کئے تھے۔ اور اب چونکہ وہ دنیا سے چل بسا تھا۔ اس لئے اس کو برا بھلا کہنا مناسب سمجھ کر اُس نوجوان کی موت پر بہت افسوس ظاہر کیا۔ اور وہاں سے واپس چلے آنے کا ارادہ کیا۔

جن لوگوں سے ہری ناتھ کھڑے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں گیان چند نامی ایک معزز اور شریف شخص بھی موجود تھے۔ انہیں ہری ناتھ نہیں جانتے تھے۔ لیکن ہری ناتھ کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ انہوں نے ہری ناتھ سے پوچھا۔ کیا آپ دوبے جی کے پاس اس وقت کسی خاص مطلب سے آئے تھے ؟

ہری ناتھ:۔ "ہاں! کچھ ایسا ہی ضروری کام تھا۔ لیکن اس وقت میں کیا کہہ سکتا ہوں"

گیان چند نے کہا۔ کیا میں آپ کا مطلب جان سکتا ہوں۔

ہری ناتھ:۔ "آپ کا دوبے جی سے کیا تعلق ہے؟"

گیان چند:۔ "میں اُن کا گماشتہ ہوں۔"

ہری ناتھ:۔ "مگر صاحب! اس وقت کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں تو کہرام مچ رہا ہے۔"

گیان چند:۔ "ٹھیک ہے۔ ابھی ایک مہینے تک دوبے جی سے بات چیت کرنے کا موقع نہیں ملیگا۔"

ہری ناتھ:۔ "مگر میں کسی خاص معاملے میں اُن سے بات چیت کرنے کیلئے نہیں آیا تھا

فقط اس گھر کی چابی چاہتا ہوں۔ جو فلاں فلاں جگہ واقع ہے۔ اور جس پر ٹو لٹ کا بورڈ لگا ہؤا ہے"۔

گیان چند:۔ "بابو صاحب! اگر آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ کیونکہ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ اور آپ امیر ہیں۔ تاہم میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس لئے آپ کا یہ کام تو میں ابھی کر دیتا ہوں۔ آپ کو اس گھر کی چابی چاہیئے"۔

یہ کہکر اس نے ایک نوکر کو بلا کر چابی لانے کے لئے کہا۔ چابی ملنے پر ہری ناتھ نے کہا۔ اُس کا کرایہ کیا ہے؟

گیان چند:۔ "تیس ۳۰ روپے"۔

ہری ناتھ:۔ "تو جتنے مہینوں کا کرایہ آپ کہیں۔ میں پیشگی دے دوں؟"

گیان چند:۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ چابی لے جائیے۔ اور اپنا کام کیجئے۔ میں فرصت کے وقت خود جا کر کرایہ لے آؤں گا"۔

چابی لے کر اور مزدوروں کو بلا کر ہری ناتھ مکان پر پہنچے۔ اُسے اوپر سے نیچے تک صاف کرایا۔ پھر سرائے سے اپنا اسباب اُٹھا لائے۔ اور سدامنی وغیرہ کو بلانے کی فکر کرنے لگے۔

سدامنی اور مالتی کا بخار اُتر گیا تھا۔ انھوں نے جب رات کی واردات سُنی تو دنگ رہ گئیں۔ اور بحرِ تفکرات میں غوطے کھانے لگیں۔

لیکن کدمبنی نے یہ کہکر سب کو ہنسا دیا۔ کہ اب کچھ ڈر نہیں ہے۔ بابو ہری ناتھ آ گئے ہیں۔

اتنے میں راجہ کرشن کشور کا مقرر کردہ ڈاکٹر آ موجود ہؤا۔ نبض دیکھی دوا دی۔ اور نو دو گیارہ ہؤا۔ مالتی نے بھیروں پرشاد کی آمد کا حال سُنا کر کہا۔ کہ کرشن کشور خونی ہے "کرشن کشور خونی ہے"! یہ سنتے ہی سب کی سب گھبرا گئیں۔ اور سوچنے لگیں۔

ادھر تو یہ بات چیت ہو رہی تھی۔ اور اُدھر بابو ہری ناتھ پانچ پالکیاں لئے ہوئے دروازے پر آدھمکے۔ اور بُدھیا کی ماں کو آواز دی۔ کہ بڑھیا سب لوگوں کو کہدے کہ آکر پالکی میں سوار ہو جائیں۔

یہ سُن کر سب کی سب حیران و ششدر رہ کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ ہری ناتھ ٹھہرنے والی آسامی نہ تھے۔ جھٹ چوک میں جا پہونچے۔ اور سدامنی کو سلام کرنے کے بعد کہنے لگے۔ بس اب آپ لوگ پالکی میں سوار ہوں۔ دیر کرنے کا کوئی کام نہیں۔

ہری ناتھ کو دیکھ کر مالتی نے گھونگھٹ نکال لیا۔ کامنی سامنے سے ہٹ گئی۔ کدمبنی اُن کے پاس آکر ان کا منہ تکنے لگی۔ سدامنی نے اپنے سر کا کپڑا برابر کر کے اور انہیں دعا دیکر کہا۔ پالکی میں سوار ہو کر کہاں جانا ہوگا۔

ہری ناتھ :۔ "جہاں میں لے چلوں گا"

سدامنی :۔ "کل جو کچھ آپ نے کامنی کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ میں اس کا بدلہ سات جنم میں بھی نہیں دے سکوں گی۔ لیکن اب آپ ہم لوگوں کے لئے بہت تکلیف نہ اٹھائیں اور ہمیں ہماری قسمت پر چھوڑ دیں"

ہری ناتھ :۔ "خیر آپ کا لیکچر فرصت کے وقت سُن لوں گا۔ اب تو سوار ہو جائیے"

یہ کہکر اُنہوں نے سدامنی کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی پالکی میں بٹھا کر اُس کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر کامنی کو بھی ڈھونڈھ کر پالکی میں دھکیل دیا۔ یہ حال دیکھ کر مجبوراً مالتی اور سدامنی بھی چپ چاپ جا بیٹھیں۔ چاروں پالکیوں میں چاروں سوار ہو گئیں۔ ایک پالکی خالی تھی۔ ہری ناتھ نے بدھیا کی ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اس میں تم سوار ہو جاؤ۔

بُدھیا کی ماں حیران ہو گئی۔ کیونکہ وہ عمر بھر کبھی پالکی میں سوار نہ ہوئی تھی۔ ہاتھ جھٹکا کر بولی۔ ارے میں پالکی میں سوار ہو جاؤں؟"

ہری ناتھ :۔ "ہاں ہاں! جلدی سوار ہو جاؤ" یہ کہکر بدھیا کی ماں کو کھینچکر پالکی

میں لا بٹھایا۔ اور کہاروں کو حکم دیا۔ کہ سواریاں میرے مکان پر لے چلو۔

پانچوں پالکیاں اس نئے مکان کے دروازے پر لا کر رکھ دی گئیں۔ پالکی سے اتر کر سدامنی وغیرہ نے دیکھا۔ کہ ایک عالیشان مکان ہے۔

وہ چاروں کی چاروں اوپر جا کر ایک کمرے میں بیٹھ رہیں۔ اتنے میں ہی بابو ہری ناتھ بھی پہنچ گئے۔ اور آٹا۔ دال۔ چاول وغیرہ سب سامان مہیا کر دیا۔

سدامنی تو یہ دیکھ کر عرق عرق ہو گئی۔ لیکن بڑھیا کی ماں خوشی سے پھولی نہ سمائی وہ آج گھر کی مالکن بنی ہوئی تھی۔ سب سامانوں کو اٹھا اٹھا کر قرینے سے رکھنے لگی سالتی نے ایک دو دفعہ اُسے منع بھی کیا۔ لیکن اُس نے ہری ناتھ کا اشارہ پا کر اُن بے چاریوں کے کہنے کی پرواہ نہ کی۔ بلکہ ہنسنے لگی۔

اگرچہ سدامنی نے بھی ایک دو بار ہری ناتھ سے کہا۔ مگر وہ کسی کی کب سننے والے تھے جب سدامنی مجبور ہو گئی۔ تو بہنوں سے اشارہ کیا۔ کامنی اور کدمبنی گھر کے کام کاج میں لگ گئیں۔

سدامنی نے وہ راز بھی ہری ناتھ کے گوشگذار کر دیا۔ جو بھیرو پرشاد نے کرشن کشور کے بارے میں مالتی سے کہا تھا۔ ہری ناتھ نے یہ جان کر کہ خوبی کا حلیہ مدن موہن خوب جانتے ہیں۔ اُنہیں بلانے کے لئے بنارس تار دیا۔ اور دوسرا تار بنک آف بنگال بنارس کو دیا۔ کہ بابو ہر پرشاد کے جمع کردہ دس ہزار کے نوٹ مجھے بھیج دو۔ کیونکہ وہ میرے ہیں۔ اور ان کی رسید میرے پاس موجود ہے۔ جن کے نمبر یہ ہیں ....

تار بنک آف بنگال میں پہنچا۔ تو تحقیقات شروع ہوئی۔ معلوم ہوا۔ کہ روپے بابو ہر پرشاد لے چکے ہیں۔ اب بنک کے ذمہ کچھ بھی بقایا نہیں۔

اُن دنوں بنک کو بدمعاشوں نے بہت تنگ کر رکھا تھا۔ اس لئے نوٹوں کا دستور ہو گیا تھا۔ یعنے جو شخص روپیہ جمع کرانے کے لئے جاتا تھا۔ خفیہ طور پر اُس کا فوٹو لے

لیاجاتا تھا۔ اور جب وہ نکلوانے کے لئے آتا تھا۔ تو اُس فوٹو سے اُس کی شکل ملا کر اُسے روپیہ دے دیا جاتا تھا۔ ہر پرشاد کا فوٹو بھی انھوں نے لے لیا تھا۔ لیکن جس دن دیوی پرشاد نے ہر پرشاد کے جعلی دستخط بنا کر بنک سے دس ہزار کے نوٹ اُڑائے تھے۔ اُس دن نہ معلوم صاحب بہادر کیوں دیوی پرشاد کی شکل ہر پرشاد کے فوٹو سے ملانا بھول گئے البتہ اُنھوں نے دیوی پرشاد کا فوٹو لے لیا تھا۔

ہری ناتھ کا تار پہنچا۔ تو بنک میں کھلبلی مچ گئی۔ اور صاحب بہادر نے جب ہر پرشاد اور دیوی پرشاد کا فوٹو ملایا۔ تو نہ ملا۔ پھر تو وہ فوٹو پولیس کے حوالے کیا گیا۔ اور پولیس نے فوٹو کے ذریعے بات کی بات میں دیوی پرشاد کو گرفتار کر لیا۔

ادھر بنک والوں نے بابو ہری ناتھ کو بنارس پہنچنے کے لئے تار دیا۔ اور وہ تار پاتے ہی فوراً وہاں چلے گئے۔

چھٹا باب

راجہ کرشن کشور اور بابو شیو پرشاد بڑے آرام سے غازی پور آپہنچے۔ مگر جس گھر میں سدا منی وغیرہ رہتی تھیں۔ اُسے مقفل پایا۔ حیران ہوئے کہ سب کی سب کدھر گئیں۔

آخر تلاش و جستجو کے بعد پتہ لگا۔ کہ انھوں نے مکان تبدیل کر لیا ہے۔ نئے مکان کا پتہ پا کر وہاں پہنچے۔ شیو پرشاد پالکی سے اتر کر اندر گئے۔ بہنیں اپنے بھائی کو دیکھ کر خوشی کے آنسو بہانے لگیں۔ کچھ دیر تک بالکل خاموشی چھا گئی۔ پھر مالتی نے کہا۔ شیو پرشاد بھیا اتنے دنوں تک کہاں رہے؟

سدامنی ادھر سے چلّا اٹھی۔ تمہاری ایسی حالت کیوں ہو رہی ہے۔
کامنی بولی۔ اور بھیا! پاؤں میں کیا ہُوا؟
شیو پرشاد نے لمبا سانس لیکر کہا۔ پیاری بہنوں! کچھ نہ پوچھو۔ پرماتما کا دھنیاد ہے کہ میں یم پوری سے واپس لوٹ آیا ہوں۔ الغرض شیو پرشاد نے اپنی کہانی کہہ سُنائی اِدھر سدامنی نے بھی اُن تمام مصیبتوں کا حال گوش گذار کر دیا۔ جو ان پر پڑی تھیں۔
وہ دن بڑی ہنسی خوشی سے گذرا۔ سدامنی اور مالتی کا بخار بھی نہ جانے کدھر چلا گیا۔ شیو پرشاد کے جسم میں چوگنی طاقت آگئی۔ اور پاؤں میں بھی خفیف سے درد کے سوا کوئی شکایت باقی نہ رہی۔
باتوں ہی باتوں میں ایک دن سدامنی نے شیو پرشاد سے کہا۔ بھیروں پرشاد انہی راجہ کرشن کشور کو بھولا اور گھنشام کا خونی بتلاتے ہیں۔ جن کی تم تعریف کرتے ہو۔ اور سچ مچ ان کا سلوک ایسا ہے۔ کہ کوئی شخص بھی انہیں خونی تصور نہیں کر سکتا۔
شیو پرشاد نے کہا۔ بہن! اگر راجہ کرشن کشور اپنے منہ سے کہیں کہ ہم خونی ہیں تو بھی میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ ایسا ودوان شاستروں کا عالم باعمل بھول کر بھی ایسا پاپ نہیں کر سکتا۔
مالتی:۔ تو کیا راجہ کرشن کشور خونی نہیں ہیں؟"
نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ کہتے ہوئے بابو ہری ناتھ وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی مالتی اور کامنی ہٹ گئیں۔ کدمنی اُن کے موٹے جسم کو بغور دیکھنے لگی۔ اور شیو پرشاد نے انہیں گلے سے لگا کر کہا۔ بھائی صاحب! آپ کا احسان ہم لوگ مرتے دم تک نہیں بھول سکتے۔
ہری ناتھ:۔ ان باتوں کو چھوڑیئے۔ ابھی تک میں اپنے کئے ہوئے گناہوں پر پشیمان ہو رہا ہوں"

شیو پرشاد "یہ کیا؟"
ہری ناتھ "کہوں گا۔ لیکن ابھی نہیں۔ ہاں مطلب کی بات یہ ہے۔ کہ مدن موہن کو میں نے تار دیا تھا۔ لیکن مجسٹریٹ کا تار پاکر میں ہی وہاں جا پہنچا۔ انہیں اپنے ساتھ یہاں لے آیا ہوں۔ اُنہوں نے راجہ کرشن کشور سے مل کر اپنے تمام شکوک دور کر لئے ہیں۔ بھیروں پرشاد نے شناخت میں دھوکا کھایا ہے۔ اصل خونی کو مدن موہن بہت دنوں سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی میرے اصرار پر اُنھوں نے راجہ کرشن کشور سے جا کر ملاقات کی۔ اب انہیں پختہ طور پر یقین ہو گیا ہے۔ کہ بھولا کا خونی کوئی اور ہے۔"

کدمبنی جو وہاں کھڑی تھی۔ راجہ کرشن کشور پر خون کا الزام لگتا دیکھ کر چونک اُٹھی لیکن جب ہری ناتھ نے انہیں بے قصور بتلایا۔ تو اسے قدرے تسلّی ہوئی۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مالتی نے اُسے تنہائی میں لے جا کر تمام حال سنا کر سمجھا دیا کہ مطمئن رہو۔ راجہ صاحب خونی نہیں ہیں۔ ہری ناتھ بول اُٹھے۔ راجہ کرشن کشور سچ مچ گنگا جل ہیں۔

شیو پرشاد "بہن! میں نے کیا کہا تھا۔"
سیامنتی "ہاں بھیا! ایشور نے تمہاری بات رکھ لی۔"
شیو پرشاد (ہری ناتھ سے) "بابو مدن موہن کہاں ہیں؟
ہری ناتھ "نیچے کمرے میں!"

شیو پرشاد نیچے گئے۔ اور بابو مدن موہن سے ملے۔ مالتی اپنے بھائی کے دوست مدن موہن سے ملی۔ اور ملنے پر انہوں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا۔ کہ راجہ کرشن کشور پر تمہارا شبہ بے جا ہے۔ وہ بڑے ہی نیک پارسا اور متقی ہیں۔ یہ خون اُن کے پاک ہاتھوں سے نہیں ہوا۔ بلکہ کسی اور کمبخت کے ناپاک ہاتھوں سے ہوا ہے۔ جو کہ بہت جلد گرفتار ہو جائیگا

بابو ہری ناتھ سب کے صلاح مشورے سے بابو شیو پرشاد وغیرہ کو بنارس لے آئے مدن موہن اور راجہ کرشن کشور بھی بنارس چلے آئے۔

ساتواں باب

بابو ہری ناتھ بمبئی سے لوٹ کر جب پہلی بار بنارس گئے تھے۔ تو وہاں انہوں نے اپنی ماں کے مرنے کی خبر سنی تھی۔ بابو کیلاش ناتھ اپنی بیوی کے ساتھ گھر پر رہتے تھے ہری ناتھ کو ماں کے انتقال کی خبر سُن کر بڑا رنج ہُوا۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔ وہ بیچاری صدمے اُٹھا اُٹھا کر جان بحق ہو گئی تھیں۔ اور جب بابو شری ناتھ اور ہری ناتھ کا پتہ نہ لگا سکیں۔ تو کیلاش ناتھ کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اب اُن کے مرنے پر وہی واحد مالک بنے بیٹھے تھے۔

جب ہری ناتھ وہاں پہنچے۔ تو کیلاش ناتھ نے اُنہیں کل حال سنا کر بتلایا تھا کہ شری ناتھ غازی پور میں ہے اُسے لے آؤ۔ پھر جائداد تقسیم کر دی جائے گی۔ بابو ہری ناتھ غازی پور پہنچے۔ تو سرائے میں اُترے۔ بھائی سے ملنے کے لئے اُس کے باغ میں پہنچے۔ لیکن وہاں اور ہی گُل کھلا ہُوا دیکھا جس کا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

اب دوبارہ بابو شیو پرشاد وغیرہ کو لے کر بابو ہری ناتھ بنارس پہنچے۔ بابو شیو پرشاد وغیرہ کا انتظام کرنے کے بعد اپنے مکان پر گئے۔ اور اندر گھسنے لگے۔ پر لنے دربان جاگر سنگھ نے اٹھ کر سلام کیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔ حضور آپ ان داتا ہیں۔ اگر حکم دیں تو کچھ عرض کروں۔

ہری ناتھ "ہاں ہاں! جو کہنا ہو بے کھٹکے کہو"

اُجاگر سنگھ "سرکار! بابو صاحب کے حکم کے بغیر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے"

ہری ناتھ "کیا بھائی صاحب کا میرے لئے بھی یہی حکم ہے؟"

اجاگر سنگھ۔ جی نہیں۔ وہ تو کئی روز سے سخت بیمار ہیں۔ یہاں تک سنتے ہیں۔ کہ اُنکے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے"

ہری ناتھ "تو پھر دوسرے بابو صاحب کون ہیں؟"

اجاگر سنگھ "شنبھو بابو ہی تو آج کل سولہ آنے مالک ہیں۔ اور ان کے حکم کے بغیر کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے"

کیا کمبخت شنبھو اس بلندی پر پہنچ گیا ہے؟ کیا وہ آج کل ہوائی گھوڑے پر سوار ہے؟" یہ کہتے ہوئے ایک ہی چھلانگ میں ہری ناتھ اس بڑے کمرے میں جا پہنچے جس میں انہوں نے ایک دن کمل کشور کو چپت لگائی تھی۔ اور جس میں آج گدی پر شنبھو بیٹھا ہوا حقہ پی رہا تھا۔ اور اس کے سامنے کئی گماشتے بیٹھے ہوئے بہی کھاتہ لکھ رہے تھے۔

شنبھو کو اس شان سے مسند پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر ہری ناتھ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ انہوں نے جوتی نکال کر سر میں وہ تڑاتڑ جمائیں۔ کہ اُس کا بھیجا نکل آیا۔ پھر گردن سے پکڑ کر دالان میں لا پٹکا اور مارنا شروع کیا۔ مارتے مارتے کہنے لگے۔ کیوں بے ایمان یہ گدی تیرے باپ دادا کی ہے؟ کمبخت! تیری کیا مجال ہے۔ کہ تو ہم لوگوں کی گدی پر بیٹھے۔ نمک حرام! گدی پر چڑھ کر بیٹھتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے۔ کہ میری اجازت کے بغیر کوئی اندر نہ آئے۔

یہ کہکر پھر مارنا شروع کیا۔ ہری ناتھ بابو نے اُسے اس قدر مارا۔ کہ وہ نیم مردہ ہوگیا کسی نے بھی اِسے نہ بچایا۔ کیونکہ ایک تو اس کمینے سے سب ناراض تھے۔ دوسرے ہری ناتھ کا مقابلہ کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ اس لئے شنبھو خوب پٹا۔ پھر ہری ناتھ

نے اُجاگر سنگھ کو پکار کر کہا۔ جلد بتلاؤ۔ بھیا! کہاں ہیں؟

آیئے حضور! یہ کہکر اجاگر سنگھ ہری ناتھ کو زنانے محل کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں لے گیا۔ کیلاش ناتھ اُس میں پڑے پڑے اپنے سانس پورے کر رہے تھے۔

اُن کی حالت دیکھ کر ہری ناتھ نے سمجھ لیا کہ یہ گھڑی دو گھڑی کے ہی مہمان ہیں۔ یہ خیال آتے ہی اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انھوں نے ایک کرسی منگوا کر اُس پر بیٹھ کر بھیا! بھیا! کہکر کیلاش ناتھ کو پکارا۔ کئی آوازیں دینے پر بابو کیلاش ناتھ نے آنکھیں کھولیں۔ اور سامنے بیٹھے ہوئے ہری ناتھ کو پہچانا۔ ہری ناتھ نے آنسو پونچھ کر کہا۔ بھیا! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

کیلاش ناتھ۔ "بھائی! اب میں کچھ دیر کا مہمان ہوں"

ہری ناتھ۔ "کس کے زیر علاج ہو؟ کس کی دوا استعمال کر رہے ہو؟"

کیلاش ناتھ۔ "دوا! ارے دوا کا نام نہ لو۔ گھر میں کالا سایہ ہے۔ دوا کون کریگا۔ اب کیا میں اس گھر کا مالک ہوں۔ نہیں! میں اب مالک نہیں رہا۔ ہائے ان کمبختوں نے آخر میری جان بھی لے لی"

ہری ناتھ۔ "کن کمبختوں نے؟"

کیلاش ناتھ۔ "تم شنبھو کو جانتے ہو۔ وہی آج کل اس گھر کا مالک ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ مجھے اُسی کمبخت نے زہر دیا ہے یا اس کے مشورے سے گلاب نے"

ہری ناتھ۔ "اُف! کیا سُن رہا ہوں۔ بھاوج اس قدر گر گئی ہیں"

کیلاش ناتھ۔ "وہ چھنال نہ تو مجھے کبھی دیکھنے ہی آتی ہے۔ اور نہ دوا دارو کی کچھ خبر لیتی ہے۔ شنبھو کی وجہ سے میرے پاس کوئی دوسرا بھی آنے نہیں پاتا۔ ہائے۔ اس بیشرم نے آخر مجھے مار ہی ڈالا"

ہری ناتھ۔ "بھیا! میں کیا سُن رہا ہوں"

کیلاش ناتھ۔ بھائی اگر سچ پوچھو۔ تو یہ میرے ہی اعمالوں کا ثمرہ ہے۔ اگر میں عیاشی اور اوباشی کے پھیر میں نہ پڑتا۔ اور کمبخت شنبھو کی وجہ سے اپنے بھائیوں سے لڑائی جھگڑا پیدا نہ کرتا۔ شنبھو کے لئے اپنی ماں کو نہ چھوڑتا۔ گلاب کے ہاتھوں کی گڑیا نہ بن جاتا۔ تو آج مجھے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ ہائے! یہ سب میرے بُرے اعمالوں کا نتیجہ ہے۔ نہیں معلوم مر کر میرا کیا حشر ہو گا؟

یہ کہتے کہتے کیلاش ناتھ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور ہری ناتھ بھی اپنی آنکھوں کے پانی سے رومال تر کرنے لگے۔ پھر ذرا خاموش رہ کر انہوں نے کہا۔ "تو بھیا! اب میں آگیا ہوں۔ اب آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔"

یہ کہکر ہری ناتھ بابو اُسی دم کیلاش ناتھ کو نیچے دیوان خانے میں اوتار لائے۔ اور شہر کے نامی گرامی حکیم ڈاکٹر اور وید علاج معالجے کے لئے طلب کئے۔ انہوں نے اچھی طرح کیلاش ناتھ کا معائنہ کیا۔ اور کہا۔ کہ شراب سے کلیجہ بالکل جل چکا ہے۔ اور حالت اس قدر خراب ہو گئی ہے۔ کہ دو تین دن سے زیادہ ان کا جینا مشکل ہے۔

ڈاکٹر لوگ تو اپنی اپنی مٹھی گرم کر کے اپنے گھر گئے۔ اور ہری ناتھ بھائی کی زندگی سے ناامید ہو کر بھاوج سے ملنے کے لئے چلے۔

جس گھر میں گلاب تھی۔ نوکروں نے بتلا دیا۔ دروازہ کھول کر ہری ناتھ اندر گھسے اندر جا کر دیکھتے کیا ہیں۔ کہ شنبھو چھپر کھٹ پر لیٹا ہوا ہے۔ اور گلاب اُس کے بدن پر تیل کی مالش کر رہی ہے۔ کیونکہ اس کے بدن میں جگہ بہ جگہ درد ہو رہا تھا۔

ہری ناتھ کو دیکھتے ہی شنبھو اٹھ بیٹھا۔ اور زور سے بولا۔ دیکھ گلاب اِسی ہری ناتھ نے مجھے مارتے مارتے بے دم کر ڈالا۔ کمبخت! نمک حرام!!! میرے سامنے تو بے کھٹکے گلاب کہکر اس چھنال کو پکارتا ہے۔ یہ کہکر ہری ناتھ نے اسے نیچے کھینچ لیا۔ اور لات گھونسوں سے خوب خبر لی۔ آخر نیچے لے جا کر انہوں نے نوکروں کو حکم دیا۔ کہ

اس موذی کو ابھی پھاٹک سے باہر نکال دو۔ خبردار! اگر یہ پھر اس گھر میں دکھلائی دیا۔ تو تم سب کی خبر لوں گا۔ اور نوکری سے جواب دے دوں گا۔

ہری ناتھ کا اشارہ پاتے ہی نوکروں نے ٹینچیاں دیکر شنبھو کو گھر سے باہر نکال دیا۔ ادھر ہری ناتھ گلاب کے پاس آکر کہنے لگے۔ بے شرم بھاوج! لعنت ہے۔ دھتکار ہے تف ہے تیری زندگی پر۔ تجھے آج سے میں بھاوج کہکر نہ پکاروں گا۔ اگر شرم ہو۔ تو چلو بھر پانی میں ڈوب مر۔

اگر کوئی دوسری بدکار عورت ہوتی۔ تو بیشک ڈوب مرتی۔ لیکن گلاب تو پہلے ہی پاپ کے اتھاہ ساگر میں ڈوب چکی تھی۔ وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔ اور کہنے لگی۔ نگوڑے شرم نہیں آتی۔ تجھے چھیڑتا ہے۔ میرا جو جی چاہیگا۔ کروں گی۔ اور جس کے ساتھ دل ملیگا۔ چین اڑاؤں گی کمبخت! جا میرے سامنے سے دور ہو۔

اس پر ہری ناتھ اتنا کہکر وہاں سے بھائی کے پاس چلے آئے۔ کہ جا کلنکنی! جو تیرا جی چاہے کر۔ نتیجہ بھی تجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔

اتنے میں شیو پرشاد اور مدن موہن بھی پہنچ گئے۔ کیلاش ناتھ نے ہری ناتھ کو بلاکر کچھ کہا۔ ہری ناتھ کاغذ وغیرہ لے آئے۔ جائداد کے متعلق پختہ فیصلہ ہو گیا۔ بطور گواہ سب کے دستخط ہو گئے۔ ایک دائی نے آکر ہری ناتھ کے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ جس میں گلاب نے لکھا تھا۔ کہ میں اس گھر اور گھر والوں سے رشتہ توڑ کر شنبھو کے ساتھ ہی جاتی ہوں۔

وہ پرچہ ہری ناتھ نے کیلاش ناتھ کو دکھلایا۔ جسے پڑھ کر اور ہری ناتھ کی زبانی سارا حال سن کر کیلاش ناتھ کے چہرے پر مسرت کی جھلک دوڑ گئی۔ پھر ہنس کر بھائی سے کہنے لگے۔ بھائی! اب میں خوشی سے جان دے سکوں گا۔ تم زمین میں میرے لئے کشا کی چٹائی بچھا دو۔ شری گوپال لال کا چرن امرت اور تلسی میرے منہ میں ڈال دو۔ اور کسی براہمن کو بلاکر سہنسر نام کا پاٹھ شروع کرا دو۔

ہری ناتھ نے بھائی کے ارشاد کے بموجب سب کام کر دیا۔ اور کیلاش ناتھ کو زمین پر لٹا دیا۔ وہ بڑے پریم سے رام نام جپنے لگے۔ ایکادشی کے روز صبح چار بجے کے وقت اُن کی روح ہمیشہ کے لئے قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ہری ناتھ نے اُن کا مرتک سنسکار کیا۔ اور ان کی روح کو شانتی دینے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

شری ناتھ بھی بھائی کے مرنے کی خبر سنکر بنارس آ پہنچا۔ جب تک کیلاش ناتھ کا ماتم رہا۔ شری ناتھ خاموش رہا۔ لیکن جب ماتم اُٹھ گیا۔ سب کاموں سے فراغت ہو گئی تو ایک دن اُس نے ہری ناتھ کو علیحدہ لے جا کر کہا "ہری ناتھ! میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ لیکن میں تم سے اُس روز کی بے جا حرکتوں کے لئے معافی مانگتا ہوں۔

ہری ناتھ نے کہا۔ نہیں معافی تو مجھے مانگنی چاہئے۔ میں نے چھوٹا ہو کر آپ سے بہت برا سلوک کیا۔ لیکن کیا کرتا۔ مجبور اور لاچار تھا۔ اور وہ عورت کامنی نہ ہوتی۔ کوئی دوسری ہوتی۔ اور ہم لوگ وہی ظلم و ستم اُس پر بھی کرتے۔ تو میں اُس حالت میں اُسے بھی تمہارے ہاتھ سے چھڑا لاتا۔ خیر اب گذشتہ کا ذکر کرنے سے فائدہ؟ مجھے تو اس واقعہ کا خیال بھی نہیں رہا۔

شری ناتھ "ہاں! ان باتوں کا تذکرہ فضول ہے۔ اب اُس کا خیال نہ کرنا چاہئے اور اگر میں یہ جانتا کہ کامنی پر تمہاری نظر ہے۔ تو ہم لوگ بھول کر بھی اُس پر ہاتھ نہ ڈالتے"

ہری ناتھ "یہ تو باتیں ہی باتیں ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے تھے۔ کہ میں شیو پرشاد کا دوست ہوں۔ اور اُن کے مقدمے میں جان و دل سے پیروی کر رہا ہوں۔ تم نے شیو پرشاد کے گھر کی عورتوں پر جان بوجھ کر ظلم کرنا چاہا تھا۔ اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ لیکن میں پہنچ گیا۔ اور اُن بے چاریوں کو تمہارے سفاک ہاتھوں

سے بچا لیا۔"

شری ناتھ: "اب بڑے بھیّا تو ہم لوگوں کو چھوڑ گئے۔ اُن کے حصّے کی رقم کا کیا ہوگا؟"

ہری ناتھ: "وہ گلاب کے حصّے میں آئے گی۔"

شری ناتھ: "لیکن وہ تو شمبھو کے ساتھ گھر سے نکل گئی ہے۔ کچھ اُسے مل سکتی ہے۔"

ہری ناتھ: "عدالت تو اُس کا حصّہ اُسے دلائے گی نا؟"

شری ناتھ: "میرے خیال میں کوئی تجویز سوچنی چاہیئے تاکہ عدالت اُس بدکردار کو کچھ بھی نہ دلا سکے۔"

ہری ناتھ: "یہ کیونکر؟"

شری ناتھ: "اس طرح ایک جعلی وصیت نامہ تیار کیا جائے۔ کچھ لوگوں کی اس پر گواہی کرائی جائے۔ بابو کیلاش ناتھ کے اس پر جعلی دستخط ہوں اور اس تحریر کا مطلب یہ ہو کہ میرے حصّے میں سے آدھا آدھا روپیہ میرے دونوں بھائیوں یعنی شری ناتھ اور ہری ناتھ کو مل جائے۔ گلاب ایک کوڑی کی بھی حقدار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بدکار اور بدچلن ہے اور ایک خدمتگار کے ساتھ گھر سے نکل بھاگی ہے۔"

ہری ناتھ: "نہیں! یہ نہیں ہو سکتا۔ میں یہ کام کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ آپ میرے سامنے سے تشریف لے جائیے۔ میں اس معاملے میں آپ کا ساتھ دینا پسند نہیں کرتا اور آپ کو بھی سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر آپ ایسا کریں گے۔ تو نقصان اٹھائیں گے۔"

یہ کہکر ہری ناتھ وہاں سے چلے گئے۔

سے بیچ دیا۔ چنبیلی اپنی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھنے لگی۔ لیکن اپنے کئے ہوئے کا کیا علاج۔ اس نے ایک روز چولھے پر کڑاہی میں تیل چڑھایا۔ اور جب وہ تیل خوب کھولنے لگا۔ تو اس نے چلّو بھر پانی لے کر اس انداز سے چھینٹے مارے کہ کڑاہی میں آگ لگ گئی اور تیل کے چھینٹے اُڑ کر چنبیلی کے منہ پر پڑے۔ بس پھر کیا تھا۔ بیسیوں چھالے نمودار ہو گئے۔ اور وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر گئی۔

یہ حالت دیکھ کر حسین باندی گھبرا گئی۔ اُس نے چنبیلی کو اُسی دم سرکاری شفاخانہ میں بھجوا دیا۔ اور کیفیت لکھوا دی۔ کہ کھانا پکاتے وقت تیل کی کڑاہی میں پانی پڑ جانے سے یہ حالت ہو گئی ہے۔

چنبیلی مہینوں ہسپتال میں پڑی رہی۔ اور جب صحتیاب ہو گئی۔ تو اس کا چہرہ اتنا بگڑ گیا۔ کہ وہ آئینے میں دیکھ کر خود بھی اپنے آپ کو نہ پہچان سکی یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کا دم لیا۔ اسے یقین ہو گیا۔ کہ اب اس بھیانک چہرے پر کسی کی نگاہ شوق نہ پڑے گی۔

ایک دن موقعہ پا کر چنبیلی ہسپتال سے بھاگ نکلی۔ اور پتہ لگاتی ہوئی حسین باندی کے گھر پہنچی۔ اسے دیکھتے ہی وہ چلّا اٹھی۔ چنبیلی کا چہرہ اس قدر بگڑ گیا تھا۔ کہ رنڈی بھی اسے پہچان نہ سکی۔ وہ اسے ہم پیشہ بنانا تو درکنار رہا لونڈی بنانے کے لئے بھی تیار نہ تھی۔ اور نہ ہی چنبیلی اس کے گھر ہی رہنا چاہتی تھی۔ لیکن جاتی کہاں۔ اس کے پاس تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ اسلئے اس نے اپنی ساری مصیبت رو رو کر حسین باندی سے کہہ سنائی۔ اور بنارس پہنچنے کے لئے کچھ روپے مانگے۔ پہلے تو اس نے روپے دینے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ پہلے اسکے دو ہزار روپوں پر پانی پھر گیا تھا۔ لیکن چنبیلی نے جب اسے بہت ہی دھمکایا۔ اور پولیس کا خوف دلایا۔ تو وہ گھبرا گئی۔ اور کہنے لگی تم روپے چاہتی ہو یا بنارس جانا

چنبیلی :- "فقط بنارس جانا۔"

حسین باندی :- "تو بہت اچھا۔ میں تمہارے ساتھ اپنا آدمی بھیج دیتی ہوں۔ وہ تمہیں بنارس کا ٹکٹ لے دیگا۔ اور ٹرین میں بٹھا کر چلا آئے گا۔"

چنبیلی :- "اس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ میں بنارس جانا چاہتی ہوں۔"

یہ بات سنتے ہی حسین باندی نے روپے دے کر اپنے آدمی کو چنبیلی کے ساتھ کیا۔ جس نے اُسے بنارس کا ٹکٹ دلا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔ اور خود واپس چلا آیا۔

حسین باندی چاہتی تھی۔ کہ چنبیلی یہاں سے اپنا منہ کالا کرے۔ اور کوئی جھگڑا نہ اٹھائے۔ اسی لئے اس نے ٹکٹ کے دام بھی دیدیئے تھے۔ کیونکہ اگر چنبیلی بگڑ کھڑی ہوتی۔ تو حسین باندی شیر علی۔ قتلو خاں اور کمل کشور پولیس کے شکنجے میں آجاتے۔ لیکن یہ نہ ہوا۔ کیونکہ چنبیلی کو ابھار کر مقدمہ کھڑا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ الغرض وہ بنارس جا پہنچی۔

ادھر کمل کشور ہری ناتھ سے پٹ پٹا کر جب واپس لکھنؤ آیا۔ تو قتلو خاں نے ڈاکے کا حال سنایا۔ لیکن شیر علی کا نام نہ بتلایا۔ فقط اتنا کہا۔ کہ ایک رات ڈاکوؤں کے ایک مسلح گروہ نے ڈاکہ ڈالا تھا۔ سب مال و اسباب اور بی بی چنبیلی کو لیکر رفو چکر ہو گئے۔ یہ سنکر کمل کشور خاموش ہو گیا۔ اور وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اس کارروائی میں اسے قتلو خاں پر شک نہ ہؤا۔ کیونکہ وہ اُسے بہت ہی نیک اور نمک حلال سمجھتا لیکن اُسے اس بات کی خبر نہ تھی۔ جیسا راجہ ویسی پرجا۔

نواں باب

دیوی پرشاد پر دو جرم عائد ہوئے۔ اوّل تو اس کے گھر سے ایک عورت کی لاش نکلی تھی۔ دوسرے جعلی دستخط بنا کر بنک سے دس ہزار روپے اڑا لئے تھے۔ مقدمہ چلا۔ اور بچہ جی عمر بھر کے لئے کالے پانی بھیج دئے گئے۔ مکان نیلام ہو گیا۔ گھر میں سے بہت سی چٹھیاں برآمد ہوئیں۔ سرکار نے وہ سب کی سب شیو پرشاد کے حوالے کیں کیونکہ بہت سی چٹھیاں انہی لوگوں کے متعلق تھیں۔ جاپان سے جو چٹھی مہادیو پرشاد اور وشوا ناتھ پرشاد نے بابو ہر پرشاد کے نام لکھی تھی۔ اور دیوی پرشاد کے ہاتھ پڑ گئی تھی ذیل میں درج ہے:

بھائی صاحب!

ہمیں خود افسوس ہے۔ کہ گھر سے چلتے وقت آپ کی اجازت نہ لے سکے۔ لیکن کیا کرتے۔ لاچار اور مجبور تھے۔ یہاں ہم لوگ انجنیئرنگ کالج میں پڑھتے ہیں۔ اسی سال امتحان ہوگا۔ امید ہے کہ کامیاب ہو جائینگے۔ آپ لوگ مطمئن رہیں۔ خرچ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔

جاپانی لوگ نیک۔ رحم دل اور راستگو ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان لوگوں نے اس تھوڑے سے عرصے میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اور ابھی ترقی کرتے جا رہے ہیں ہمیں اپنے ہندوستان کی حالت یاد کر کے رونا آتا ہے۔ بیچارہ کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں صنعت و حرفت کا بالکل شوق نہیں۔ سیٹھ ساہوکار اسطرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔

دوسرے یہ بات ہے۔ کہ ہمارے اہل ہند بی۔اے۔ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کر کے بھی نوکری کا پیشہ ہی اختیار کرتے ہیں۔آرٹیکل لکھ کر اخباروں کے کالم کے کالم سیاہ کرتے ہیں۔پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں۔لیکن خود عملی میدان میں ایک قدم نہیں بڑھتے۔پھر ایسے ملک اور قوم کا کیا بن سکتا ہے۔تمام ہندوستان میں کوئی بھی مائی کا لال ایسا نہیں۔جو روپے سے کارخانے جاری کرے۔سودیشی سامان کی ساخت کا انتظام کرے۔تجارت اور صنعت کو تقویت دے۔اور اہل ہند کو اس بیہوشی کی نیند سے جگائے۔ہمیں بار بار افسوس آتا ہے۔لیکن کچھ نہیں کر سکتے۔

آپ کے ناچیز بھائی

مہادیو پرشاد

وشیوا ناتھ پرشاد

یہ خط دیوی پرشاد کے ہاتھ میں پڑ گیا تھا۔نہیں معلوم اس نے اس خط کا کیا جواب لکھا۔ہاں اُس کے جواب میں مہادیو اور وشوا ناتھ پرشاد نے جو دوسرا خط لکھا تھا۔ اُسے بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

چچا صاحب!

ایں! ہم کیا سنتے ہیں۔کیا ہم لوگ یہ خوشخبری سننے کے لئے ابھی زندہ تھے۔ ہم لوگوں کو یقین نہیں آتا۔ . . . . کہ ہماری منوں دیما نج ۔ نے ایسی بے شرمی کا کام کیا ہو۔اور گھر سے نکل بھاگی ہوں۔کیا بتائیں۔دل کا آئینہ آپ کے لفظوں سے چکنا چور ہو گیا ہے اگر یہ بات سچ ہے۔اور بھائی صاحب نے اسی دُکھ کے مارے سنیاس لے لیا ہے۔تو ہم اپنا منہ کسی کو بھی دکھلانا نہیں چاہتے۔یہیں ہنگے اور یہیں جان دیں گے۔آپ ہمارے پاس خط وغیرہ بھیجنے کی تکلیف نہ اُٹھائیں۔کیونکہ ہم لوگ آپ لوگوں سے قطع تعلق کرتے ہیں۔آپ کے نالائق بھتیجے مہادیو پرشاد اور وشوا ناتھ پرشاد"

جب بابو شیو پرشاد نے یہ خط پڑھ کر اپنی بہنوں اور بھاوج کو سنایا تو ان کے کلیجے میں ہزاروں نشتر چبھ گئے۔ غصے سے تھر تھر کانپنے لگیں۔ دیوی پرشاد پر گالیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ آخر شیو پرشاد نے اُسی وقت سارا حال لکھ کر جاپان بھیجدیا۔ جس کا جواب وہاں سے آگیا۔ اور انہوں نے لکھا۔ کہ ہم تین مہینے کی چھٹی لے کر بہت جلد گھر واپس آرہے ہیں۔ ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ بابو ہرپرشاد بھی مہادیو اور وشوانا تھ کی چٹھی پڑھ کر گھر سے نکل بھاگے تھے۔ وہ کہاں ہیں۔ اور اِن کا کیا حال ہوُا۔ اس باب میں ہم اسی سوال کا جواب لکھتے ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہوگا۔ کہ باوجود قرضے کا بار ہونے اور ذلت اٹھانے پر بھی بابو ہرپرشاد ہمیشہ بے خوف اور بے فکر رہا کرتے تھے۔ کبھی تو اُن کے پاس ایک کوڑی بھی نہ رہتی تھی۔ اور کبھی اُن کی جیب سے روپے برستے تھے۔ کبھی تو وہ خود پیسے پیسے کے لئے محتاج ہو جاتے تھے اور کبھی اپاہجوں کو روپے دان دیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں گھر گرہستی کا کچھ بھی خیال نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اکثر اوقات رات کو بھی گھر سے غائب رہتے تھے۔

بابو ہرپرشاد کی طبیعت تھیوسفی کی طرف بہت مائل تھی۔ اور اُس پر انہیں پورا بھروسہ اور یقین تھا۔ رات کو وہ عموماً اسی سوسائٹی میں جایا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اُسی رنگ میں رنگے رہتے تھے۔ اسی اثنا میں ان کی ملاقات لنڈن کے ایک اخبار نویس سے ہوئی۔ جو ایشیا کی سیر کرتا ہوُا ہندوستان پہنچا تھا۔ اور جس کا نام مسٹر سمتھ تھا۔ انہی کی سفارشی چٹھی ایک دن بابو ہرپرشاد نے اپنے بھائی کو مجسٹریٹ صاحب کے نام لکھوا کر دی تھی۔

پروفیسر صاحب بھی تھیوسافسٹ تھے۔ اور ہرپرشاد سے ملاقات ہو جانے پر اُن سے فارسی پڑھنے لگے تھے۔ اس لئے سوسائٹی میں جانے اور صاحب بہادر کو پڑھانے کی وجہ سے ہرپرشاد رات کو دیر سے گھر پہنچتے تھے۔ اور جس پر گھر والوں کے دل میں مختلف قسم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ در اصل یہی صاحب بہادر کبھی کبھی بابو ہرپرشاد کو روپے

بھی دیا کرتے تھے۔

جن دنوں شیو پرشاد پر نوٹ کی چوری کا مقدمہ چلا تھا۔ پروفیسر صاحب کلکتے چلے گئے تھے۔ ورنہ شیو پرشاد کو جیل کی ہوا نہ کھانی پڑتی۔ اور ہر پرشاد کی نوکری بھی نہ جاتی۔ یہ وہی پروفیسر صاحب تھے۔ جنہوں نے حضرت مسیح کے ہند میں آنے اور وید پڑھنے کا حال لکھا ہے۔ انہی کے قلم کے نقش و نگار ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

حضرت یسوع مسیح کی زندگی سے تعلق رکھنے والی ایک تحریر تبت کے ایک مٹھ سے ایک روسی سیاح کو ملی ہے۔ جس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جس طرح برھمن لوگ ویدوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ان کی عظمت کو مانتے ہیں۔ اسی طرح بدھ مت والے اس تحریر کی عزت کرتے ہیں۔ اور تبت کے لاما گوردھن تحریر کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ موسیو نکولس نوٹوچ کو تبت جانے سے معلوم ہؤا کہ بدھ مذہب والے حضرت عیسےٰ کو مانتے ہیں۔ یہ سنکر اس نے وہاں کے لاما سے اس کے بارے میں خوب واقفیت حاصل کی۔ پھر وہ "ہیموس" نامی مٹھ میں قیام پذیر ہؤا۔ اور پرانی تحریروں کو دیکھنا شروع کیا۔

اتفاقاً ایک روز گھوڑے سے گر کر کھاٹ پر پڑ گیا۔ اور جب وہ درد سے کراہ رہا تھا تو لاما اس کا حال دریافت کرنے کے لئے اس کے پاس آیا۔ جس کے پاس ایک بہت ہی پرانی پالی زبان کی تحریر تھی۔ لاما نے اُسے پڑھا۔ اور اس روسی سیاح نے اسے اپنی زبان میں لکھ لیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت عیسےٰ جب پیدا ہوئے۔ تو اُن کے ماں باپ بہت مفلس تھے۔ لیکن وہ لوگ ایشور کے بھگت تھے۔ اور دن رات اُن کے گھر میں دھرم پرچار ہوا کرتا تھا۔ اس لئے انہیں بھی وہی تعلیم ملنی شروع ہوئی۔ جب وہ تیرہ برس کے ہوئے۔ تو بیوپاریوں کے ساتھ ہندوستان آئے۔ اور بہت دنوں تک آریوں کے ساتھ رہے۔ جگن ناتھ پوری۔ راج گڑھ۔ متھرا اور

بنارس میں رہ کر بڑے بڑے ودوانوں سے وید پڑھے۔ اور ان کے مطالب کو ذہن نشین کیا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ وید آسمانی کتابیں ہیں۔ ایشور اوتار دھارن کرتا ہے۔ تو انہیں ہندو مذہب کی شردھا نہ رہی۔ اس لئے انہوں نے وید پڑھنا چھوڑ دیا۔ پالی زبان سیکھی اور تھوڑے ہی دنوں میں اس پر حاوی ہو گئے۔ پھر وہ ہندوستان سے لوٹ کر مغرب میں پہنچے۔ اور مورتی پوجا کا کھنڈن شروع کیا۔ ایران میں جا کر پارسیوں کی مخالفت پر کمر باندھی۔ لوگوں نے وہاں سے نکال دیا۔ لیکن وہ انیس سال کی عمر تک خوب دھوم دھام سے لیکچر اور اپدیش دیتے رہے۔

بابو ہر پرشاد گھر سے نکل کر مغل سرائے اور بنارس کے درمیان کی ریلوے لائن پر جا کر لیٹ گئے۔ کہ مر جاؤں گا۔ تو قصہ تمام ہو جائے گا۔ لیکن کسی مہاتما نے کہا ہے "جا کے راکھو سائیاں مار سکے نہ کو"

جس دن اپنی جان دینے کے لئے ہر پرشاد ریلوے لائن پر گئے تھے مغل سرائے سے بنارس آنے والی گاڑی کا انجن راستے میں کسی کل کے ٹوٹ جانے سے بگڑ گیا۔ مجبور ہو کر مسافروں کو ریلوے لائن سے بنارس اسٹیشن تک پیدل آنا پڑا۔

ان مسافروں میں پروفیسر صاحب بھی تھے۔ جو کلکتے سے لوٹ کر آئے تھے۔ انکی نگاہ لائن پر لیٹے ہوئے ہر پرشاد پر پڑی۔ صاحب بہادر کو دیکھتے ہی ہر پرشاد اٹھ کھڑے ہوئے اور رونے لگے۔ صاحب کے پوچھنے پر انہوں نے اپنا سارا حال کہہ سنایا۔ پروفیسر صاحب نے یہ رقت اثر داستان سنکر انہیں تسلی دی۔ اور گھر لوٹنے کے لئے سمجھایا لیکن جب ہر پرشاد گھر لوٹنے کے لئے راضی نہ ہوئے۔ تو صاحب بہادر انہیں ساتھ لیکر ہمالیہ کی سیر کرنے کے لئے بنارس سے روانہ ہوئے۔

گھر سے بھاگ جانے کے بعد بابو ہر پرشاد نے سراسنی کے نام ایک خط لکھا لیکن وہ دیوی پرشاد کے ہاتھ پڑ گیا۔ اُس کی نقل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

بہن سدا منی!

مجھ سا گنہگار شاید دُنیا کے پردہ پر نہ ملیگا۔ مَیں تم لوگوں کو چھوڑ کر گھر سے نکلا۔ اور اپنی جان دینے کے لئے ریلوے لائن پر جا لیٹا۔ لیکن پرماتما کا شکر ہے۔ کہ عین وقت پر برٹش گل بھوشن سمتھ صاحب آ گئے۔ انھوں نے مجھے جان دینے سے بچا لیا۔ اور بہت کچھ سمجھایا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ہمالیہ پربت کی سیر کے لئے لے گئے۔ اور اُنہی کی بدولت میں نے ہمالیہ کے اُس سدھ آشرم کا درشن کیا۔ جس کا خیال لوگوں کو خواب میں بھی نہیں ہوا ہو گا۔

ہم لوگ ہمالیہ سے نیچے سکم اور بھوٹان سے اتر کر ایک جگہ پہنچے۔ جہاں چند ایک دکانیں تھیں۔ وہاں سے پہاڑی لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کرنے جاتے ہیں۔

صاحب بہادر کو سدھ آشرم کا پتہ نہ جانے کہاں سے مل گیا تھا۔ بس وہاں تک پہونچنے کے لئے وہ بے چین تھے۔ اور اُن یوگیوں کی راہ تکتے تھے۔ جو وہاں سے سودا سلف خرید کرنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن صاحب کی آنکھوں نے ان یوگیوں کو پہچان لیا۔ اور جب وہ سودا سلف خرید کر پہاڑی پگ ڈنڈیوں پر تیزی کے ساتھ جانے لگے۔ تو صاحب نے بھی میرا ہاتھ پکڑ کر اُن کا پیچھا کیا۔ اُس میدانی وادی سے سدھ آشرم کا راستہ پورے پانچ دن کا تھا۔ پہلے اٹھارہ بیس کوس تک تو کہیں کہیں پہاڑی بستیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن آگے جا کر قدرت کا اپنا بازار ہی لگا ہوا تھا۔

جس راستے سے ہم لوگ یوگیوں کا پیچھا کئے ہوئے جا رہے تھے۔ وہاں سال بھر میں ایک دن بھی دوپہر کا آفتاب نہیں چمکتا۔ بلکہ وہاں دوپہر کے وقت بھی وہی ہلکی سی مدھم روشنی نظر آتی ہے۔ جو یہاں آفتاب کے غروب ہونے اور شفق پھولنے پر ہوتی ہے۔ وہاں بے شمار جھرنے چاروں طرف سے بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جانوروں میں سیاہ ہرن اور سفید ریچھ ہی زیادہ تر دکھائی دیتے ہیں۔ اور کہیں کہیں شیر بھی نظر آتے ہیں۔

جب یوگیوں نے سمجھ لیا۔ کہ یہ لوگ ہمارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ تو انہوں نے ہمیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ دن بھر ہم لوگ چلتے اور رات کو درختوں کے نیچے پڑ رہتے۔ سوکھی لکڑیوں کو جلا کر سردی دور کرتے۔ اور جنگلی میووں کو کھا کر اور جھرنے کے خوشگوار پانی کو پی کر اپنی بھوک پیاس مٹاتے تھے۔ راستے میں سینکڑوں نالے ملے۔ جنہیں کہیں پا پیادہ اور کہیں ناؤ کے ذریعے عبور کیا۔ کہیں کہیں بڑے اژدر۔ سانپ اور شیر ببر دیکھنے میں آئے لیکن حیرانی اس بات کی تھی۔ کہ ہم لوگوں کو دیکھ کر بھی انہوں نے حملہ نہیں کیا۔ شائد اُن یوگیوں کی پاک زندگی کا یہ بھی ایک کرشمہ ہو۔ جانتے جاتے ہم لوگ اتنی اونچائی پر پہنچ گئے جہاں بادلوں میں چھپ گئے۔ اور ہمارے کپڑے بھیگ گئے۔

راستے میں گنگا کی دھارا ملی۔ جس سے پار ہو کر ہم لوگ سدھ آشرم میں پہونچے۔ یہ استھان اتنا اونچا ہے۔ کہ جہاں بادل بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے وہاں بھیگنے کا ڈر نہیں سورج کی گرمی کو وہاں ہمالیہ کی ٹھنڈی ہوا دور کرتی ہے۔ وہیں پر میں نے اس پوتر سوم لتا کو بھی پایا۔ جس کی مہماں ویدوں میں گائی گئی ہے۔ اِس کی بیل بنگالی پان سے بہت ملتی ہے۔ اس کا رس پینے سے نشہ تو نہیں ہوتا۔ ہاں خوشی ضرور محسوس ہوتی ہے ہم لوگوں نے جی بھر کر اُس کا رس پیا۔

پہلے تو ہم لوگ آشرم کے باہر ہی ٹھہرے رہے۔ اس لئے کہ صاحب بہادر غیر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور میں نے ان کا ساتھ دیا۔ اس لئے یوگیوں نے کہا۔ کہ جبتک تم لوگ سات دن تک گنگا اشنان نہ کر لوگے تمہیں اندر نہ گھسنے دیا جائیگا۔ ہم لوگ آشرم کے باہر ایک قدرتی گپھا میں رہنے لگے۔ یہ گپھا اتنی بڑی تھی۔ کہ اس میں دو ڈھائی ہزار آدمی بآسانی سما سکتے تھے۔ گنگا اشنان کرنے کے بعد کند مول پھل کھا کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔ آٹھویں روز آشرم والے ہم لوگوں کو آشرم میں۔ لے گئے۔ آشرم پہاڑ کو کاٹ کر اتنا لمبا چوڑا اور نفیس بنایا گیا تھا جس میں ایک لاکھ آدمی مزے سے رہ سکیں

وہاں ہم نے وید۔ اُپنشد۔ درشن۔ دھرم شاستر۔ اِتہاس وغیرہ دیکھے۔ جو تال پتر پر لکھے ہوئے تھے۔ اُس آشرم کے عین درمیان میں سو گز لمبا چوڑا اور نہ جانے کتنا گہرا اگن کنڈ بنا ہوا تھا۔ یوگیوں سے معلوم ہوا۔ کہ لاکھوں برس سے اس اگن کنڈ کی آگ برابر جلتی آئی ہے۔ پھر اس آشرم سے اوپر جا کر ہم نے دو مہارشیوں کے درشن کئے جو سمادھی لگائے بیٹھے تھے۔ اور جن کی سمادھی سو سال کے بعد صرف ایک روز کے لئے کھلتی تھی۔ اگرچہ وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ تاہم اُن لوگوں کی لمبائی ہم لوگوں سے زیادہ تھی۔

اِن یوگیوں سے معلوم ہوا۔ کہ یہی دونوں مہارشی سدھ آشرم کے سوامی ہیں اور سمادھی لگائے رہنے پر بھی آشرم ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

اِن یوگیوں میں بعض ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے شری رام چندر کا راج اور مہابھارت کا زمانہ دیکھا تھا۔

دو روز کے بعد ہم لوگ آشرم سے زبردستی نکالے گئے۔ اور آشرم کے دو یوگی ہمیں اسی میدانی وادی تک پہنچا گئے۔

ہمالیہ میں سچ مچ ایسے ایسے رتن بھرے پڑے ہیں۔ جن کا پتہ لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہمالیہ دیوتاؤں کی لیلا کا استھان ہے۔ اس کی گپھاؤں میں بڑے بڑے مہاتما دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ لوگ پرماتما کی لگن میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں۔ کہ انہیں دین و دنیا کی کچھ خبر نہیں۔ ہمالیہ پہاڑ کی اونچی اونچی چوٹیوں کو دیکھ کر ہند کی پراچین عظمت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اب میں نے انہی صاحب بہادر کی مدد سے ایک سیسے کی کان کا ٹھیکہ لیا ہے جس کے متعلق پھر کبھی لکھوں گا۔ آہا ہا! اسمتھ صاحب کی طرح سب انگریز ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے لگیں۔ تو سچ مچ برٹش راج رام راج ہو جائے۔ لیکن شرط سچی محبت کی ہے۔

صاحب بہادر ولایت جاتے ہیں۔ اور میں نے جو کان کا ٹھیکہ چھ مہینے کے لئے لیا تھا۔ اس کے ختم ہونے پر گھر لوٹوں گا۔ لیکن جب شیو پرشاد جیل سے لوٹ آئینگے۔ مہادیو اور شوا ناتھ کا پتہ لکھنا۔ بابو ہری ناتھ آج کل کہاں ہیں۔ اور اگر وہ ولایت سے لوٹ آئے ہوں۔ تو اُن کی رسید ان کے حوالے کر دینا۔ اور کہہ دینا کہ بنک سے روپیہ لے لیں۔ یہ چٹھی ثبوت میں دکھا دینا۔ تمہاری چٹھی آنے پر خرچ کے لئے روپیہ بھیجوں گا۔

تمہارا بدنصیب بھائی

ہر پرشاد

چونکہ یہ خط بھی دیوی پرشاد کے ہاتھ میں پڑ گیا تھا۔ اس لئے اس نے جو کچھ مہادیو پرشاد وغیرہ کو لکھا تھا۔ وہی اس خط کے جواب میں لکھ دیا۔ دس ہزار روپے کا علم بھی اُسے اس چٹھی سے ہی ہؤا تھا۔



دسواں باب

کیلاش ناتھ کی وفات کو تقریباً دو مہینے گذر چکے تھے۔ ہری ناتھ اُس وقت سے گھر پر ہی رہا کرتے تھے۔ کیونکہ اب انہیں کہیں آنے جانے کا خیال نہ رہا تھا۔ وہ بابو شیو پرشاد وغیرہ کی دل و جان سے امداد کرتے تھے۔ اور برابر کامنی سے بھی تنہائی میں ملتے۔ کورٹ شپ کرتے۔ اور راجہ کرشن کشور کے ساتھ پولو اور کرکٹ کھیل کر اپنے دن گذارتے تھے۔

ایک روز صبح سات آٹھ بجے کے قریب عدالت دیوانی کے چپراسی نے آ کر انہیں

ایک سمن دیا۔ اور اُنھوں نے دستخط دیکر سمن لے لیا۔ اس کے بعد انھوں نے بنارس کے ایک نامی وکیل پرکاش چندر بھٹاچاریہ کو بلا کر اُس سمن کو دکھلایا۔ وکیل نے کہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابو شری ناتھ کے دن کچھ بُرے آگئے ہیں۔

ہری ناتھ۔ میں نے اس جعلی وصیت نامے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب انھوں نے خود ہی کچھ کارروائی کی ہوگی۔ جس کے لئے ان کو نقصان اُٹھانا پڑیگا۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ اور جو کچھ اس سمن سے ظاہر ہوتا ہے۔ انھوں نے ضرور جال بچھایا ہے۔

بھٹاچاریہ۔ ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ اور مجھے یقین کامل ہے۔ کہ یہ چال ہی ان کا کال ثابت ہوگی۔ بابو کیلاش ناتھ نے اپنے مرنے کے قبل جو بل لکھا تھا۔ اُسے ایک کیا ہزار شری ناتھ بھی نہیں بدل سکتے۔ ان دونوں میں یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ عدالت خفیفہ کے چپڑاسی نے آکر ایک اور سمن دیا۔ اور دوسرے پرچے پر ان کے دستخط لیکر اپنی راہ لی۔ اُس سمن کو پڑھ کر بابو ہری ناتھ نے بھٹاچاریہ مہاشے کو دکھا کر کہا۔ لیجئے۔ یک نہ شد دو شد۔

بھٹاچاریہ مہاشے نے اُس سمن کو پڑھ کر اور مسکرا کر کہا۔ یہ آپ کی بھاوج اپنے شوہر بابو کیلاش ناتھ کے حصے کی دعویدار ہوئی ہے۔

ہری ناتھ۔ آپ براہ مہربانی اُس فاحشہ عورت کو میری بھاوج نہ کہئیگا۔ اُس کا دعوے وہی پرچہ خارج کر سکیگا۔ جسے وہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دے گئی ہے۔ اور جب اس نے گھر سے نکل کر اپنی عزت و آبرو خاک میں ملا ڈالی۔ تو اب کیسے شوہر کا حصہ لے سکتی ہے۔ اور جب بھائی صاحب نے مرنے سے پیشتر اپنے حصے کا مناسب انتظام کر دیا ہے۔ تو عدالت کیا کر سکتی ہے۔

بھٹاچاریہ۔ ٹھیک ہے۔ میں ابھی ان دونوں درخواستوں کی باضابطہ نقل لے لیتا ہوں۔ اور جواب دینے کے لئے ایک مسودہ تیار کرتا ہوں۔ آپ اُن دونوں دستاویزوں

کو مجھے حوالے کر دیجئے گا۔ جو آپ کے پتا اور بھائی لکھ کر چھوڑ گئے ہیں"
یہ سُن کر وہ وصیت نامے بابو ہری ناتھ نے وکیل صاحب کے حوالے کئے۔ اور
وہاں سے روانہ ہوئے۔

اب دیکھنا چاہئے۔ کہ ہری ناتھ کے والد بابو رام ناتھ نے اپنے وصیت نامہ میں کیا
لکھا تھا۔ اور کیلاش ناتھ نے کیا تحریر کیا تھا۔

ہری ناتھ کے دادا بیکنٹھ ناتھ بہت ہی غریب اور کنگال آدمی تھے۔ وہ کندھے
پر دس پانچ روپے کے پیسوں کی تھیلی لاد کر بازار میں پھیری لگایا کرتے تھے۔ لیکن مثل
مشہور ہے۔ کہ خاندان ضرور پلٹا کھاتا ہے۔ بابو بیکنٹھ ناتھ کے لڑکے بابو رام ناتھ خوش
نصیب اور خوش قسمت نکلے۔ یعنی جس زمانے میں ہندوستان میں غدر مچا تھا۔ اور بلوائی
بے رحمی سے انگریزوں کے بال بچوں کو قتل کر رہے تھے۔ بابو رام ناتھ نے اپنی جان پر کھیل
کر بڑے بڑے انگریز افسروں اور ان کے گھر والوں کی جان بچائی تھی۔ اس خدمت کے
صلے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنارس، اعظم گڑھ اور گورکھپور کے ضلعوں میں سے کچھ
زمین بابو رام ناتھ کو عطا کی تھی۔ جس کی سالانہ آمدنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ تھی۔ لیکن انتظام
اور محنت سے انہوں نے بیس پچیس سال کے عرصے میں آمدنی کو دو چند کر لیا تھا۔ یہاں
تک کہ مرنے کے وقت وہ تین لاکھ روپیہ سال کی آمدنی اور بیس لاکھ کے پرامیسری نوٹ
چھوڑ کر مرے تھے۔

وہ اپنے لڑکوں کو نا قابل سمجھ کر کل جائداد اپنی بیوی کالندری بی بی کو سونپ گئے تھے اور
زندگی بھر وہی واحد مالکن بنی رہیں۔ یہی وصیت نامہ تھا۔ جو بابو رام ناتھ لکھ گئے تھے۔
بابو کیلاش نے جو مرتے وقت وصیت نامہ لکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ہر
حصہ کی دولت سے شری برندابن۔ کاشی۔ اور کوروکشیتر میں ایک ایک دھرم سالہ بنائی جائے۔
اور ان میں سدا برت جاری کیا جائے۔ بنارس میں ایک سنسکرت کی پاٹھ شالہ کھولی جائے۔

جس میں قابل اور ودوان سنسکرت کے دھنی پنڈت رکھے جائیں جو کھلے دل سے ودیا دان کر سکیں۔ بارہ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جو اس کے انتظام کی ذمہ وار ٹھہرائی جائے اس کمیٹی کی نگرانی بابو ہری ناتھ کرینگے۔

اس کے بعد ان بارہ آدمیوں کے نام لکھے تھے۔ جو کمیٹی کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ سب کے سب قابل اور عالم تھے۔

ناظرین۔ دونوں وصیت ناموں کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ اب دیکھنا ہے۔ کہ شری ناتھ اور گلاب نے کس بات کا دعویٰ بابو ہری ناتھ پر کیا تھا۔

شری ناتھ نے جج کے اجلاس میں ایک وصیت نامہ پیش کیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ بابو کیلاش ناتھ اپنے مرنے کے قبل اپنے حصے کی مالیت آدھی آدھی شری ناتھ اور ہری ناتھ کو دے گئے ہیں۔ اس لئے شری ناتھ چاہتا ہے۔ کہ عدالت اجازت دے۔ کہ وہ کیلاش ناتھ کے آدھے حصے پر قبضہ کرے۔ اور آدھے پر ہری ناتھ۔ ہری ناتھ عدالت میں حاضر ہو کر اس وصیت نامہ کی شرائط منظور کرے۔

گلاب نے عدالت خفیفہ میں یہ درخواست دی تھی۔ کہ میرے شوہر کے مرتے پر مجھے میرے بڑے دیور شری ناتھ اور ہری ناتھ نے گھر سے نکال دیا ہے اس لئے گذارش ہے کہ عدالت مجھ غریب بیوہ کا خیال کر کے میرے شوہر کا حصہ مجھے دلادے۔

ناظرین کو گلاب کا وہ پرچہ نہ بھولا ہو گا۔ جو اُس نے گھر سے نکلتے وقت ہری ناتھ کے پاس بھیجا تھا۔ بس اسی کی بنا پر اُس کا دعویٰ خارج ہو گیا۔

اب رہا شری ناتھ کا معاملہ۔ آخر وہ بھی نہ ٹھہر سکا اور جعلی وصیت نامہ بنانے کا جرم اس پر عاید کیا گیا۔ اول تو اس کا وصیت نامہ ہی جعلی تھا۔ اور دوسرے اس پر جس قدر اشخاص کی گواہی تھی۔ وہ سب پر لوک سدھار چکے تھے۔ اور شری ناتھ ان کے دستخط جان بوجھ کر بنا لایا تھا۔ جب عدالت جانچ پڑتال کرنے لگی۔ تو یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی

کہ وہ گواہ جن کی گواہی وصیت نامہ پر کرائی گئی تھی۔ اُس بل کے لکھے جانے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ آخر عدالت نے شنری ناتھ کا بنایا ہُوا بل جعلی ٹھہرایا۔ اور شنری ناتھ پر مقدمہ چلایا۔ قصور ثابت ہونے پر اُسے عمر بھر کیلئے کالے پانی بھیجدیا۔

گیارھواں باب

بہت دنوں سے ہمارے ناظرین کو چپلا بی بی کا حال معلوم نہیں ہُوا۔ کہ ڈاکو اسے اڑا کر کدھر لے گئے۔ اور اس کے ساتھ کیا کیا۔

ڈاکو ٹھیک آدھی رات کے وقت آئے تھے۔ اس وقت تمام دنیا خوفناک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بنارس کی گلیوں میں نام کو بھی روشنی نہ تھی۔ رات کے چوکیدار کتے بھی نہ معلوم کہاں چلے گئے تھے۔ ڈاکوؤں نے اس سناٹے سے فائدہ اٹھایا۔ اور مختلف گلیوں سے گزر کر گنگا کنارے پہنچے۔ اور ایک ایک کر کے سب اُس بڑے بجرے پر چڑھ گئے۔ جو کنارے پر بندھا ہُوا تھا۔

ملاحوں کے علاوہ پانچ سات آدمی بجرے پر اور تھے۔ ان کا سردار ایک مخملی پلنگ پر لیٹا ہُوا حقہ پی رہا تھا۔ جب ڈاکوؤں نے چپلا کو بجرے پر پہنچایا۔ سردار پلنگ سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور ڈاکوؤں نے بیہوش چپلا کو اس پلنگ پر لٹا دیا۔

سردار نے ڈاکوؤں میں سے ایک کی طرف دیکھ کر کہا۔ بیچو! اس عورت کو اٹھالانے میں تم لوگوں کو کسی مصیبت کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا۔

بیچو نے کہا جی نہیں سرکار! جب ہم صدر دروازہ توڑ کر مکان میں گھسے۔ تو سب

عورتوں کو سوتے ہوئے پایا۔ اور تعجب اس بات کا ہے۔ کہ کھٹکے سے بھی کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ ہمیں اس عورت کے پہچاننے میں زیادہ سے زیادہ دس پندرہ منٹ لگے ہونگے۔ لیکن اس کام کو ہم لوگوں نے اس صفائی سے کیا۔ کہ نہ تو کسی اور کو ہی جاگنے کا موقعہ ملا۔ اور نہ ہی اس کو چیخنے چلانے اور واویلا مچانے کی فرصت ملی۔ میں نے جاتے ہی اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا تاکہ یہ چلا نہ سکے۔ اب آپ اقرار کے بموجب انعام دیجئے۔ اور اگر اپنی طرف سے بھی کچھ دینے کا ارادہ ہو۔ تو اور بھی احسان ہوگا۔

بیجو کی باتوں سے خوش ہو کر سردار نے اپنی جیب سے ایک بٹوا نکالا۔ اُس میں سے سو اشرفیاں نکال کر اُس کے حوالے کیں۔ اور کہنے لگا۔ یہ لو اپنے وعدے کے مطابق سو اشرفیاں تمہیں انعام دیتا ہوں۔ اور پچیس[۲۵] اشرفیاں جو پہلے دی تھیں۔ انہیں شکرانے میں سمجھ لو۔

یہ سنتے ہی بیجو نے جھک کر سردار کو سلام کیا۔ اور اشرفیاں لے کر اپنے ساتھیوں کو آٹھ آٹھ اشرفیاں فی کس دیکر رخصت کیا۔ باقی کی اشرفیاں اپنی کمر سے باندھ لیں۔ بجرا سردار کے حکم سے کھول دیا گیا۔ جو ہوا کے ساتھ ساتھ پانی پر تیزی سے چلنے لگا۔

چپلا پلنگ پر بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے منہ سے کپڑا نکال لیا گیا۔ سردار لسی کے قطرے ٹھہر ٹھہر کر اس کے منہ میں ٹپکا رہا تھا۔ بیجو بجرے کی چھت پر بیٹھا ہوا دور سے کنارے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بجرا دو تین گھنٹے پانی میں برابر بہاؤ کی طرف چلتا رہا۔ آخر کنارے پر پہنچا گیا۔ بیجو بجرے سے ریت پر کود گیا۔ اور اس شخص سے بات چیت کرنے لگا۔ جس کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ رنگھیر نے کہا۔ واہ بھئی بیجو، عین وقت پر آ پہنچے۔ میرے سرکار کا کام ہو گیا نا؟

بیجو "ہاں بخوبی ہو گیا"

رکھیے تو پھر اب دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سرکار سے کہو۔ کہ پالکی کا بندوبست ہو گیا ہے
گھوڑے تیار ہیں۔ اور یہاں سے کچھ دور ہی سب سامان لیس ہے؟

سردار کے آدمیوں نے چپلا کو ہاتھوں ہاتھ پالکی میں لٹا دیا۔ اور اس کا دروازہ بند کر دیا۔ دوسری پالکی میں سردار خود سوار ہوا۔ اُس کے نوکر چاکر بجرے سے سب سامان اُٹھا لائے۔ بجو نے ملاحوں کا کرایہ بھی چکا دیا۔ ملاح دوگنا کرایہ پا کر خوش ہو گئے۔

پھر دونوں پالکیاں روانہ ہوئیں۔ بجو اور دیگر نوکر چاکر گھوڑوں پر سوار ہو کر پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔

کچھ دور جا کر ایک عالیشان مکان ملا۔ جہاں پہرہ دار دروازوں پر پہرہ دے رہے تھے۔ پالکیاں دروازے پر رکھ دی گئیں۔ سردار باہر نکلا۔ اور چپلا کو اُٹھا کر اندر لے گیا جہاں ایک مخملی چھپر کھٹ پر اُسے لٹا دیا۔ پھر سب کو رخصت کیا۔ اور خود بھی وہاں سے چلا گیا

اگلے روز صبح کے وقت چپلا کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک سجے ہوئے کمرے میں ایک مخملی پلنگ پر لیٹے ہوئے پایا۔ یہ حال دیکھ کر اس نے زور سے چیخ ماری۔ اور بے ہوشی کا عالم اس پر طاری ہو گیا۔ جب ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے۔ تو غور و فکر کرنے لگی۔ لیکن اتنا ہی یاد رکھ سکی۔ کہ چند ایک نقاب پوشوں نے میرے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔ اور مجھے اٹھا کر چلتے بنے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ اسے معلوم نہ ہو سکا۔ وہ بار بار سوچتی تھی۔ میں کہاں ہوں؟ کس حالت میں ہوں؟ مجھے یہاں کون اٹھا لایا ہے؟ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایک گھنٹے تک بڑی پریشان خیالات میں اُلجھی رہی۔ لیکن اس الجھن کو دور نہ کر سکی۔ آخر کار تھکی ہوئی پلنگ سے نیچے اتر کر متفکر ہوئی۔ کہ میں مصیبت کے جال میں پھنس گئی ہوں۔ مگر کچھ پرواہ نہیں۔ بلکہ میں اپنے آپ کو اس قابل بناؤں گی۔ کہ تمام تکالیف کا سامنا اطمینان سے کر سکوں۔ اور اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگنے دوں۔ اسی طرح دل کو تسلی دیکر وہ کمرے کی ہر ایک چیز کو غور سے دیکھنے لگی۔

کمرہ کیا تھا۔ کسی شہنشاہ کا آئینہ خانہ تھا۔ نیچے قالین کا فرش بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف مخملی چھپر کھٹ اور دوسری طرف ایک گول میز رکھی تھی۔ جس کے چاروں طرف مخمل سے منڈھی ہوئی کرسیاں بچھی تھیں۔ ایک دیوار پر پانچ قد آدم آئینے لٹکے ہوئے تھے۔ اور اُنکے مقابل میں دوسری طرف پانچ دروازے تھے۔ اور ان کے آگے کھلی ہوئی چھت تھی۔ اُس کمرے کے دونوں طرف دو دو بڑی کوٹھڑیاں تھیں۔ جن میں سے ایک میں تو بیش قیمت لباس، کپڑے اور زیور وغیرہ تھے۔ اور دوسری میں نہانے دھونے اور سنگھار وغیرہ کرنے کا پورا سامان تھا۔ چمپا نے گھوم پھر کر اس کمرے اور کوٹھڑیوں کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ کہ ہو نہ ہو کسی بگڑے ہوئے امیر زادے نے میرے ننگ ناموس کو برباد کرنے کے لئے یہاں مجھے قید کیا ہے۔ لیکن میرا نام چمپا ہے۔ تو اُسے اس کی شرارتوں کا پورا پورا مزہ چکھاؤں گی۔

یہ سوچ کر وہ کمرے کے باہر چھت پر آئی۔ اور دیکھا۔ کہ چھت کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ جب تک دس بارہ ہاتھ کی سیڑھی نہ لگائی جائے۔ اُس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس مکان کے باہر کیا ہے۔ یا یہ مکان کس سرزمین پر واقع ہے۔ اس چھت پر کمرے کے سامنے ہی ایک دروازہ اور بھی دکھائی دیا۔ مگر وہ اندر سے بند تھا۔

اسے کمرے کے اندر واپس گھوم پھر کر یقین ہو گیا۔ کہ یہ کمرہ اور چھت سب ایک ہی [illegible] اونچی منزل پر ہیں۔ [illegible] چھت پر [illegible] چھت سے لٹکے ایک لمبا [illegible] لکھا تھا۔

"آپ [illegible] یہاں [illegible] کے لئے مقیم ہیں۔ کسی دشمن کی قید میں نہیں ہیں۔ جو سامان آپ یہاں دیکھتی ہیں۔ وہ سب آپ ہی کے لئے ہے۔ اور آپ اسے جس طرح چاہیں، استعمال کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ جس چیز کی ضرورت ہو۔ ایک پرزہ کاغذ پر لکھ کر یہاں ڈال دیں۔ دوسرے روز چیز مہیا ہو جائے گی۔"

چپلا حیران تھی۔ کہ میں کیا تماشہ دیکھ رہی ہوں۔ یہ سوچکر اس نے چھت کی دیواروں اور کمرے کی بلندی پر پھر ایک بار نظر ڈالی۔ اور چھت کے اس بند دروازے کو بڑے زور زور سے ہلایا۔ اور چلا چلا کر کئی آوازیں دیں۔ کہ اس مکان میں جو کوئی ہو۔ میرے سامنے آئے۔ لیکن سب بے سود ثابت ہُوا۔ کسی نے اُس کی آوازوں کا جواب نہ دیا۔ اور نہ ہی کوئی سامنے آیا۔ تب اُس نے دروازے میں کان لگا کر یہ جاننا چاہا۔ کہ اس گھر میں کوئی ہے یا نہیں۔ لیکن کسی قسم کی آہٹ نہ آئی۔

وہ آخر کمرے میں چلی آئی۔ اور اُس کوٹھڑی میں گئی۔ جس میں نہانے دھونے کا سامان تھا۔ صابن۔ عطر۔ تیل۔ تولیہ۔ دھوتی اور پانی کے مٹکے وغیرہ سب موجود تھے۔ اُس نے دروازہ بند کر کے غسل کیا۔ اور جب کپڑے وغیرہ پہن کر باہر آئی۔ تو دیکھا کہ میز پر چاندی کے تھال میں میوہ۔ مٹھائی اور پھل قرینے سے رکھے ہیں۔ گلاب کی خوشبو سے بسی ہوئی مرادآبادی صراحی۔ چاندی کا گلاس جس میں پانی بھرا ہُوا ہے۔ پاس ہی رکھا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک رقعہ بھی پڑا ہے۔ یہ سامان دیکھ کر اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ دل ہی دل میں کہنے لگی۔ کہ یہ کون شخص ہے۔ جو میری خاطرداری اس قدر کرتا ہے۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ یہ کہکر اُس نے پرچے کو اٹھا کر پڑھا۔ اس میں فقط اتنا لکھا تھا۔ کہ یہ آپ ہی کے لئے ہے۔ شوق سے ناشتہ کیجئے۔ ٹھیک دوپہر کے وقت آپ کو چھت والی کوٹھڑی میں رسوئی بھی تیار ملیگی۔

آخر چپلا کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور جو جی میں آیا۔ کھایا۔ پھر ایک الماری سے جس میں بہت سی کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ رامائن نکالی۔ اور سیتا کا راون کی اشوک باٹکا میں جا کر رہنے کا حال پڑھنے لگی۔

وہ بہت دیر تک رامائن پڑھتی رہی۔ لیکن جونہی بارہ بجے۔ وہ رامائن بند کر کے کمرے کی چھت پر آئی۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہُوا تھا۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ وہ بھی ایک اچھی خاصی کوٹھڑی ہے۔ ایک طرف اونی آسن بچھا ہُوا ہے۔ ایک

طرف چاندی کے گلاس اور لوٹے میں پانی بھر کر رکھا ہوا ہے۔ چاندی کے تھال میں گرما گرم رسوئی پروسی ہوئی ہے۔ اور پاس ہی ایک کاغذ بھی لپٹا ہوا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر چپلا اور بھی چونکنی سی ہو گئی۔ اور جب اس کوٹھڑی میں اسے کوئی بھی دروازہ نظر نہ آیا۔ تو وہ اور بھی حیران ہوئی۔ دیواروں کو دیکھا۔ تو وہ چونے گچ کی پختہ بنی ہوئی معلوم ہوئیں۔ اُن میں دروازے کا ہونا نا ممکن تھا۔ کوٹھڑی کا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ جس میں کہ سوراخ کا گمان نہ ہوتا تھا۔ اُس نے آسن پہ رکھے ہوئے کاغذ کو اُٹھا لیا۔ اور اسے کھول کر پڑھا۔ جس میں لکھا تھا

"یہ رسوئی کلین برہمن کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کے کھانے میں کسی قسم کا پرہیز نہ کریں۔ رات کو ٹھیک نو بجے اسی کوٹھڑی میں آپ کو پھر کھانا تیار ملیگا۔"

چپلا نے ہاتھ دھو کر کھانا کھایا۔ اور جب وہ فارغ ہو کر کمرے میں آئی۔ تو دیکھتی کیا ہے۔ کہ جس میز پر صبح ناشتہ پڑا تھا۔ وہاں لگے ہوئے پان۔ پاندان۔ الائچی۔ لونگ چھینی ڈلی۔ عطر کے بکس۔ لونڈر کی شیشیاں وغیرہ قرینے سے سجی رکھی ہیں۔ اس نے دو چار بیڑے پان کے کھائے۔ اور پلنگ پر جا کر لیٹ گئی۔ کچھ دیر تک تو خیالات میں مستغرق رہی۔ پھر سو گئی۔ اور جب اس کی آنکھ کھلی۔ تو شام ہو چکی تھی۔ کمرے بجلی کی روشنی سے جگمگا رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی وہ پلنگ سے نیچے اتری۔ اور ہاتھ منہ دھو کر اور دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر کمرے میں آ بیٹھی۔ اور رامائن پڑھنے لگی۔ ٹھیک نو بجے اُسی کوٹھڑی میں گئی۔ تو کھانا تیار پایا۔ لیکن بھوک نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کھایا۔ اور رات جاگ کر بسر کی۔

بارھواں باب

بھیروں پرشاد کو مدن موہن کے باغ میں دیکھ کر پتی کی طبیعت پلٹا کھا چکی تھی۔ اب وہ نہ بھیروں پرشاد سے ہی محبت جتانا چاہتی تھی۔ اور نہ مدن موہن سے ہی آشنائی کا خیال رکھتی تھی۔ اب دن رات اُسے اپنے باپ کے قاتل کا خیال تھا۔

اُس نے اپنا اور اپنے باپ کے قاتل کا پورا پورا حال ورنبہ مدن موہن کو بتلا دیا لیکن اپنی طبیعت کے یک بیک پلٹ جانے کا حال ان سے نہیں کہا۔ بلکہ اب بھی پہلے کی طرح مدن موہن سے ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتی تھی۔

ایک دن اُس نے مدن موہن سے ہنسکر کہا۔ کہئے! اب اُس بدذات کے گرفتار ہونے میں کیا دیر ہے؟

مدن موہن "بس اب وہ جلد ہی گرفتار ہُوا چاہتا ہے۔ کچھ ثبوت اور جاسوس اگر وہ مل گئے۔ تو سب کام ایک ہی روز میں ہو سکتا ہے"

پتی "لیکن اس کمبخت کا فیصلہ ہو جانے پر آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرینگے۔ آج مجھے ٹھیک ٹھیک بتلا دیجئے"

مدن موہن "کیوں؟ سلوک کیسا؟ تم کو اپنی بیوی بنانے کا وعدہ تو میں پہلے ہی کر چکا ہوں"

پتی "جی! یہ چوچلے اب رہنے دیجئے۔ آپ نے جس چالاکی سے مجھے یہاں قید کیا ہے وہ ظاہر ہو گئی ہے۔ لیکن اس میں میرا بھی قصور ہے۔ کہ میں نے آپ سے اپنا جھوٹا حال کہا۔ اور اصلیت کو چھپانے کی بے جا کوشش کی۔ خیر جو ہُوا سو ہُوا۔ اُس کا معاوضہ

بھی ہاتھوں ہاتھ مل گیا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ اپنا کام نکال کر فوراً مجھے گھر سے باہر کر دینگے
میری طرف بھول کر بھی نہ دیکھیں گے"

مدن موہن :۔ اچھا یہ بتلاؤ۔ کہ تم اپنے باپ کے قاتل کو سزا دلوانا چاہتی ہو یا نہیں؟

بتی :۔ کیوں نہیں۔ میں تو چاہتی ہوں۔ کہ جس طرح اُس نے میرے باپ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا اُسی طرح سے وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا جاوے۔ مجھے اس درجے پر پہنچانے والا وہی بدذات ہے"

مدن موہن :۔ اگرچہ میں چکمہ دے کر یہاں لے آیا۔ تو پھر میں نے تمہارے ساتھ کیا برائی کی تمہیں اپنے باپ کے قاتل سے ضرور بدلہ لینا چاہیئے۔ اور مجھے بھی بھیروں پرشاد کی خلاصی کے لئے اُسے سزا دلوانی چاہیئے۔ تو ایسی حالت میں جب تک میں تمہیں سبز باغ نہ دکھاتا تم میرے قابو میں کیونکر آتیں۔ ہاں اگر تم نے اپنا اصلی حال مجھ سے کہا ہوتا۔ تو میں بھی تمہیں بیوی بنانے کا دھوکا نہ دیتا۔ اور کسی دوسرے ہی ڈھنگ سے تمہیں چلا لاتا"!

بتی :۔ جی ہاں! بجا ہے۔ آپ کو اپنا کام نکالنے کیلئے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن اب براہِ مہربانی فرما دیجئے۔ کہ آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرینگے"

مدن موہن :۔ گھبراتی کیوں ہو؟ یقین رکھو۔ کہ جب تک تمہاری زندگی ہے۔ تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی"

بتی :۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہہ دیجئے"

مدن موہن :۔ بتی! اصل تو یہ ہے۔ کہ جب تم ہندو سے مسلمان ہو گئی ہو تو تمہیں اپنی بیوی بنانا مجھے کب گوارا ہو سکتا ہے۔ ہاں! اتنا بندوبست ضرور کر دوں گا۔ کہ جب تک تم جیتی رہو۔ تمہیں روٹی کپڑے کے لئے محتاج نہ ہونا پڑے"

بتی :۔ اور اگر میں آپ کا کام نکل جانے پر بازار میں بیٹھ کر پھر رنڈیوں کا پیشہ اختیار کر لوں۔ تو کیا ہو؟"

مدن موہن :- یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا۔ کہ تم اپنی ذلت اُٹھا کر پھر بھی تھوڑے دنوں کی زندگی کے لئے اُس کوچے میں قدم رکھو۔ جس سے میں تمہیں ایک بار اُٹھا لایا ہوں۔"

پتی ۔ مگر جب طبیعت نہ ملے۔ تو کسی کی ہو کر رہنا بھی میرے لئے مناسب نہیں ہے۔"

مدن موہن :- "ہاں یہ تمہارے لئے غیر مناسب نہیں ہے۔ مگر اُس حالت میں جبکہ تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے۔ جو زندگی بھر تمہارا ساتھ دے۔ اور تمہیں اس حالت میں چھوڑ نہ دے۔ جب تم کسی مرض کی دوا نہ رہو۔ اور روٹی کے ٹکڑوں کے لئے گلی گلی کی ٹھوکریں کھاتی ہوئی بے قراری کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرو۔"

مدن موہن کی یہ باتیں سُنکر کچھ دیر تک پتی سر جھکا کر سوچتی رہی۔ پھر اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تو آپ نے میرے لئے کیا بندوبست کیا ہے؟"

یہ سُن کر مدن موہن نے ایک رجسٹری شدہ اقرارنامہ بکس سے نکال کر اُس کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا۔ کہ لو یہ اقرارنامہ ہے۔ جو رجسٹری ہو چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر تم نیک نیتی اور نیک چلنی سے میری حفاظت میں رہو گی۔ تو برابر پندرہ روپیہ ماہوار دیتا رہوں گا۔ اور اگر تم میری حفاظت میں رہنا پسند نہ کرو گی۔ تو ایک پیسے سے بھی تمہاری مدد نہ کروں گا۔ اور تمہیں تمہاری قسمت پر چھوڑ دیا جائیگا۔

یہ سُنتے ہی پتی نے اقرارنامے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور آنسو ڈھلکاتے ہوئے کہا بابو صاحب! میں آپ کی نیک مزاجی۔ فیاضی اور خوش خلقی کا شکریہ کسی طرح بھی ادا نہیں کر سکتی۔ آپ نے اپنے ایک دوست کو پھانسی سے چھڑانے کے لئے مجھ جیسی بدکار عورت کے ساتھ جو شریفانہ برتاؤ کیا ہے۔ ویسا ہر شخص نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے کسی قسم کی امداد نہ لونگی۔ آپ تو ایک طرف رہے۔ میں تمام دنیا کو دکھلا دوں گی۔ کہ

مجھ جیسی بدکار عورت بھی وقت پر کیا کچھ کر سکتی ہے۔ آج سے آپ اُس وقت تک میرے پاس نہ آئیے۔ جب تک خون کے معاملے میں بات چیت نہ کرتی ہو۔

یہ کہکر وہ باغ میں ٹہلنے لگی۔ مدن موہن بھی نیچی گردن کئے ہوئے باغ سے روانہ ہوئے لیکن وہ ہزار کوشش کرنے پر بھی یہ نہ سمجھ سکے۔ کہ پتی کا دلی مقصد کیا ہے؟

تیرھواں باب

اسی طرح اُس طلسمی مکان میں رہتے ہوئے چپلا کو آٹھ دس دن گذر گئے۔ لیکن ہزار کوشش کرنے پر بھی اُسے کسی آدمی کی صورت نظر نہ آئی۔ ہر چیز وقت پر مہیا ہو جاتی تھی مگر مہیا کرنے والا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس نے کمرے کو۔ بغل کی کوٹھڑیوں کو۔ اور چھت والی کوٹھڑی کو ہر چند غور سے دیکھا۔ لیکن یہ نہ سمجھ سکی۔ کہ کون کس طرف سے آتا ہے۔ اور سب سامان بہم پہنچاتا ہے۔ جب متواتر ایک ہفتہ کوشش کرنے پر بھی چپلا کسی شخص کو گرفتار نہ کر سکی۔ تو اس نے ایک کاغذ کے پُرزہ پر یہ لکھا۔ کہ جس نے مجھے یہاں لاکر قید کیا ہے۔ وہ سامنے آئے اور بتلائے۔ کہ کس لئے میرے ساتھ یہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اُس پُرزے کو چھت والی کوٹھڑی میں آسن پر رکھ دیا۔ اور کمرے میں آکر خیالات کی اُدھیڑ بن میں لگ گئی۔

دن گذرا۔ سورج غروب ہو گیا۔ کمرہ بجلی کی روشنی سے جگمگا اُٹھا۔ چپلا للو جی کا پریم ساگر پڑھنے لگی۔ کہ اتنے میں چھت سے آواز آئی۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

یہ سنتے ہی چپلا کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے دل کو تسلی دیکر آواز کا جواب

دیا۔" کون ہے؟ چلے آؤ۔" اس جواب کے ساتھ ہی ایک سجیلا جوان بیش قیمت لباس میں کمرے کے اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر تک دونوں ایک دوسرے کو غور سے دیکھتے رہے پھر اس جوان نے نہایت میٹھی آواز سے سر جھکا کر کہا۔

"مجھے کیا حکم ہے؟"

چپلا نے کہا۔ "تم کون ہو؟"

جوان "میں چاہے کون ہوں۔ مگر آپ کا خادم ہوں۔ اگر یہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف ہو۔ تو فرما دیجئے۔ جہاں تک ممکن ہو گا۔ اُس کے دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

چپلا "کیا تم بتا سکتے ہو۔ کہ مجھے یہاں لا کر کس نے قید کیا ہے؟"

جوان "میں نے"

چپلا "آپ کون ہیں؟"

جوان "یہ تو پہلے ہی بتلا چکا ہوں۔ کہ آپ کا خادم ہوں"

چپلا "تمہاری ذات؟"

جوان "وہی جو آپ کی ہے"

چپلا "پیشہ"

جوان "زمینداری"

یہ سنکر چپلا نے دل ہی دل میں کچھ سوچا۔ پھر فوراً کرسی سے اُٹھ کر اور مسکرا کر کہا۔ معاف کیجئے گا۔ میں نہیں جانتی تھی۔ کہ آپ اس حیثیت کے آدمی ہیں۔ اسی وجہ سے اس قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ آئیے۔ کرسی پر بیٹھئے۔ وہ جوان کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر چپلا بھی دوسری کرسی پر تن کر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ کیا آپ بتلا سکتے ہیں۔ کہ آپ نے مجھے کس غرض سے یہاں لا کر قید کیا ہے؟

چپلا کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ جوان بہت ہی چکرایا۔ پھر دبی زبان سے کہنے لگا۔ ایشور کا

شکر ہے۔ کہ آپ مجھ پر ناراض نہیں ہیں۔
چپلا: "میرے سوال کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ براہ مہربانی پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے۔ پھر پرماتما کا شکر ادا کیجئے۔"
جوان: "ہاں یہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں آپ کا ہمقوم ہوں۔"
چپلا: "ہاں آپ نے ایسا فرمایا ہے۔"
جوان: "تو ایسی حالت میں اگر میں آپ سے کوئی درخواست کروں۔ تو آپ کو قبول فرمانے میں کوئی عذر تو نہ ہوگا۔"
چپلا: "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"
جوان: "یہی کہ آپ ابھی تک کنواری ہیں۔"
چپلا: "اور آپ؟"
جوان: "مجھے بھی کنوارا ہی سمجھئے۔"
چپلا: "اچھا! تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"
جوان: "بابو گھنشام داس جن سے آپ کی شادی قرار پائی تھی۔ دنیا میں نہیں ہیں۔"
ان الفاظ کے سنتے ہی چپلا کا کلیجہ کانپ اُٹھا۔ اسے بھیروں پرشاد کے وہ الفاظ یاد آئے۔ جو اُس نے اپنی بہن مالتی کو اپنی ملاقات کے وقت کہے تھے یعنی گھنشام مرا نہیں۔ اور کلائی جو اس کے پلنگ پر پائی گئی تھی۔ اُس کی نہیں ہے۔ کیونکہ جس شخص نے بھولا کو مارا ہے۔ وہی پتی اور گھنشام کو اڑا لے گیا ہے۔ مدت کے بعد آج پھر گھنشام کا نام سُن کر وہ چونک اٹھی۔ لیکن دلیری سے جواب دیا۔ ہاں! ٹھیک ہے۔ اگر وہ دنیا میں رہتے تو میں ہی اب تک اس دنیا سے کوچ کر گئی ہوتی۔
جوان۔ (تعجب سے) "اس کا مطلب؟"
چپلا: "یہی کہ میں اُن سے اس لئے شادی کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ کہ ان کا چال چلن

بہت ہی خراب تھا۔ اور انہوں نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ جس کا نام نبی تھا۔ آشنائی
کر لی تھی۔ اس لئے اگر میری شادی ان سے ہو جاتی۔ تو میں ضرور اپنے ہاتھوں اپنا گلا کاٹ
ڈالتی۔ مگر پرماتما کا شکر ہے۔ کہ اس نے خود ہی میری بلا ٹال دی۔"

جوان:۔ "کیا یہ بات سچ ہے۔ کہ آپ گھنشام سے نفرت کرتی تھیں۔"

چپلا:۔ "ہاں بالکل صحیح اور درست ہے۔"

جوان:۔ "تو اگر میں آپ کے ساتھ شادی کرنا چاہوں . . . ."

یہ کہتے کہتے وہ نوجوان رُک گیا۔ لیکن چپلا نے اُس کی شرم اور رکاوٹ کو یہ کہکر دور
کر دیا۔ کہ ہاں! ہاں!! کہئے! کہئے!! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ میرے ساتھ شادی
کرنا چاہتے ہیں؟

یہ سنتے ہی وہ نوجوان چپلا کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور گڑگڑا کے کہنے لگا۔ ہاں! سندری
میری دلی خواہش یہی ہے۔ اور اسی لئے میں آپ کو یہاں اُٹھا لایا ہوں۔

چپلا نے اپنے پاؤں کھینچتے ہوئے اور کرسی پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

واہ! تو اس کے لئے آپ اتنے بے قرار کیوں ہوئے جاتے ہیں۔ اُٹھئے۔ اپنے دل کو
سنبھالئے۔ اور بتلائیے۔ کہ کیا سچ مچ میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے آپ نے مجھے یہاں
لا کر قید کیا ہے۔

جوان:۔ "جی ہاں دراصل قید کرنے کا یہی مقصد ہے۔"

چپلا:۔ اگر آپ کا یہی ارادہ تھا۔ تو آپ نے اس معاملے میں میرے بھائیوں سے بات چیت
کیوں نہ کی۔"

جوان:۔ "کس سے کرتا؟ آپ کے بھائیوں میں بڑے صاحب لاپتہ۔ منجھلے جیل خانے میں
چھوٹے دونوں کے دونوں جاپان گئے ہوئے ہیں۔"

چپلا:۔ "مگر میری بھاوج اور بہنیں تو ہیں۔ اُن ہی سے بات چیت کی ہوتی۔"

جوان :۔ ہاں! میں نے پہلے تو یہی سوچا تھا۔ پھر یہ خیال کیا۔ کہ ممکن ہے۔ آپ کی بہنیں میری یہ درخواست رد کردیں۔ اور میں کہیں کا نہ رہوں۔ اِس لئے میں آپ کو یہاں لے آنے کے لئے مجبور ہؤا۔ جس کے لئے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

چپلا :۔ خیر جو ہؤا اچھا ہؤا۔ گذشتہ راصلوٰۃ۔ آیندہ را احتیاط۔ لیکن یہ بتلایئے۔ کہ شادی کے لئے کونسا دن ٹھیک ہے۔"

جوان :۔ "یہ آپ کی رضامندی کے بغیر کیونکر کر سکتا ہوں۔"

چپلا :۔ بیشک ٹھیک ہے۔ آپ کی موہنی صورت دیکھتے ہی میرا دل میرے قابو سے جاتا رہا ہے۔ امید ہے۔ کہ آپ بھی مجھے دل وجان سے چاہتے ہوں گے۔ غالباً اِسی وجہ سے آپ مجھے یہاں اٹھا لائے ہیں۔"۔

جوان :۔ میں آپ کو کس قدر چاہتا ہوں۔ اس کا بیان نہیں کر سکتا۔ آپ جس طرح چاہیں۔ میرا امتحان لے لیں۔"

چپلا :۔ امتحان تو کیا لونگی۔ ہاں! دو ایک باتیں بہت ضروری ہیں۔ جن کے ذریعے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

جوان :۔ وہ کونسی باتیں ہیں۔ فرما دیجئے۔ مَیں ہر طرح حاضر ہوں۔"

چپلا :۔ اول تو یہ بتلایئے۔ کہ میں یہاں کب تک قید رکھی جاؤں گی۔"

جوان۔ جب تک کہ شادی کی رسم ادا نہ ہو جائے۔

چپلا :۔ اور بعدہ۔"

جوان :۔ آپ اپنی بہنوں سے مل سکیں گی۔ اور میرے جان و مال کی مالکہ بنکر میرے گھر میں رہینگی۔"

چپلا :۔ ہاں یہ باتیں مجھے منظور ہیں۔ مگر کیا اسی طلسمی مکان میں رہنا ہوگا۔ جسے دیکھ کر اچھا بھلا آدمی بھی بے وقوف اور پاگل بن جاتا ہے۔"

جوان :۔ ہاں! آپ ہمیشہ یہیں رہینگی۔ گو یہ مکان عجیب ڈھنگ کا بنا ہؤا ہے۔ مگر

جب آپ اس کے اصلی راز کو پا جائینگی۔ تو پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کا خیال نہ کرینگی۔"

چپلا:۔ "تو مہربانی فرما کر مجھے اس مکان کی سیر کرا دیجئے۔ جس میں مجھے ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا۔"

جوان:۔ "اس طلسم سے میں آپ کو شادی ہونے کے بعد آگاہ کروں گا۔ اور مکان کی سیر بھی کرا دوں گا۔"

چپلا:۔ "خیر آپ کی مرضی۔ اب دوسری بات یہ ہے۔ کہ آج سے چھ ماہ تک آپ مجھ سے شادی کا سوال نہ کیجئے گا۔ کیونکہ اس عرصے میں ہم لوگ ایک دوسرے کی محبت کا پورا پورا اندازہ لگا سکیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ ہم دونوں کی چھ ماہ تک ملاقات نہ ہو اگر آپ اس شرط کو منظور کریں۔ تو میں آپ کے ساتھ شادی کرونگی۔ اور اگر آپ یہ شرط نہ چاہیں۔ اور زبردستی پر آمادہ ہوں۔ تو میں تنگ آکر خودکشی کر لونگی۔ یاد رہے۔ کہ آپ کی کسی بیجا خواہش کو پورا ہونے کا موقعہ نہ دوں گی۔"

چپلا نے یہ الفاظ کچھ ایسے جوش کے ساتھ ادا کئے۔ کہ وہ جوان تھرا اٹھا۔ مگر اپنی کمزوری کو چھپا کر ہنسکر کہنے لگا۔ نہیں! نہیں!! آپ گھبرائیے نہیں۔ میں اسی میں راضی ہوں۔ جس میں آپ کی رضا ہو۔

اس قدر کہکر اُس جوان نے ایک سادے سرکاری اشٹامپ کو جیب سے نکال کر چپلا کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ آپ اِس پر اس جگہ (انگلی سے بتلا کر) اپنے دستخط کر دیجئے۔

چپلا نے اشٹامپ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور کہا۔ اس پر آپ میرے دستخط کیوں لینا چاہتے ہیں۔

نوجوان:۔ "آپ گھبراتی کیوں ہیں۔ بلا کھٹکے دستخط کر دیں۔"

چپلا:۔ "آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ مگر خالی کاغذ پر کبھی دستخط نہ کرونگی۔"

اس پر نوجوان نے اُسے بہت کچھ اونچ نیچ سمجھایا۔ مگر وہ اُس کے جھانسے میں آئی آخر اُسے یہ کہہ کر رخصت ہونا پڑا۔ کہ آپ کے حکم کے بموجب چھ ماہ تک میں آپ سے نہ ملونگا اور اگر آپ سے ملنے کی کوئی ضرورت در پیش ہوئی۔ تو پہلے اجازت لے لوں گا۔ یعنی جو کچھ پوچھنا ہوگا۔ خط لکھ کر پوچھوں گا۔ اور آپ کو بھی میری ضرورت ہو۔ تو بذریعہ خط مطلع کر دیجئےگا خط آپ کو اُسی چھت والی کوٹھڑی میں ملا کریگا۔ اور آپ بھی اپنے خط کو اُسی کوٹھڑی میں ڈال دیا کریں۔

یہ کہہ کر جوان چلا گیا۔ چپلا پلنگ پر جا کر لیٹ گئی۔

چودھواں باب

ایک دن تیسرے پہر کے وقت للتا مدن موہن کے بچے کو گود میں لئے ہوئے آنگن میں کھلا رہی تھی۔ بچہ ماں کہکر اس کے بدن میں لپٹا جا رہا تھا۔ اور رال بہاتا ہوا کلکاری مار رہا تھا۔ للتا بھی بار بار پیار سے اس کی ٹھوڑی اور گال کو چومتی تھی۔ اور دوڑ کر کلیجے سے لپٹا لیتی تھی۔ اتنے ہی میں مدن موہن بھی پہونچ گئے۔ انہیں دیکھتے ہی للتا کے رونگٹوں سے خوشی کے فوارے چھوٹنے لگے۔

مدن موہن نے بچے کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر وہ للتا کے گلے سے لپٹ گیا۔ وہ اُن کی طرف دیکھ کر کلکاری مارنے لگا۔ بچے کا حال دیکھ کر للتا نے کہا۔ اس ناداں بچے کو دیکھو کہ مجھے چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس بھی نہیں جاتا۔ بھلا میں اس کی کون ہوں۔

مدن موہن نے مسکرا کر کہا۔ کیوں تم اس کی کوئی نہیں ہو۔ یہ بات کہاں سے کہتی ہو؟

اس سوال کا للتا نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ منہ پھیر کر بات اُڑانے کے لئے کہا۔ جائیے! بھیا سے مل آیئے۔

مدن موہن للتا کا اشارہ پاتے ہی بھیروں پرشاد کے پاس چلے گئے۔ اور للتا بچے کو کھلانے لگی۔ یہ سب حال صدر دروازے پر کھڑی ہوئی ایک بھکھارن دیکھ رہی تھی اور آنسو بہا رہی تھی۔ مدن موہن جب بھیروں پرشاد کے پاس چلے گئے۔ تو للتا کی نگاہیں بھکھارن پر پڑیں۔ اسے دیکھتے ہی للتا دروازے کی طرف جھپٹی۔ میلے کچیلے کپڑوں میں اپنے جسم کو چھپائے ہوئے اور گھونگھٹ نکالے ہوئے ایک عورت دروازے پر کھڑی تھی۔

للتا نے کہا۔ تم کون ہو۔ اور کیا چاہتی ہو۔

بھکھارن "میں ایک دکھیا عورت ہوں۔ اور کسی بھلے گھر میں محنت مزدوری کر کے اپنی زندگی کے دن کاٹنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ میری فریاد سن کر مجھ پر رحم کھا سکتی ہیں؟"

اس بھکھارن کی آواز سن کر للتا چونک اٹھی۔ اس نے فوراً اس کے گھونگھٹ کو اُلٹ کر چہرے کو بغور دیکھا۔ منہ دیکھتے ہی اس کا شک جاتا رہا۔ اس نے کہا۔ تمہاری آواز سن کر مجھے کسی دوسری عورت کا شک ہوا تھا۔ اس لئے تمہارا گھونگھٹ الٹ کر منہ دیکھنا پڑا مگر میرا شک دور ہو گیا ہے۔ اچھا تم روتی کیوں ہو؟

بھکھارن بولی۔ بی بی! میں بڑی دکھیا ہوں۔ کیا آپ مجھے اپنے یہاں رکھینگی۔

للتا "اچھا! رکھ لونگی۔ مجھے بچے کے کھلانے کے لئے ایک دائی کی ضرورت ہے۔ کیا میرا بچہ کھلایا کرو گی؟"

بھکھارن "ہاں! کھلایا کروں گی"

للتا "تو تمہیں رات دن رہنا ہوگا"

بھکھارن "میں رہوں گی"

للتا "کیا مہینہ لو گی"

بھکھارن: "فقط کھانا اور کپڑا۔"

للتا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

بھکھارن: "دکھیا۔"

للتا۔ دکھیا کو اندر لے گئی۔ اور اس کی گود میں بچے کو دے دیا۔ ایک دفعہ تو بچہ دکھیا کے منہ کو دیکھ کر چیخ اٹھا۔ مگر پھر اس کے کلیجے سے لپٹ گیا۔ یہاں تک کہ پھر تو وہ دکھیا کی گود سے للتا کے پاس بھی جانا نہیں چاہتا تھا۔ بچے کا یہ حال دیکھ کر للتا نے کہا۔ تمہارے کیا کوئی لڑکا بالا بھی ہے؟

دکھیا نے رو کر کہا۔ ہاں، مگر ... وہ میرا نہیں ہے۔

یہ کہتا اس نے بچے کا منہ چوم لیا اور ایک لمبی سانس لی۔ اتنے ہی میں مدن موہن آگئے ان کے آنے کی آہٹ پاتے ہی دکھیا نے گھونگھٹ نکال لیا۔ اُس پہ نظر پڑتے ہی مدن موہن بھی چونک اٹھے۔ اور للتا سے کہنے لگے۔ یہ کون ہے؟

للتا نے کہا۔ یہ بے چاری بڑی دکھیا ہے۔ اس کا نام بھی دُکھیا ہے۔ یہ نوکری کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ میں نے بچہ کھلانے کے لئے اسے رکھ لیا ہے۔

مدن موہن نے آہستہ سے کہا۔ تم نے اس عورت کا چہرہ اچھی طرح دیکھا ہے؟"

للتا: "ہاں۔ جو شک آپ کو ہوا ہے۔ وہی مجھے بھی ہوا تھا۔ کیونکہ اس کی آواز ہو بہو ویسی ہی ہے مگر نہیں۔ یہ وہ عورت نہیں ہے۔ اس کا چہرہ تو بہت برا اور بھیانک ہے۔ تعجب ہے کہ جو بچہ مجھے چھوڑ کر کسی کے پاس نہ جاتا تھا۔ اس کی گود میں اس قدر خوش ہے۔ کہ ہزار پچکارنے پر بھی میری طرف نہیں آتا۔"

پھر تو مدن موہن اور للتا نے باری باری سے بچے کو لینا چاہا۔ مگر وہ دکھیا کی گود چھوڑ کر کسی کے پاس بھی نہ گیا۔ آخر خیالات کی الجھن میں الجھے ہوئے مدن موہن اپنے گھر گئے۔ اور للتا گھر کے کام کاج میں لگ گئی۔ بچے کو دکھیا کھلاتی رہی۔

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ یہ دکھیا مدن موہن کی ابھاگی بیوی چنبیلی ہی ہے۔ جب وہ لکھنؤ سے بنارس آئی۔ تو پہلے کچھ دنوں تو دور ہی دور رہ کر مدن موہن اور اپنے بچے کو دیکھ لیا کرتی تھی۔ اور جب دل نے نہ مانا۔ تو للتا کے پاس آ کر نوکری کر لی یہی وجہ تھی۔ کہ اُسے دیکھ کر مدن موہن اور للتا کے دل میں چنبیلی ہونے کا شک پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس کا چہرہ چل جانے کی وجہ سے ایسا بھیانک ہو گیا تھا۔ اور اس کا سڈول جسم اتنا ڈھیلا اور بھدا ہو گیا تھا کہ اُسے للتا نے کسی طرح بھی نہ پہچانا۔ اور اس کے کہنے سے مدن موہن کا شک بھی جاتا رہا۔ ہاں اُس نادان بچے نے فوراً اپنی ماں کو پہچان لیا۔

پندرہواں باب

ایک دن مدن موہن نہا رہے تھے۔ کہ ان کے پاس ایک بند لفافہ پہنچا۔ کھول کر پڑھنے لگے۔ اُس میں لکھا تھا۔ کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے۔ بھیرول پرشاد کے گھر پہنچ جاؤ۔

مدن موہن پہلے تو حیران ہوئے۔ کہ کیا بات ہے۔ اور یہ خط کس کا لکھا ہوا ہے۔ پہچان گئے۔ کہ یہ بھیرول پرشاد کا خط ہے۔

یہ جانتے ہی فوراً کپڑے بدل کر چل دئے۔ اور دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ بھیرول کی ماں نے اندر سے پوچھا کون ہے؟

مدن موہن نے اپنا نام بتلایا۔ بڑھیا نے دروازہ کھول دیا۔ مدن موہن اندر چلے گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

انہوں نے صحن میں پہونچکر دیکھا۔ کہ منڈھا بچھایا ہوا ہے۔ کلس اسے صاف کیا ہوا ہے

پوجا کی سامگری اکٹھی کی گئی ہے۔ اور پروہت جی آسن پر بیٹھے ہوئے پتری دیکھ رہے ہیں۔

یہ سب دیکھ سنکر مدن موہن نے بھیروں پرشاد سے پوچھا۔ آج کس کی شادی ہے؟

بھیروں پرشاد نے مسکرا کر کہا۔ للتا کی۔

یہ سنتے ہی مدن موہن کے جسم میں تو گویا بجلی دوڑ گئی۔ انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔ کس کے ساتھ؟

بھیروں پرشاد: "تمہارے!"

اب مدن موہن کھڑے نہ رہ سکے۔ اور وہیں بیٹھ کر کہنے لگے۔ اتنی جلدی!

بھیروں پرشاد: "ہاں! اتنی جلدی۔"

مدن موہن: "سوچو تو سہی یہ موقعہ کیا۔ شادی کرنے کا ہے۔ کہاں تو تم ابھی اس بلا میں پھنس رہے ہو۔ بابو ہری پرشاد کے گھر کا حال تمہیں معلوم ہی ہے۔ اور میری طبیعت بھی ٹھکانے نہیں۔ ایسی حالت میں بھری راتے تم نے بھیرہی یہ بیاہ کیوں رچا دیا!"

بھیروں پرشاد: "کیا کروں۔ اب لڑکی ایک دن بھی کنواری نہیں رہ سکتی۔"

مدن موہن: (گھبرا کر) "یہ کیا؟"

بھیروں پرشاد: "وہ رجسولا ہو گئی۔"

مدن موہن: "کب؟"

بھیروں پرشاد: "آج اسے پانچواں دن ہے۔"

مدن موہن: "تو پھر اس سے کیا!"

بھیروں پرشاد: "تم لوگ انگریزی پڑھ کر انگریز ہو گئے ہو۔ اسی لئے کہتے ہو کہ اس سے کیا۔ مگر ہمارے بزرگ تو نرک میں پہنچ جاتے۔ اس لئے اٹھو اور کنیا دان قبول کرو۔"

مدن موہن: "جس دن چنبیلی پنانسک کا راز کھل گئی تھی۔ اور میں نے للتا کی گود میں سر رکھا تھا۔ اسی دن دل ہی دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ اگر میرا ارادہ پھر کبھی شادی کرنے کا ہوا۔ تو للتا ہی سے کروں گا۔ جب تم آج ہی کیا چاہتے ہو۔ تو تمہیں ایک بات

منظور کرنی ہوگی۔"

بھیروں پرشاد۔" ہاں! کہئے کیا بات ہے۔ میں منظور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تم جو کہوگے وہی کیا جائے گا۔"

مدن موہن۔" یہی کہ جب تک اِس خون کے معاملہ سے تمہارا چھٹکارا نہ ہو۔ اور تمہارے بہنوئی بابو ہر پرشاد کے گھر میں امن چین نہ ہو۔ اس شادی کا حال تمہیں چھپانا پڑے گا۔ اور للتا بھی اس وقت تک یہیں رہیگی۔ میں اس سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھوں گا۔"

بھیروں پرشاد۔" مجھے آپ کی شرائط منظور ہیں۔"

مدن موہن کو شادی کے کپڑے پہنا کر منڈھے کے نیچے بٹھایا گیا۔ اور ان کی بغل میں للتا کو بھی لاکر بٹھادیا گیا۔ اس وقت ان دونوں کے کلیجوں میں کیسے زور شور کے ساتھ بجلی دوڑ رہی تھی۔ اس کا حال ان دونوں کے علاوہ اور کون جا سکتا ہے۔ نہیں ایک تیسرے شخص نے بھی اس برقی لہر کو بھی محسوس کیا۔ وہ مدن موہن کی پہلی بیوی چنبیلی تھی۔ جس نے اپنی آنکھوں سے اپنے پتی کا پنر بواہ دیکھا۔ اس سے بڑھ کر اس پاپن کے پاپوں کی اور کیا سزا ہوسکتی ہے۔ وہ اپنے پتی کی پیاری ہو کر بھی اپنی بدخصلتوں کی وجہ سے جیتے جی مرگئی اور اپنی آنکھوں سے پتی کا پنر بواہ دیکھتے ہی جل بھن کر کباب ہوگئی۔ اور دوسری طرف للتا نے جسے خواب میں بھی مدن موہن کو پانے کی امید نہ تھی۔ اپنی سوت کے سامنے ہی اسکے پیارے پتی کے دل پر پورا پورا اختیار حاصل کرلیا۔

آخر بھیروں پرشاد نے کنیادان کیا۔ بات کی بات میں کماری للتا سوبھاگیہ وتی استریوں میں گنی جانے لگی۔ اور پتی کے ہوتے ہوئے بھی چنبیلی بدھواؤں سے بدتر حالت میں ہوگئی۔ اس سے بڑھکر اُس کے لئے اور کونسا پرائشچت ہوسکتا تھا۔

تیسرے پہر مدن موہن شادی کے کپڑے اُتار کر اکیلے اپنے گھر گئے۔ اور للتا اپنے گھر رہی۔ اُس نے بیاہ ہونے کے جو بڑے بڑے منصوبے اپنے دل میں باندھے تھے۔

دل کے دل میں رہ گئے۔

اُس دن دکھیا یعنی چنبیلی کے دل پر ایسی چوٹ لگی۔ کہ اُس نے کھاٹ پکڑ لی۔ اور بیماری کا بہانہ کر کے برابر تین دن تک پڑی رہی۔ تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ اگرچہ للتا نے اُس سے کھانے پینے کے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر وہ تین دن تک بالکل بھوکی رہی۔ آخر چوتھے روز اپنے کلیجے پر پتھر رکھ کر کھاٹ سے نیچے اُتری۔ اور گھر کے کام کاج میں لگ گئی۔

شادی ایسی چپ چاپ ہوگئی۔ کہ پڑوس تک میں بھی خبر نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اُس کی بڑی بہن مالتی کو بھی اطلاع نہیں دی گئی۔

بھیروں پرشاد نے دو باتیں سوچ کر اس کے بیاہ میں اتنی جلدی کی تھی۔ اوّل تو یہ کہ کنواری کنیا دروازے سے اُٹھ جائے گی۔ اور دوسرے یہ کہ نہ جانے اس خون کے الزام سے کب رہائی ملے۔ چلو لڑکی کے ہاتھ پیلے کر دو۔ زندگی کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے؟

مدن موہن اس شادی سے خوش نہ ہوئے۔ کیونکہ ان کے دوست یار مصیبتوں میں پھنس رہے تھے۔

سولھواں باب

اسی طرح اُس طلسمی مکان میں رہتے ہوئے چپلا کو کئی ماہ گذر گئے۔ لیکن اُس دن کے بعد اُس نے پھر اُس جوان یا کسی غیر شخص کو وہاں نہ دیکھا۔ اور نہ ہی کوئی خط پایا البتہ وہاں پر کسی چیز کی بھی تکلیف نہ تھی۔ ہر چیز ضرورت سے پہلے مہیا ہو جاتی تھی۔ وہ حیران تھی کہ کوئی کدھر سے آکر کمرے۔ چھت اور کوٹھریوں میں صفائی کر جاتا ہے۔ اور

ضروریات کے سب سامان عین وقت پر پہنچا تا ہے۔ اس نے بہت کوشش کی۔ کہ اس اسرار نہاں کو معلوم کرے۔ مگر مہینوں تک برابر کوشش کرنے پر بھی کامیاب نہ ہوئی۔

ایک دن وہ رات کو کھانا کھا کر کمرے کی بغل والی کوٹھڑی میں جو بیش قیمت پہننے کے کپڑوں۔ زیوروں اور آرائشی سامان سے مزین تھی۔ بیٹھی ہوئی سوچ رہی تھی۔ کہ اسے نیند آ گئی وہ وہیں آرام کرسی پر سوگئی۔ آدھی رات کے بعد کسی کی ہلکی سی آواز نے اس کی نیند اُچاٹ کر دی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ نیند کے خمار کو دور کیا۔ اور انگڑائی لے کر اُس آواز کا سراغ لگانے کے لئے تیار ہوئی۔

بہت دیر تک کان لگائے رہنے سے اسے معلوم ہؤا کہ کوئی شخص اس کوٹھڑی کے نیچے رو رہا ہے۔ اور یہ اسی کی آواز ہے۔

وہ کوٹھڑی کی دیوار کو دیکھنے لگی۔ دیوار پختہ بنی ہوئی تھی۔ پھر فرش کی طرف نظر دوڑائی۔ فرش سیاہ و سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ غور سے دیکھنے پر اُن پتھروں میں ایک جگہ آبنوس کی لکڑی کا ایک ٹکڑا نظر پڑا۔ یہ دیکھ کر چپلا بہت خوش ہوئی۔ کیونکہ اسے اس طلسمی مکان کا راز معلوم ہونے کی تھوڑی بہت امید ہو گئی۔ اس نے اس لکڑی کے ٹکڑے پر کان لگایا۔ تو معلوم ہؤا کہ اسی کے نیچے سے کسی کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ بہت دیر تک اس ٹکڑے کو ہر پہلو سے دیکھتی رہی۔ بالآخر [illegible] نظر آئی۔ اور جب اس کیل کو انگوٹھے سے دبایا۔ تو وہ لکڑی کا ٹکڑا نیچے کی طرف جھکا [illegible] سیڑھیاں دکھائی دیں۔ بس پھر کیا تھا۔ دل کو مضبوط کیا۔ اور نیچے اتر گئی۔ نیچے بھی ایک کوٹھڑی سی بنی ہوئی تھی۔ اور جس میں ایک آدمی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں سے جکڑا ہؤا کھڑا تھا۔ چار آنکھیں ہوتے ہی دونوں کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ چپلا نے ہونٹ پہ انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اور آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔ گھبراؤ نہیں! میں تمہیں بہت جلد اس قید سے چھڑاؤں گی۔ بھلا یہ بتلاؤ۔ کہ تم کتنے دنوں سے

یہاں قید ہوں قیدی نے کہا۔ اُسی کے تیسرے دن سے جس دن کہ ہمارے ساتھ تمہاری شادی ہونے والی تھی۔

ہمارے ناظرین نے اب اس قیدی کو ضرور پہچان لیا ہوگا۔ یہی گھنشام ہے اسی کے رونے کی آواز سن کر چیلا نے اس کوٹھڑی کو دریافت کیا ہے۔

چیلا۔ اچھا! تمہیں کس شخص نے قید کیا ہے؟

گھنشام۔ میں اس شخص کو مطلق نہیں جانتا۔ مگر تم یہاں پر کیسے آ گئیں؟

چیلا:- میں بھی تمہاری ہی طرح قید کر کے یہاں لائی گئی ہوں۔ لیکن میں تمہاری طرح تکلیف نہیں اُٹھاتی۔ بلکہ بڑے آرام سے دن کاٹتی ہوں۔ کیونکہ وہ بدذات میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔

یہ بات سنتے ہی گھنشام نے ایک ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ تو کیا تم اس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو؟

چیلا:- میں اس پر تھوکتی ہوں۔ مگر اپنی آزادی کے لئے حکمت عملی سے کام لینا چاہتی ہوں بھلا یہ تو بتلاؤ۔ کہ تمہیں وہ شخص کس لئے قید کر کے لایا ہے؟

گھنشام:- یہ تو مجھے بھی ٹھیک نہیں بتلا سکتا کہ اس کا دلی مقصد کیا ہے۔ لیکن ہاں یہ ضرور سمجھتا ہوں۔ کہ اس کی نیت اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مجھ سے سادے اسٹامپ پر دستخط کروانا چاہتا ہے [illegible] اور کہتا ہے۔ کہ اس کاغذ پر دستخط [illegible] قید سے رہا کر دیئے جاؤ گے۔

چیلا (گھبرا کر) تم نے ابھی تک کسی کاغذ پر اپنے دستخط تو نہیں کئے۔

گھنشام:- نہیں۔ اور نہ جیتے جی کروں گا۔

چیلا:- ہاں کبھی [illegible]۔ وہ کمبخت مجھ سے بھی ایک کورے اسٹامپ پر دستخط کرانا چاہتا تھا۔ مگر میں نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ جب وہ ہم دونوں کو یہاں

لے آیا ہے۔ اور دونوں ہی سے اسٹامپ پر دستخط کروانا چاہتا ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اس کی نیت بری ہے۔ ارادہ بُرا ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ اسٹامپ پر دستخط کر دینے کے بعد دونوں کو اس کے ہاتھوں اپنی جان دینی پڑے“

گھنشام ”میرا بھی یہی خیال ہے۔ اور یہی سوچ کر میں نے مستقل ارادہ کر لیا ہے۔ کہ چاہے جان جائے یا رہے۔ لیکن اُس شخص کے کسی کاغذ پر دستخط نہ کروں گا۔ پیاری چمپا، اب میری زندگی کا خاتمہ ہُوا ہی چاہتا ہے۔ کیونکہ جس حالت میں میں ہوں۔ وہ تم دیکھ رہی ہو دوسرے تیسرے روز ایک شخص پاؤ بھر بھنے ہوئے چنے ذرا سا نمک اور ایک گھڑا پانی کا دے جاتا ہے اسی سے میں اپنی زندگی کے دن پورے کرتا ہوں۔ کل وہ شخص آیا تھا۔ اور کل ہی پھر آئیگا!“

چمپلا ”وہ شخص کب اور کس راستے آتا ہے؟“

اس پر گھنشام نے ایک سیاہ ٹکڑے کو دکھلا کر کہا۔ کہ ٹھیک دوپہر کے وقت اسی راستے سے آتا ہے۔

چمپلا ”خیر تو میں ہر روز دوپہر کے بعد اور رات کو کھانا پہنچا جایا کرونگی یا تمہیں اوپر لیجایا کرونگی۔ اور جہاں تک مجھ سے ہو سکیگا۔ تمہاری تکلیف دور کرنے کی کوشش کرونگی“

یہ کہکر اُس نے گھنشام کے بتلائے ہوئے سیاہ ٹکڑے کی کیل دبائی۔ تو وہ بھی نیچے کی طرف جھول گیا اور چمپلا سیڑھیوں کی راہ نیچے اتر گئی۔ وہاں بھی ایک کوٹھڑی دکھائی دی۔ جس میں مختلف قسم کے ہتھیار اور استر و نشتر قرینے سے جگہ بہ جگہ رکھے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر اُس نے ایک چھرا ایک تلوار۔ ایک کمان۔ کئی تیر۔ ایک کمند اور بیڑی۔ ہتھ کڑی کے پیچ کھولنے کے اوزار وغیرہ لے لئے اور گھنشام کی کوٹھڑی میں آموجود ہوئی۔ اسکی بیڑیاں کھول ڈالیں۔ چارپائی پر کمبل کے نیچے انہیں رکھ دیا۔ اور وہیں ایک تلوار بھی چھپا دی۔ پھر کہنے لگی۔ کہ میں برابر اب تمہارے پاس ہی رہا کرونگی۔ اور تیسرے روز جب وہ شخص تمہیں چنے دینے کے لئے آیا کریگا۔ میں اس سے پہلے ہی تمہیں بیڑیاں وغیرہ پہنا دیا کرونگی۔

بیڑی۔ ہتھکڑی کے کھلتے ہی گھنشام نے چپلا کو گلا سے لگا کر کہا۔ پیاری چپلا! اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ میری رہائی کے لئے ہی پرماتما نے تمہیں یہاں بھیجا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس وقت آگیا۔ جب میں بالکل آزاد ہوں۔ تو پھر کیا ہوگا؟

چپلا۔ "تو بات ہی کونسی ہے۔ تلوار سے کام لینا اور شور وغل مچا دینا۔ میں آہٹ پا کر اسی وقت تمہاری مدد کو آپہونچوں گی۔ پھر جو کچھ ہوگا۔ دیکھا جائیگا"

اس کے بعد چپلا گھنشام کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ اور مختلف قسم کی بات چیت کرتی رہی۔ پھر اُسے وہیں پہنچا دیا۔ اور آبنوس کے تختے کو بند کرکے اور اُن چیزوں کو چھپا کر جنہیں وہ نیچے سے اپنے ساتھ لائی تھی۔ پلنگ پر جا کر لیٹ رہی۔

سترہواں باب

علے الصبح ضروریات سے فارغ ہو کر اُس نے غسل کیا۔ پھر آبنوس کے پتھر نما ٹکڑے کو کیل دبا کر کھولا۔ اور گھنشام کو اوپر لا کر نہلایا دھلایا۔ دونوں نے ناشتہ کیا۔ پھر اُسے اُس کوٹھڑی میں لے گئی۔ اور بیڑیاں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ کیونکہ آج اس شخص کے آنے کا دن تھا۔ جو گھنشام کو آکر تیسرے دن چنے اور پانی دے جایا کرتا تھا۔ چپلا نے کہا۔ جب وہ کمبخت خوراک دیکر چلا جائے۔ تو تم بیڑیوں کو جھنجھنا دینا۔ میں آکر کھول دونگی۔ اور اوپر لیجا کر تمہیں کھانا کھلاؤں گی۔

چپلا اوپر آئی۔ تو اس نے کمرے اور باقی دونوں کوٹھڑیوں کو دیکھنا شروع کیا۔ مگر بس اسے پانچ چور دروازوں کا نشان ملا۔ جو پانچ قد آدم آئینوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔

ان کی دیکھ بھال کا کام اُس نے رات کے لئے چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ غسلخانہ میں بھی دو دروازوں کے نشان ملے۔ لیکن بوجہ خوف کے ان کے متعلق زیادہ تحقیقات نہ کی۔ اور اپنے کمرے میں آکر رامائن پڑھنے لگی۔ جب بارہ بجے تو رسوئی خانے میں گئی۔ وہاں رسوئی تیار پائی۔ پھر اسی کوٹھڑی میں آئی۔ جس میں سے گھنشام کی کوٹھڑی کو راستہ جاتا تھا۔ آبنوس کے ٹکڑے پر کان لگایا۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے بیڑیوں کی جھنکار سنی۔ فوراً کیل کو دبایا۔ اور تختہ کھول کر گھنشام کی کوٹھڑی میں جا پہنچی۔ اُس کی بیڑی، ہتھکڑی کو کھول کر اسے اپنے ساتھ اوپر لائی۔ اور رسوئی کھلائی۔ اس کے بعد پان کھلا کر اُسے اپنے کمرے میں بٹھا کر خود رسوئی خانہ میں گئی اور کھانا کھایا پھر گھنشام کے پاس آ بیٹھی۔

گھنشام نے کہا۔ پیاری چپلا! اس بات کا تو تمہیں کبھی خیال نہ آیا ہوگا۔ کہ میں یہاں مقید ہوں۔ بلکہ تم لوگ تو یہ جانتے ہوگے۔ کہ گھنشام اپنی خوابگاہ سے یکایک نہ جانے کہاں گم ہو گیا ہے۔

چپلا: "پیارے! یہاں پر قید ہونے کا خیال تو مجھے نہیں تھا۔ مگر دوسری بات جو تم نے اپنے غائب ہونے کی کہی ہے۔ وہ لوگوں میں کسی اور ہی طرح مشہور ہو رہی ہے"

گھنشام: "کیا اس طرح کہ میں غائب نہیں ہوا۔ بلکہ مارا گیا ہوں"

چپلا: "ہاں! لوگوں میں تو یہی مشہور ہے۔ دوسرے تمہاری خوابگاہ میں تمہاری کلائی جس میں بیاہ کا کنگن بندھا ہوا تھا۔ پائی گئی تھی۔ اور تمہارے مکان کے ساتھ ہی جو بھولا کا ہیرا رہتا تھا۔ وہ اپنے گھر میں قتل کیا ہوا پایا گیا تھا۔ اور اس کی لڑکی پتی جس کے ساتھ تمہاری آشنائی کا لوگوں کو شبہ تھا۔ اپنے گھر سے غائب تھی۔ پولیس کی تفتیش پر یہ بات قرار پائی۔ کہ بھیروں پرشاد پتی کے گھر اکثر آیا جایا کرتا تھا اس لئے ممکن ہے کہ اسی نے بھولا کو مارا ہو۔ اور تمہیں بھی شاید اسی نے مار کر کہ تم بھی پتی کے حسن پر فدا تھے۔ پتی کو لے کر غائب ہو گیا ہو۔ یہی سبب ہے۔ کہ لوگوں کو تمہاری موت کا یقین

ہو گیا تھا۔"

چپلا کی ان باتوں نے گھنشام کے کلیجے کے ساتھ وہ کام کیا۔ جو زہر آلودہ خنجر کسی بدنصیب شکار اجل کے ساتھ کرتا ہے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ آنکھیں ڈبڈبا آئیں اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ پیاری جب تم ہی نہیں بلکہ سب لوگ یہ بات جانتے تھے۔ کہ تپی کے ساتھ میری آشنائی تھی۔ تو اب میں اس بارے میں تم سے اصل حال کیوں چھپاؤں۔ بلکہ میں اپنی زندگی کا تاریک ترین پہلو دکھا کر تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

چپلا "میں آپ کی زندگی کے تاریک ترین پہلو کو دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس قید سے ہی آپ کے گناہوں کا پورا پورا کفارہ ہو گیا ہے۔ میں آپ کے حالات سننے سے پہلے ہی آپ کو معافی دیتی ہوں۔"

گھنشام "بے شک یہ سنگین قید کاٹنے سے میرے تمام گناہوں کا پرائشچت ہو جائیگا اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ پرماتما نے میرے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ اسی لئے ہم دونوں کو یہاں لاکر ملا دیا ہے۔ ورنہ تم یہاں کیسے پہنچ سکتی تھیں؟"

یہ کہتے کہتے گھنشام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہ نکلی۔ چپلا نے اپنے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ پیارے! اب فکر نہ کرو۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اگر جگدیشور کی مرضی ہوئی تو بہت جلد ہم دونوں اس قید سے رہا ہو جائیں گے۔

گھنشام۔ پیاری چپلا! اگرچہ میں نے تپی کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کیا تھا۔ مگر مجھے مطلق علم نہ تھا۔ کہ میرے علاوہ یہ فاحشہ عورت کسی اور سے بھی آشنائی رکھتی ہے۔ ہم رات تھی۔ جس کے اگلے روز میری اور تمہاری شادی ہونے والی تھی۔ اپنی خواب گاہ سے کمند کے سہارے کھڑکی کے راستے نیچے اتر کر تپی کے ہاں گیا تھا۔ کچھ رات گذرنے پر چند نقاب پوش ڈاکو نہ معلوم کدھر سے اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے زبردستی مجھے کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کر دیا۔ پھر میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ بھولا یا تپی کا کیا ہوا۔ کیونکہ جب

مجھے ہوش آیا۔ تو میں نے اپنے آپ کو اسی تاریک کوٹھڑی میں بیڑی ہتھکڑی سے جکڑے ہوئے پایا۔"

چپلا: "ایک دن رات کے وقت بھیروں پرشاد میری بھاوج یعنی اپنی بہن سے ملنے کے لئے باغ سے ہو کر کھڑکی کے راستے آئے تھے۔ میں اس وقت بھاوج کے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن مجھے اُن دونوں نے نیند سے مدہوش سمجھ کر باتیں کرنا شروع کیں۔ اس وقت بھیروں پرشاد کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ تم جیتے جاگتے ہو اور کلائی جو تمہاری خوابگاہ میں پڑی ہوئی تھی کسی اور کی تھی۔ بھولا کو مار کر تمہیں اور پتی کو کوئی دوسرا شخص اٹھا کر لے گیا ہے۔ بھیروں پرشاد پر ناحق خون کا الزام لگایا جا رہا ہے۔"

گھنشام: "ہاں! ٹھیک ہے۔ یہاں آکر جب میری بیہوشی دور ہوئی۔ تو کنگن میری کلائی پر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا۔ کہ کہیں راستے میں گر گیا ہوگا۔ مگر آج تم سے معلوم ہوا۔ کہ وہ خود ہی اتار لیا گیا تھا۔ اور کسی دوسری کلائی میں باندھ کر میری خوابگاہ میں ڈالا گیا تھا پیاری چپلا قید ہونے کے بعد میں اکثر سوچتا تھا۔ کہ تمہاری شادی کسی دوسرے کے ساتھ ہو گئی ہوگی۔"

یہ سنکر چپلا نے اپنا سر جھکا لیا۔ اور اس سوال کا کچھ جواب نہ دے اپنے گھر والوں پر جو مصیبتیں اور آفتیں آئی تھیں۔ اُن کا پورا پورا حال کہہ سنایا۔ اس نے کہا۔ میں سمجھتی ہوں۔ کہ بھولا کے خون کا الزام بھیروں پرشاد پر پولیس نے ناحق لگایا ہے وہ بےچارا بالکل بے قصور ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ بھولا کو مارنے۔ تمہیں قید کرنے پتی کو اڑا لے جانے اور مجھ کو قید کرنے والا انہی نقاب پوشوں میں سے کوئی شخص ہے جنہیں تم نے پتی کے گھر دیکھا تھا۔

گھنشام: "میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔"

چپلا:۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی ظالم ہے۔ اور جبکہ وہ مجھ سے اور تم سے ایک سادے اسٹامپ پر دستخط کروانا چاہتا ہے۔ تو یقیناً یا تو وہ ہم دونوں کو جان سے مار ڈالیگا۔ یا اسی قید خانے میں آخری دم تک قید رکھیگا۔"

گھنشام:۔ یہ تم نے خوب سوچا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ کہ اسٹامپ پر میرے دستخط کرا کر وہ میری کل جائداد پر اپنا قبضہ جمالے۔ لیکن تم سے دستخط کروانے میں اُسے کیا فائدہ ہے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

چپلا:۔ ٹھیک ہے۔ باوجود سوچنے کے میں اس معمے کو حل نہیں کر سکی۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ دستخط کر دینے پر ہمیں ضرور کسی نہ کسی آفت کا سامنا کرنا ہوگا۔ اتنے میں گھڑی نے پانچ بجا دئے۔ چپلا نے گھنشام کو رخصت کیا۔ اور آپ پلنگ پر جا کر سو گئی۔ کیونکہ رات بھر جاگتی ہی تھی۔ اور آج پھر اسے رتجگا کرنا تھا۔

رات کے ۹ بجے چپلا کی نیند کھل گئی۔ اُس نے پلنگ سے نیچے اتر کر منہ دھو کر نیند کا خمار دور کیا۔ اور چھت والی کوٹھری میں گئی۔ وہاں کھانا تیار ملا۔ گھنشام کو بلا لائی۔ اور کھانا کھلایا۔ پھر تھوڑا بہت خود بھی تناول کیا۔

گھنشام نے ہنس کر کہا۔ پیاری! میری اور تمہاری قید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کہاں میں خونی کی طرح بیڑی اور ہتھکڑی میں جکڑا رہتا ہوں۔ اور کہاں تم مزے سے دن کاٹ رہی ہو۔

چپلا نے مسکرا کر کہا۔ جی ہاں! ٹھیک ہے۔ آپ کو رشک آنا ہی چاہئے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے۔ کہ جس شخص نے مجھے یہاں لا کر قید کیا ہے۔ میں تھوڑے ہی دنوں میں اس سے شادی کر لونگی۔"

گھنشام:۔ چپلا! لڑکپن سے ہمارا تمہارا ساتھ رہا۔ لیکن اس شوخی سے تم نے آج تک گفتگو نہیں کی۔ آج کیا بات ہے۔ جو ہر میں مجھے یہ شکستہ تیر چلا رہی ہو۔"

چیلا نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا مگر کہا۔ بھلا یہ تو بتلاؤ۔ کہ جس شخص نے تمہیں یہاں پر قید کیا ہے یا جو تم سے سادے اسٹامپ پر دستخط کروانا چاہتا ہے۔ اُسے تم پہچانتے بھی ہو یا نہیں؟

گھنشام۔ مطلق نہیں۔ کیا تم نے اسے پہچانا؟"

چیلا۔ "نہیں میں بھی اسے نہیں پہچان سکی۔ اچھا ہم تم دونوں اس شخص کا حلیہ ملائیں۔"

دونوں نے اس شخص کا حلیہ ملایا۔ تو یقین ہو گیا۔ کہ وہ ایک ہی شخص ہے۔ اس کے بعد چیلا نے گھنشام کو وہاں سے رخصت کیا۔ اور آپ خفیہ دروازوں کا سراغ لگانے کیلئے مستعد ہوئی۔ پہلے وہ غسلخانے میں گئی۔ اور وہاں کے ایک چور دروازے کو کھولا۔ اس میں گول سیڑھیاں نظر آئیں۔ بے کھٹکے نیچے اتر گئی۔ اتر کر ایک کوٹھڑی میں پہنچی۔ وہاں کان لگا کر آہٹ لی۔ کہ یہاں پر کوئی ہے تو نہیں۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ یہاں پر کوئی نہیں ہے تو [illegible] تھا۔ ایک موم بتی روشن کی اس کی روشنی میں دیکھا۔ کہ ایک [illegible] کوٹھڑی ہے۔ جس میں دروازے کا کہیں نام و نشان نہیں۔

جب اچھی طرح دیکھا تو اسے دو نشان ملے۔ ایک کیل کو دبایا۔ تو دیوار کا ایک پتھر [illegible] گیا۔ [illegible] وہاں جھانک کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک [illegible] دیکھ کر اس نے اس پتھر کو برابر کر دیا [illegible] کے لئے قبر کا کام دیتا ہے۔ [illegible] اس نے [illegible] کیل کو دبایا۔ وہاں کا پتھر بھی ہٹ کر زمین میں دھنس گیا۔ چیلا نے وہاں جھانک کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا وہ حمام ہے۔ اس نے کچھ دیر تک اس حمام کی سیر کی۔ جب وہاں اپنے مطلب کی کوئی بات نہ پائی۔ تو سیڑھیوں کی راہ اوپر چلی آئی۔ اور پتھر کو برابر کر دیا۔ پھر دوسرے نشان کی طرف راغب ہوئی۔ کیل کو دبایا۔ پتھر وہاں سے ہٹ گیا۔ اور ایک نئی راہ پیدا ہو گئی۔ پھر وہ سیڑھیوں کی راہ سے برابر نیچے اترتی چلی گئی۔ نیچے

کی کوٹھڑی میں پہنچکر وہاں کے کیل کو دبایا۔ تو پتھر ہٹ گیا۔ اور خوشنما باغ سامنے نظر آنے لگا۔ یہ سمجھ کر یہ باغ بھی اس طلسمی عمارت سے تعلق رکھتا ہے۔ پتھر کو برابر کرکے سیڑھیوں کی راہ واپس کمرے میں آگئی۔ اور ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر سستانے لگی۔

جب کچھ دیر آرام کر چکی۔ تو ان پانچوں دروازوں کا پتہ نشان لگانے کے درپے ہوئی۔ جن کے نشانات آئینوں کے پیچھے ملے تھے۔ وہ آئینے ایک سپرنگ پر اس طرح لگائے ہوئے تھے۔ کہ جیسے دبانے سے وہ اوپر کو اٹھ جاتے تھے۔ اور وہ دیوار جہاں چور دروازوں کے نشان بنے ہوئے تھے بالکل خالی ہو جاتی تھی۔

جب اس نے باری باری سب کو کھول ڈالا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ پانچ بارہ بارہ ہاتھ لمبی کوٹھڑیاں ہیں۔ پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کوٹھڑی میں تو بیش قیمت لباس زیورات۔ ادویات اور مختلف قسم کے ہتھیار جیسے پڑھنے کے سامان اور گانے بجانے کے ساز ذخیرہ رکھے تھے۔ اور پانچویں کوٹھڑی میں قریب سے ہر قسم کی کتابیں [illegible] رکھے ہوئے تھے۔ اور کوٹھڑی کے بیچ میں ایک میز پر کچھ کاغذ [illegible] کا سامان خاص احتیاط سے رکھا تھا۔ ان چاروں کوٹھڑیوں میں سے [illegible] اور چند ایک ضروری ادویات لے کر ان کے دروازے بند کر دئے۔ اور پانچویں [illegible] الماریوں میں رکھے ہوئے کتابوں کی خوب دیکھ بھال کی [illegible] پھر ایک میز پر پڑے ہوئے چند کاغذوں کو دیکھ کر [illegible] جب اچھی طرح انہیں دیکھا۔ تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ایک [illegible] دو سلو [illegible] اسٹامپ اور عمارت کے نقشے لیکر اس نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ اور پھر سپرنگ دبا کر پانچوں آئینوں کو اپنی اپنی جگہ پر لٹکا دیا۔

اتنے میں گھڑی نے چار بجا دئے۔ اس نے تمام چیزوں کو اپنے بستر کے نیچے چھپا لیا۔ اور

اور خود کمند لیکر اوپر چھت پر آئی۔ کمرے کی چھت پر کمند پھینک کر اوپر چڑھ گئی۔ اور چھت پر جاکر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ معلوم کرنا چاہتی۔ کہ یہ عمارت کس ڈھنگ کی بنی ہوئی ہے کہاں واقع ہے۔ اور یہاں سے نکل بھاگنے کا کونسا راستہ ہے۔

اگرچہ صبح ہونے میں ابھی دیر تھی۔ تاہم ڈوبتے ہوئے چاند کے ہلکے اجالے میں اُسے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ عمارت زمین کی سطح سے بہت اونچی ہے۔ اور اس کے ارد گرد خوشنما باغ لگا ہوا ہے۔ لیکن اس سے باہر نکلنے کا رستہ کونسا ہے؟ اس کا پتہ نہ لگا سکی۔ آخر گھوم پھر کر چھت سے نیچے اُتر آئی اور کمند کو کھینچ لیا۔

اٹھارواں باب

دوسرے دن چپلا نے گھنشام سے اپنی رات کی کارروائی بیان کی۔ اور وہ چیزیں جو اُن کوٹھڑیوں سے نکال کر لائی تھی۔ دکھائیں۔ پہلے تو اُن چیزوں کو دیکھ کر گھنشام گھبرا گیا۔ مگر چپلا نے اطمینان دلا کر کہا۔ کہ اب گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ میں دو ایک روز میں ہی اِس نقشے کی بدولت اس مکان کے چپے چپے سے آگاہ ہو جاؤں گی۔ اور تمہیں ساتھ لے کر بے کھٹکے یہاں سے نکل جاؤں گی۔

گھنشام نے چپلا کو گلے لگا کر کہا۔ پیاری! سچ مچ تم بہت ہی ذہین اور عقلمند ہو۔ میں خوش نصیب ہوں۔ کہ تم میری بیوی بنو گی؟"

اُن دونوں میں بہت دیر تک ان کا غذات۔ ادویات۔ آلات وغیرہ کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ آخر چپلا نے گھنشام کو رخصت کیا۔ اور ایک خط لکھنے لگی۔ نئے میٹھی خط

کسے لکھا جائے۔ اور اس میں کیا لکھا جائے۔ اور پھر کیسے پہونچایا جائے۔ یہ سوالات تھے۔ جو بار بار اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔

آخر ان سب سوالات کا خاطر خواہ جواب پا کر وہ لکھنے کے لئے بیٹھی۔ لکھتے لکھتے شام ہوگئی۔ آفتاب غروب ہوگیا۔ رات کی تاریکی میں کمند کے ذریعے کمرے کی چھت پر گئی۔ خط کو تیر میں چھید کر کمان سے کان تک کھینچکر رہا کر دیا۔ اور خود نیچے آکر پلنگ پر سو گئی۔

چپلا عموماً دن کے وقت سوتی تھی۔ اور رات کو جاگتی تھی۔ آدھی رات کے وقت اس نقشے کی مدد سے اس مکان کا راز جاننے کی کوشش کرتی تھی۔ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر اسے سب کچھ معلوم ہوگیا۔ اب وہ جب چاہتی۔ گھنشام کو لیکر اس عمارت سے نکل سکتی تھی۔ لیکن اپنی بھیجی ہوئی چٹھی کا نتیجہ دریافت کرنے اور اپنے قید کرنے والے کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے موقعہ کا انتظار کر رہی تھی۔

جس عمارت میں چپلا نے چار پانچ آدمیوں کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا۔ اور وہ سب کے سب مالک مکان کے ملازم معلوم ہوتے تھے۔ ان ملازموں کے سوا دو تین تازی کتے بھی تھے جن کی وجہ سے وہاں مکھی بھی پر نہ مار سکتی تھی۔ اس طلسمی عمارت کے بھروسے پر ہی قید کرنے والے نے چپلا کی نگرانی کے لئے زیادہ آدمی تعینات نہیں کئے تھے۔ خط جو چپلا نے تیر میں باندھ کر چھوڑا تھا۔ اس کی نقل ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

بھیا!

میں ایسی آفت میں گرفتار ہوں۔ کہ جس کا آپ لوگوں کو وہم و گمان تک نہ ہوگا۔ آپ میرے لئے فکر نہ کریں۔ بلکہ یقین رکھیں۔ کہ اگر ایشور نے سہایتا کی۔ تو میں ایک نہ ایک دن ضرور اس قید سے رہائی پا کر آپ لوگوں سے آملوں گی۔ اور ایسے مخفی راز بتلاؤں گی۔ کہ ایک دفعہ آپ لوگ متحیر ہو جائینگے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ میرے قید کرنے والے کو اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

جب مجھے نقاب پوش ڈاکو اٹھا لائے۔ تو کلورافارم سونگھا کر مجھے بیہوش کر دیا۔ کب تک میں عالم بیہوشی میں پڑی رہی۔ یہ نہیں بتلا سکتی۔ ہاں! جب میری بیہوشی دور ہوئی اور میری آنکھ کھلی۔ تو میں نے اپنے تئیں ایک ایسے طلسمی مکان میں پایا۔ کہ جس کا حال لکھنا احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ کیونکہ اس کا طلسم انہی پر کھل سکتا ہے۔ جو اس میں آکر کچھ عرصہ کے لئے قیام کریں۔

مجھے ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ طلسمی مکان کس شہر میں اور کہاں واقع ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی۔ کہ اس عمارت کے اندرونی حالات بہت کچھ معلوم ہو چکے ہیں اور یہیں پر بابو .... بھی قید ہیں۔ میں اپنے قید کرنے والے کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ لیکن ابھی کئی باتوں کا مجھے علم نہیں۔ اس لئے اس شخص کے بارے میں میں ابھی تک کچھ لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اگر پرماتما کی مہربانی ہوئی۔ تو بھولا کے خونی کا پتہ بہت جلد آپ لوگوں کو دے سکوں گی۔ اور بابو بھیروں پرشاد اس خون ناحق کے الزام سے چھٹکارا پا جائینگے۔ اگر ہو سکے۔ اور نتی مل جائے۔ تو اسے اونچ نیچ دکھا کر داؤ پیچ میں لانے کی کوشش کرنا۔ کیونکہ جہاں تک مجھے واقفیت ملی ہے۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں۔ کہ لکھنؤ میں گول دروازے کے اندر وہ گلشن نام رکھ کر کوٹھے پر بیٹھتی ہے۔ اسکے علاوہ جس نے بابو موہن کی بیوی کو گھر سے نکال کر خراب کیا ہے۔ اور جس نے غازی پور میں کامنی کے ننگ و ناموس کو لوٹنا چاہا تھا۔ وہ شخص بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔ مگر جب تک میں پورے طور سے ان باتوں پر عبور حاصل نہ کر لوں۔ اور قید سے چھٹکارا نہ پا جاؤں۔ اس بارے میں زیادہ لکھنا مناسب نہیں سمجھتی۔

مجھے پختہ یقین نہیں۔ کہ یہ خط آپ کے پاس پہنچے۔ لیکن اگر کسی نہ کسی طرح مل جائے تو آپ متفکر نہ ہوں۔ کیونکہ باوجود قید ہونے کے مجھے ہر طرح کا آرام میسر ہے۔ اگر آپ یہ پتہ لگا سکیں۔ کہ میرا خط آپ کو کس شہر کے پوسٹ آفس سے روانہ کیا گیا ہے۔ تو پھر آپ مجھے

لئے اس طلسمی مکان کا ڈھونڈھ نکالنا کچھ بھی مشکل نہ ہوگا۔
اگر آپ اس طلسمی مکان کا پتہ پالیں۔ تو کسی روز رات کو اس کے اردگرد خوب آتشبازی چھوڑیں۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جائے۔ کہ آپ منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ اور میں جلد تر رہا ہو جاؤں گی۔ اور اگر ہو سکے۔ تو اپنے کسی آدمی کو اس مکان کے قریب تعینات کر دیں۔ بلکہ اسے دکان کھلوا دیں۔ اور ایک کبوتروں کے بیٹھنے کی چھتری وہاں لگوا دیں تاکہ میں ضرورت کے وقت بذریعہ خط اطلاع پہنچا سکوں۔ یا اگر موقعہ ملے۔ تو قید سے نکل کر سیدھی وہیں جا پہونچوں اور کیا لکھوں۔ ایشور پر بھروسہ ہے۔ اگر قسمت میں رہائی لکھی ہے تو یہ خط پہنچ جائے گا۔ ورنہ خیر۔

آپ کی پیاری بہن
چپلا

اُنیسواں باب

رات کے دس بجے تھے۔ بھیروں پرشاد مدن موہن کے کمرے میں بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے یکایک متعجب ہو کر کہا۔ کیا یہ سچ ہے؟

مدن موہن:۔ ہاں! بالکل سچ ہے۔ اور بھیرو راجہ کرشن کشور کا بتلایا ہوا ان کی شکل و صورت سے ملتا ہوا وہی کمبخت ہے۔ جس کے بارے میں میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے۔ جب میں بابو ہری ناتھ کے ساتھ غازی پور گیا تھا۔ تو تم بھی ساتھ ہی تھے ناؤ میں راجہ کرشن کشور سے ملا تھا۔ اور جب میں نے اپنا مطلب بیان کیا۔ اور اس بارے میں رائے لی

تو انھوں نے نہایت افسوس کے ساتھ اپنے بڑے بھائی کا نام لیا۔ جس کی شکل صورت بالکل اُن سے ملتی جلتی ہے۔ ہاں! پتی والی بات بڑی خوفناک معلوم ہوتی ہے۔"

بھیروں پرشاد" ٹھیک ہے اگر پتی کی باتوں پر یقین کیا جائے۔ اور اُن میں سچائی کی جھلک ہو۔ تو خونی کا گرفتار ہونا سخت مشکل ہے۔ پھر میری رہائی اس بلائے بے درماں سے کیسی ہو سکتی ہے۔"

"آپ کی رہائی میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کریں۔"

یہ کہتے کہتے بابو شیو پرشاد وہاں پہنچ گئے۔ اور انھوں نے اپنی جیب سے ایک خط نکال کر مدن موہن کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُس خط کو مدن موہن نے پڑھا۔ اور پڑھ کر بھیروں پرشاد کے ہاتھ میں دیا۔ مدن موہن اور بھیروں پرشاد دونوں کے دونوں اُس خط کو پڑھ کر پھڑک اٹھے۔ اور ایک ساتھ ہی شیو پرشاد سے پوچھنے لگے۔ کہ یہ خط تمہارے ہاتھ کیونکر لگا؟

شیو پرشاد نے کہا۔ لکھنؤ پوسٹ آفس کے کلرک بابو ہربنس لال میرے کلاس فیلو ہیں۔ انھوں نے اس خط کو اپنے خط کے ہمراہ میرے پاس بھیجا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں شام کے وقت گومتی ندی کے کنارے کنارے چہل قدمی کرتا ہوا جب مبارک منزل کے قریب پہنچا۔ تو تیر میں چھدا ہوا یہ خط ملا۔ ایک طرف تو آپ کا ایڈریس لکھا تھا اور دوسری طرف کسی عورت کا لکھا ہوا یہ مضمون تھا کہ اگر کوئی عالی صفات نیک شخص اس خط کو پائے۔ تو سے لیٹر بکس میں چھوڑ دے۔ میں اس خط کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں اور امید کرتا ہوں۔ کہ اگر اس میں کوئی پوشیدہ راز نہ ہو تو آپ ازراہ نوازش اس خط کے لکھنے والے کا نام اور مضمون مجھے بھی لکھ بھیجئے گا۔"

میں بابو ہربنس لال کا یہ خط پا کر لکھنؤ گیا۔ اور ان سے ملا۔ انہیں ساری کہانی سنائی۔ پھر ان کے ساتھ جا کر اس جگہ کو دیکھا۔ جہاں سے انہیں خط ملا تھا۔ مگر ہم لوگ

یہ پتہ نہ لگا سکے۔ کہ یہ خط کس طرف سے وہاں آیا۔ آخر یہ طے ہؤا۔ کہ بابو ہربنس لال اور ان کے چند ایک احباب صبح۔ دوپہر۔ شام اور رات کے وقت باری باری سے وہاں کا چکر کاٹتے رہیں۔ اور اگر وہاں سے کوئی اور خط وغیرہ پائیں۔ تو فوراً مجھے اطلاع دیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے ایک واقفکار کو مٹی کے برتنوں کی دوکان بھی کھلوا دی ہے۔ جو دن رات وہاں ہی رہا کریگا۔ اور جو خبر ملے گی۔ فوراً انہیں پہنچا دیا کریگا۔ ایک چھتری بھی کبوتروں کے بیٹھنے کے لئے وہاں پر کھڑی کر دی گئی ہے۔ لیکن ابھی تک کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

مدن موہن :- خوب! سب کام مکمل ہو چکا ہے۔ لیکن یہ تو کہو۔ کہ تمہارے لکھنؤ جانے کا حال کہیں ہری ناتھ کو تو معلوم نہیں ہو گیا۔ کیونکہ ان کے پیٹ میں کبھی کوئی بات نہیں رہتی"۔

شیو پرشاد :- میرے لکھنؤ جانے اور یہ کارروائی کرنے کا حال تو انہیں معلوم نہیں لیکن میرے منہ سے بابو ہری ناتھ کے سامنے اتنی بات ضرور نکل گئی تھی۔ کہ چپلا اور گھنشام جیتے جاگتے ہیں۔ اور دونوں کے دونوں تاریکی سے نکل کر یک بیک روشنی میں آیا ہی چاہتے ہیں"۔

بھیروں پرشاد نے گھبرا کر کہا۔ آپ نے بہت ہی برا کیا۔ جو اُن مہانما کے آگے یہ کہہ دیا۔ دیکھ لینا۔ اسی بات کا تبنگڑ بن جائیگا۔ اور عجب نہیں۔ کہ چپلا کے مستقبل پر اس کا برا اثر پڑے۔

شیو پرشاد :- بے شک! میں نے بہت برا کیا۔ مگر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ چپلا کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ہم لوگوں میں سے کوئی شخص ہر وقت بابو ہری ناتھ کے ساتھ رہے۔ تاکہ میرے الفاظ وہ بھول جائیں۔ یا انہیں منہ سے نکالنے کا موقعہ نہ ملے۔ آج آپ (مدن موہن کی طرف مخاطب ہو کر) راجہ کرشن کشور کے ساتھ اچھے موقع پر پہنچ گئے تھے۔ کیونکہ آپکے آنے سے ہم

لوگ اپنی گفتگو بند کرنے کے لئے مجبور ہوئے۔ اور شکر ہے۔ کہ میرے منہ سے اور کچھ نہیں نکلا اور انہیں بھی کچھ پوچھنے کا موقعہ نہ ملا۔ نہیں تو نہ جانے میں کیا کیا بک جاتا۔"

مدن موہن "میں آپ کی اس رائے کو پسند کرتا ہوں۔ کہ ہم لوگوں میں سے کوئی شخص ہر وقت بابو ہری ناتھ کے ساتھ رہے۔ اور انہیں ایسا موقع نہ دے۔ کہ وہ چپلا کے بارے میں کسی سے کچھ کہہ سکیں۔ اگر آپ کی رائے ہو۔ تو اس بارے میں راجہ کرشن کشور سے بھی رائے لی جائے۔ اور انہیں بھی اس کام میں شریک کر لیا جائے۔"

مدن موہن کے اس سوال کا جواب شیو پرشاد دیا ہی چاہتے تھے۔ کہ ایک نوکر نے آ کر راجہ کرشن کشور کی آمد کی خبر سنائی مدن موہن فوراً نیچے اُترے۔ اور راجہ صاحب کو اوپر کمرے میں لے آئے۔ شیو پرشاد اور بھیرول پرشاد نے اٹھ کر تعظیم کی۔ اور ان کے بیٹھنے کے بعد سب کے سب ادب سے چپ چاپ بیٹھ گئے۔

راجہ کرشن کشور نے شیو پرشاد سے مسکرا کر کہا۔ آج آپ نے بابو ہری ناتھ سے خوب کی باتیں کی ہیں کیا؟

یہ سنتے ہی مدن موہن شیو پرشاد اور بھیرول پرشاد ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے راجہ کرشن کشور نے پھر ہنس کر کہا۔ بابو ہری ناتھ الھڑ ہیں۔ اُن کے آگے کبھی بھی ایسی باتیں نہیں کہنی چاہئیں۔ باوجودیکہ میں اس بھید کو ابھی تک نہیں جانتا۔ لیکن جب انہوں نے اس بارے میں مجھ سے دریافت کیا۔ تو میں ان کی جلد بازی سمجھ گیا۔ اور میں نے ایسا چکمہ دیا۔ کہ انہیں یقین ہو گیا۔ کہ جو کچھ چپلا کے بارے میں مجھ سے شیو پرشاد نے کہا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ اب وہ اس بارے میں کسی سے تذکرہ نہیں کرینگے۔ کیونکہ جہاں ہزار عیب ہیں۔ اُن میں یہ ایک خوبی بھی ہے۔ کہ جب اُن کے دل میں کسی معاملے کے متعلق کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ تو وہ اسے ایکدم بھول جاتے ہیں۔ اور پھر کسی کے سامنے اس بات کا ذکر نہیں کرتے۔

راجہ کرشن کشور کی باتوں سے مدن موہن وغیرہ کے دل سے بات کے پھیل جانے کا شبہ دور ہو گیا۔ مدن موہن نے انہیں وہ تمام کہانی کہہ سنائی۔ جو ابھی ابھی شیو پرشاد نے ان سے کہی تھی۔ اور چپلا کا بھیجا ہوا خط بھی دکھلایا۔

کرشن کشور نے کہا۔ تو اب میری رائے ہے۔ کہ ہم لوگ کل ڈاک گاڑی سے لکھنؤ چلیں۔ اور وہاں پہنچکر مناسب کارروائی کریں۔ لیکن خیال رہے۔ کہ یہاں کسی پر ہم لوگوں کے لکھنؤ جانے کا ارادہ ظاہر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر چپلا اور گھنشام کے گرفتار کرنے والے کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ ہم لوگ اس کے برخلاف کارروائی کرنے کے لئے لکھنؤ گئے ہیں۔ تو عجب نہیں۔ کہ وہ اس مقام سے چپلا اور گھنشام کو نکال لے جائے اور ہم لوگ ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

مدن موہن۔ آپ کی اس رائے سے میں بھی اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن یہاں سے جانے کا بہانہ کیا سوچا ہے۔ اور لکھنؤ میں کہاں چھپ کر رہیں گے؟

شیو پرشاد۔ راجہ صاحب کہئے نا۔ بھائی مدن موہن کے سوالات کا کیا جواب سوچ رکھا ہے

کرشن کشور۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ ہم لوگ یہاں سے بمبئی کا بہانہ کر کے نکل جائیں۔ (شیو پرشاد کی طرف دیکھ کر) آپ اپنے گھر کی عورتوں کو سمجھا دیں۔ کہ اگر ان سے کوئی ہم لوگوں کے متعلق دریافت کرے۔ تو وہ یہی جواب دیں۔ کہ وہ لوگ بمبئی گئے ہیں۔ میں کل صبح بابو ہری ناتھ سے مل کر انہیں سمجھا دوں گا۔ کہ ہم لوگ سیر کرنے کے لئے بمبئی جاتے ہیں۔ اور ادھر سے لوٹ کر بابو ہر پرشاد کو بھی لیتے آئیں گے۔ آپ بابو شیو پرشاد کے گھر کی عورتوں کی حفاظت کریں۔ اور اگر کوئی پوچھے۔ تو بابو ہر پرشاد کی جستجو کی بات کو چھپا کر یہی کہیں۔ کہ وہ لوگ سیر کرنے کے لئے بمبئی گئے ہیں۔ میں یہاں کے مجسٹریٹ صاحب سے مل کر لکھنؤ کے مجسٹریٹ کے نام کا ایک سفارشی خط

لے لوں گا۔ تاکہ ہمیں خونی کے گرفتار کرنے میں زیادہ تردد نہ کرنا پڑے۔

راجہ صاحب کی یہ رائے سب نے پسند کی۔ پھر بھیروں پرشاد نے کہا۔ لکھنؤ کون کون جائے گا یہ بھی طے ہو جانا چاہئے۔

کرشن کشور: "آپ ہیں۔ بابو مدن موہن اور بابو شیو پرشاد"

بھیروں پرشاد: "مگر میں کھلے بندوں کیونکر جا سکتا ہوں"

کرشن کشور: "اس کا آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی حفاظت کا ذمہ وار میں ہوں اور آج سے آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھوں گا"

مدن موہن: "اچھی بات ہے۔ ان کی ماں اور بہن کو میں کل ہی سمجھا آؤں گا۔ کہ وہ پیچھے کسی قسم کا فکر نہ کریں"

شیو پرشاد: "اچھا تو وہاں جا کر آپ کہاں بود و باش اختیار کریں گے"

کرشن کشور: "اس کے لئے آپ تردد نہ کریں۔ جو کچھ کرنا ہو گا۔ میں کروں گا۔ کیونکہ بی بی چپلا نے اپنے خط میں ایک طلسمی عمارت کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے میں بخوبی سمجھ گیا ہوں کہ وہ کہاں قید ہے۔ اور اسے قید کرنے والا کون شخص ہے"

یہ بات سن کر سب کے سب پھڑک اٹھے۔ اور پوچھنے لگے۔ کہ وہ کون شخص ہے۔

کرشن کشور: "میں اس شخص کو بخوبی پہچان گیا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں۔ اس نے ان دونوں کو لکھنؤ میں کہاں قید کیا ہے"

کرشن کشور نے یہ ایک ایسی بات کہی تھی۔ کہ جسے سن کر سب کے دلوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ اور سب کے سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے اور سوال پر سوال کرنے لگے۔ اتنے میں کرشن کشور نے ان سب کو کوئی ایسی پوشیدہ بات بتلائی۔ کہ جسے سنکر پہلے تو بہت حیران ہوئے۔ لیکن پھر مارے خوشی کے اچھل اچھل پڑے۔

اسی گفتگو میں رات کے دو بج گئے۔ راجہ کرشن کشور بھیروں پرشاد کو ساتھ لیکر

اپنے ڈیرے میں آئے۔ اور شیو پرشاد اپنے گھر گئے۔ من موہن چارپائی پر لیٹ کر سو گئے
دوسرے روز وقت مقررہ پر سب لوگ ریلوے اسٹیشن پر پہونچے۔ اور ٹکٹ لیکر
ڈاک گاڑی سے روانہ ہوئے۔

بیسواں باب

بابو شیو پرشاد کے لکھنؤ جانے کے بعد بابو ہر پرشاد کا خط آیا جسے اُنکی غیر موجودگی
میں سدامنی نے کھولا اس میں لکھا تھا۔

میرے پیارے بھائی بابو شیو پرشاد جی!

تمہارا خط مِلا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ شکر ہے۔ کہ نوٹ کی چوری کے معاملے سے
پردہ اُٹھ گیا۔ لوگوں کا شک دور ہو گیا۔ بابو ہری ناتھ کے خط نے دھدھکتی ہوئی آگ
پر پانی کا کام کیا۔ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے۔ تم کامنی کی شادی ہری ناتھ بابو سے
کردو۔ اور اگر ایک مہینہ اور ٹھہر سکو۔ تو میں بھی پہونچ جاؤں گا۔ اور ممکن ہے کہ مہادیو
اور وشوا ناتھ بھی جاپان سے آجائیں۔

اس چھ ماہ کے ٹھیکہ میں پندرہ ہزار کا منافع ہُوا ہے۔ روپیہ یہاں کے ایک
مہاجن کی کوٹھی میں جمع کردیا گیا ہے۔ اب یہی ارادہ ہے۔ کہ ٹھیکے کے ختم ہوتے ہی یہاں
سے چلا آؤں۔ اور وہاں پر کوئی ایسا کاروبار شروع کردوں۔

نوٹ کی چوری کے بارے میں جو خط بابو ہری ناتھ نے مجھے لکھا ہے۔ اُس کی چند
ایک سطور بجنسہ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔ تاکہ تم لوگ اصل حال سے واقف ہو جاؤ۔

بابو ہری ناتھ لکھتے ہیں:۔

اس کے علاوہ آج یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ اُس نوٹ کی چوری کے جھمیلے میں بابو شیوپرشاد ناحق دھر لئے گئے۔ اور لوگوں نے آپ کی ذات پر بیجا شک کیا کیونکہ وہ سب میری ہی کارستانیاں تھیں۔ میرے ہی سبب بابو شیوپرشاد نے جیل خانے کا منہ دیکھا۔ میری ہی وجہ سے آپ کی نوکری گئی۔ آپ کے دو بھائی جاپان چلے گئے۔ آپ کے گھر کی عورتوں نے تکلیفیں اٹھائیں۔ اگر میں اپنے چمڑے کی جوتیاں بنا کر آپکے پاؤں میں پہنا دوں۔ تو بھی آپ لوگوں کے سامنے گردن نہ اٹھا سکوں گا۔ اور تو اور مجھے دینا فکر ہے۔ کہ میرے گناہوں کا کیا نتیجہ ہوگا میرے سیاہ اعمالوں کا کیا ثمرہ حاصل ہوگا کیا لکھوں۔ یہ ماں باپ کی تعلیم کا ہی نتیجہ ہے۔ کہ ہمارے بڑے بھائی صاحب شراب خوری اور رنڈی بازی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔ بھاوج صاحبہ ایک خدمتگار کے ساتھ نکل آگئیں۔ جس طرح کی بھاوج کی طرح گھر سے نکل کر اپنا منہ کالا کیا۔ معلوم نہیں اب ہمارے منجھلے بھائی صاحب جعل سازی کے جرم میں کالے پانی بھیج دئے گئے۔ جب تو خود شادی کا ہی چسکا پڑ گیا ہے۔ تو میں چوری کا پیشہ کیسے نہ کرتا۔ جس نوٹ کے بارے میں بابو شیوپرشاد کو سزا پائی ہے۔ اسے میں نے ہی چرایا تھا۔ جس لفافے میں وہ نوٹ تھا وہ لفافہ چھوڑ کر بابو شیوپرشاد مجسٹریٹ صاحب کے پاس چلے گئے تھے۔ میں نے اُن کی غیر حاضری میں لفافے سے نوٹ نکال لیا اور اس نوٹ کا سگرٹ بنا کر پی ڈالا۔ اگرچہ میں نے بدخیال سے اُس نوٹ کو نہیں چرایا تھا۔ اور نہ ہی میں یہ جانتا تھا۔ کہ یہ معاملہ اتنا طول کھینچیگا کہ شیوپرشاد جیل میں بھیج دئے جائینگے۔ اور یہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ بلکہ میں نے یہ کام الھڑپن کی وجہ سے کیا تھا۔

آخر جب اس معاملے نے بہت طول کھینچا۔ تو میں نے بابو شیوپرشاد کو سزا سے بچانے کے لئے ہزاروں روپے برباد کر دئے۔ لیکن جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ اور انہوں نے ناحق اتنی

تکلیف اُٹھائی۔ میں نے کئی بار سوچا کہ مجسٹریٹ صاحب سے نوٹ کے بارے میں جو کچھ اصل حال ہے۔ کہہ دوں۔ لیکن پھر یہ خیال تھا۔ کہ میرے اس بیان پر کون یقین کریگا۔ خاموش رہا۔ اور جب بابو شیو پرشاد جیل میں بھیج دیئے گئے۔ تو میں نے ارادہ کیا۔ کہ ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں۔ اور اسی خیال سے بنارس سے بمبئی میں پہنچا۔ اور اس پاپ کا پرائشچت کرنے کے لئے ہی دس ہزار روپے کے نوٹ بھی جاتے ہوئے۔ آپ کے گھر پہونچا گیا تھا۔

میری نگاہیں آپ لوگوں کے سامنے کبھی ٹھہر نہیں سکتیں۔ اور میں تازیست آپ لوگوں سے شرمندہ رہوں گا۔ میں نے آج ڈراپ سین کا پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور جو کچھ پردے کے پیچھے سٹیج پر تھا۔ آپ کو اچھی طرح دکھائی دے گیا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ لوگ مجھے صدق دل سے معاف کر دیں گے۔ اور میرے تعلق کو اپنے ساتھ مضبوط بنانے کی کوشش کریں گے۔"

بھائی شیو پرشاد! اب میں پھر تم سے مخاطب ہوتا ہوں۔ [illegible] اصل حال سمجھنے تو مرتے دم تک [illegible] رکھتا۔ اگرچہ اس نوٹ کی وجہ سے تم کو بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں۔ لیکن پھر بھی باموہری ناتھ نے جو امداد مجھ کو وقت دی ہے ہم لوگ شکریہ کے سوا اس کا بدلہ نہیں دے سکتے۔"

تمہارا بھائی

ہر پرشاد

جب اس خط کو سدا سکھ وغیرہ نے پڑھا۔ تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ اور اُن کے دل سے ہر پرشاد پر نوٹ کی چوری کا شک جاتا رہا۔

اکیسواں باب

دن کے تیسرے پہر کا وقت تھا۔ چپلا اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی گھنشام سے اُن ڈائریوں کے متعلق گفتگو کر رہی تھی۔ جو اُسے ایک کوٹھڑی سے ملی تھیں۔ کہ یکایک چھت کی کوٹھڑی کا دروازہ بڑے زور سے کھلا۔ اور اس میں سے نکل کر ایک شخص برہنہ تلوار لئے ہوئے کمرے کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

چپلا نے اُس شخص کو دیکھتے ہی گھنشام سے کہا لو! خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ۔ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ جماؤ۔ کمبخت آ پہنچا۔

گھنشام سے یہ کہکر چپلا نے ایک شیشی سے چند ایک سفید گولیاں نکال کر اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں دبالیں۔ اور اپنے ہاتھ میں تلوار لے لی۔

اتنے میں وہ شخص تاؤ پیچ کھاتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اور بڑی تیزی سے چپلا کی طرف دیکھ کر بولا۔ چپلا! بیچپا چپلا! میں نے سخت غلطی کی۔ کہ اس طلسمی مکان پر بھروسہ کر کے تیری نگرانی کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ میں نہیں جانتا تھا۔ کہ تو شیطان کی خالہ اور آفت کا پرکالہ ہے۔ خیر کچھ پرواہ نہیں ابھی منٹوں میں تیرا اور اس کمبخت کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔"

یہ کہکر جونہی وہ شخص گھنشام کی طرف بڑھا۔ چپلا نے تاک کر وہ گولیاں اُس کی ناک پر کھینچ ماریں۔ جنہیں اس نے اپنی مٹھی میں دبا رکھا تھا۔ ان گولیوں کے لگتے ہی وہ شخص تلملا کر گر گیا۔ اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ کیونکہ وہ گولیاں بے ہوشی کا اثر رکھتی تھیں۔ اس شخص کی یہ حالت دیکھ کر گھنشام نے اپنی تلوار ایک طرف رکھ دی

اور جھپٹ کر چپلا کو گلے سے لگا لیا۔ چپلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پیارے مہاتما کا دھنیاد ہے جس نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے۔

گھنشام:- ہاں بیٹی مالک کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس نے تمہارے جیسی بہادر لڑکی کو میری جان بچانے کے لئے یہاں بھیجا ہے۔

چپلا:- اچھا تو اب میں چاہتی ہوں۔ کہ اس مکان میں جتنے آدمی ہیں انہیں بیہوش کر کے اپنے قبضے میں کر لوں۔ اور پھر یہاں سے چلنے کا ارادہ کروں۔ یہ کہکر اس نے اس شخص کو زنجیروں سے جکڑ دیا۔ اور کمرے سے باہر نکلی۔ چھت والی کوٹھڑی میں داخل ہو کر چور دروازے کی راہ سیڑھیوں سے اتر کر ایک عالیشان دالان میں پہونچی۔ جہاں گیارہ آدمی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر چپلا ذرا نہ گھبرائی۔ بلکہ اُن میں سے دو شخصوں کو اس نے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ اور کہا۔ تم دونوں جلد اوپر آ جاؤ۔ تمہارے سردار تمہیں بلا رہے ہیں

یہ کہہ کر چپلا اُن کے آگے آگے چلی۔ اور وہ دونوں شخص اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جونہی چپلا اُوپر کوٹھڑی میں پہنچی۔ اس نے اسی پھرتی کے ساتھ ان دونوں کے منہ پر بیہوشی کی گولیاں ماریں۔ کہ وہ لگتے ہی چکر کھا کر زمین پر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ چپلا نے اشارے سے گھنشام کو بلایا اور دونوں نے مل کر انہیں بھی باندھ دیا۔ پھر چھت کی کوٹھڑی سے نیچے ہوتی ہوئی دالان میں پہونچی۔ اور وہاں بیٹھے ہوئے آدمیوں سے تحکمانہ لہجے میں بولی۔ کہ تم میں سے چار شخص میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

یہ کہہ کر اس نے سیڑھیوں پر قدم رکھا۔ اور چاروں اسکے پیچھے ہوئے۔

آخر وہ چاروں بھی بیہوش کر دیئے گئے۔ اور باری باری سے باقیوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ اب کمرے میں بارہ آدمی جکڑے ہوئے بیہوش پڑے

پڑے تھے۔ چپلا اور گھنشام ایک دوسرے کی طرف حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

گھنشام نے ہنس کر کہا۔ پیاری چپلا! اس شخص نے تمہیں شیطان کی خالہ بہت ہی ٹھیک کہا تھا بھلا یہ کارروائی جو تم نے ان بارہ آدمیوں کے ساتھ کی ہے کوئی انسان کا بچہ کر سکتا ہے؟

چپلا۔ (مسکرا کر) جی ہاں ٹھیک ہے۔ مگر یہ تو خیال فرمائیے۔ کہ اگر میں شیطان کی خالہ ہوئی۔ تو آپ کا شیطان کے ساتھ کیا رشتہ ہؤا خیر یہ وقت ہنسی مذاق میں ضائع کرنے کا نہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں۔ کہ تم یہاں بیٹھے بیٹھے ان کمبختوں کو دیکھتے رہو۔ اور میں ذرا اس مکان میں چکر لگا آؤں۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ اور کتنے آدمی گرفتار کرنے ہوں گے۔

یہ کہکر چپلا نے اپنے آنچل میں کچھ باندھا اور اس عمارت کے نقشے کو نکال کر دیکھنے لگی۔ پھر ایک ہاتھ میں کٹار اور دوسرے میں بیہوشی کی گولیاں لئے ہوئے چھت والی کوٹھڑی کی راہ سے نیچے دالان میں پہنچی۔ اور وہاں سے باغ میں جا کر گھومنے لگی لیکن سوا چند ایک گھوڑوں اور تازی کتوں کے اُسے وہاں پر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ گھوڑے تو اصطبل میں بندھے ہوئے چارہ کھا رہے تھے۔ لیکن کتوں نے چپلا کو دیکھتے ہی زور زور سے بھونکنا شروع کیا۔ اُس نے اپنے آنچل میں سے روٹیاں کھول کر ان کے آگے ڈال دیں۔ وہ اُنہیں کھاتے ہی بیہوش ہو گئے۔

چپلا اُس عمارت میں بہت گھومی۔ لیکن اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔ آخر پھر دالان میں آئی۔ اور جونہی اوپر کمرے میں جانے کے لئے سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ مکان کے صدر دروازے کی طرف سے شور سنائی دیا۔ چونکتی ہو کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ بات کی بات میں وہ پھاٹک۔ توڑ ڈالا گیا۔ اور ایک انبوہ کثیر اندر گھس آیا۔ ان میں بابو شیو پرشاد

بھیروں پرشاد اور مدن موہن بھی تھے۔

دالان میں کھڑی ہوئی چپلا پر پہلے شیو پرشاد کی نظر پڑی۔ وہ دیکھتے ہی مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ اور اپنے ساتھیوں کو وہیں روک کر چپلا کے پاس چلے آئے۔ چپلا پاؤں پر گر پڑی۔ انہوں نے فوراً اُسے اٹھا لیا۔ اور دلاسا دینے لگے۔

چپلا نے کہا۔ بھیا۔ آپ اچھے تو ہیں اور سب راضی خوشی ہیں نا؟

شیو پرشاد "ہاں بہن! سب خیر وعافیت سے ہیں۔ اور کل تم بھی گھر پہونچ جاؤ گی تمہارا ایک خط ہمیں ملا تھا۔ اس کے مطابق تمام کارروائی کی گئی ہے۔ لیکن پھر تمہارا کوئی خط نہ ملا۔ کئی روز تک تمہارے خط کا انتظار کیا۔ آخر آج پولیس کی مدد لے کر ہم لوگوں کو زبردستی اس طلسمی مکان میں گھسنا پڑا۔ ہمیں یہ امید نہ تھی۔ کہ پھاٹک سے اندر گھستے ہی تم دکھائی دے جاؤ گی۔ اب یہ بتلاؤ۔ کہ وہ شیطان کمل کشور کہاں ہے"

چپلا "آئیے اوپر آئیے۔ وہ کمبخت اوپر ہی پڑا ہے"

شیو پرشاد "اور بابو گھنشیام داس کہاں ہیں؟"

یہ سن کر چپلا نے شرم سے گردن جھکا کر کہا۔ اوپر چلئے"

آخر چپلا شیو پرشاد کو اوپر لے آئی۔ اور انہیں کمرے کے اندر جانے کے لئے کہہ کر آپ باہر ہی کھڑی رہی۔

شیو پرشاد کو دیکھتے ہی گھنشیام داس چونک اُٹھے۔ تعجب سے اپنی باہیں اُن کے گلے میں ڈال دیں اور کہنے لگے کہ ایشور تو دھن ہے۔ تیری مہما دھنیہ ہے۔ یہ عالم خواب ہے یا بیداری۔

شیو پرشاد "بے شک اسے عالم خواب ہی سمجھنا چاہئے"

گھنشیام "آپ یہاں کیسے آپہنچے"

شیو پرشاد نے چپلا کا خط پانے۔ اس کے مطابق ساری کارروائی کرنے اور

لکھنؤ آنے کا حال سُنا کر کہا۔ آج ایک ہفتے سے ہم لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن جب چپلا کی دوسری چٹھی ہمیں نہ ملی۔ تو گھبرا کر ہم نے پولیس کو اطلاع دی۔ اور دروازہ توڑ کر اس مکان میں پیش قدمی کی۔ اس وقت بابو مدن موہن اور بھیرو لال پرشاد کے علاوہ خود لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس دس انگریز سارجنٹ اور کوتوال کے علاوہ سو کانسٹبل بھی ہیں۔ اسی کانسٹبل اس عمارت کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں لیکن یہاں تو عجب تماشہ نظر آتا ہے۔ کمل کشور اور اس کے ساتھی پہلے ہی سے جکڑے پڑے ہیں۔ آپ نے یہ کارروائی بھی خوب کی ہے۔

گھنشام۔ جی! اس کارروائی پر میرا مطلق دخل نہیں۔

یہ سن کر شیو پرشاد باہر چھت پر چپلا کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ چپلا! تو نے تو غضب کیا۔

چپلا۔ میں نے کیا کیا؟

شیو پرشاد۔ ارے! تو نے ان بدمعاشوں کو کیونکر اس درجے تک پہنچا دیا؟

اس پر چپلا نے اپنے قید ہونے کی تاریخ سے لے کر اس دن کی تاریخ تک جو کچھ ہوا تھا۔ سب کچھ سنایا۔ اور ڈائریاں وغیرہ جو ملی تھیں۔ شیو پرشاد کے حوالے کر دیں جنہیں پا کر وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اور چپلا کو اوٹ میں ہو جانے کے لئے کہہ کر نیچے اتر آئے۔ ان کے جاتے ہی چپلا کمرے کے اندر گئی۔ اور گھنشام کے ہاتھوں میں ایک شیشی دے کر اور کچھ سمجھا بجھا کر خود دالان کی کوٹھری میں چلی گئی۔ اتنے میں ڈپٹی کمشنر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو لے کر شیو پرشاد اوپر آئے۔ اور اس کمرے کے اندر ان بارہ قیدیوں کو بیہوش پڑے ہوئے دکھلایا۔ پھر جس طرح اس درجے کو پہنچائے گئے تھے۔ کل مفصل حال بیان کیا۔ جسے سن کر وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ ڈپٹی کمشنر کی اجازت لے کر چپلا کی دی ہوئی شیشی سے عرق سیٹے کر رومال تر کر کے ان سب قیدیوں کو سونگھایا۔ وہ سب ہوش میں آ گئے۔ اور اپنے

سامنے شیو پرشاد، مدن موہن بھیروں پرشاد اور صاحب ڈپٹی کمشنر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو دیکھ کر بہت ہی گھبرائے۔

اس عمارت کا اچھی طرح ملاحظہ کرنے کے بعد اُن بارہ شخصوں کا چالان کر دیا گیا۔ چیلا کو پالکی میں سوار کرا کے بابو شیو پرشاد معہ دیگر احباب کے اپنے ڈیرے پر لے آئے۔ اور مکان پر گورے سارجنٹوں کا پہرہ بیٹھ گیا۔

بائیسواں باب

کمل کشور کو گرفتار کر کے بنارس بھیج دیا گیا۔ اور شیو پرشاد وغیرہ بھی بنارس لوٹ آئے چیلا نے جو کاغذات وغیرہ شیو پرشاد کو دئے تھے۔ عدالت میں پیش کئے گئے۔ اور عدالت نے کمل کشور پر خون۔ جعل سازی۔ فریب۔ ڈکیتی اور راہزنی وغیرہ کے کئی ایک مقدمات ایک ساتھ کھڑے کر دئے۔ اور اُن کی سماعت شروع ہوئی۔ کمل کشور نے ہر چند اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ نہ کر سکا۔ کیونکہ ثبوت مہیا ہو گئے تھے۔ اور دوسرے گکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر نے خود اپنی آنکھوں سے اس طلسمی مکان میں دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ڈائری صاف بتلا رہی تھی۔ کہ وہ سزا کا حقدار ہے۔ جرم ثابت ہو گیا۔ مجسٹریٹ کے حکم لکھنے کی کسر رہ گئی۔ کمل کشور کی ڈائری سے جو کچھ معلوم ہوا تھا۔ ہم اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کرتے ہیں۔

"پتی کی جب پہلی شادی ہوئی تھی۔ وہ دس گیارہ برس کی تھی۔ اتفاقیہ کمل کشور کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ اس کے حسن کا شیدائی ہو کر اس کی عصمت و عفت لوٹنے کے درپے ہوا۔

پتی کے شوہر کو زہر دے کر مار ڈالا اور پشت کا مکان کرایہ پر لے کر رہنے اور پتی سے اشارہ بازی کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد بھولا نے پتی کی دوسری شادی کی۔ مگر اُسے بھی کمل کشور نے ٹھکانے لگا دیا۔ پتی نوجوان بیوہ ہونے کی وجہ سے اُس کے جال میں پھنس گئی۔ بھولا کو ان دونوں کے اس ناجائز تعلق کا کچھ بھی حال معلوم نہ تھا اور نہ ہی اس نے کمل کشور کی کبھی صورت ہی دیکھی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا۔ کہ بھولا اپنی لڑکی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ بھیروں پرشاد کے ساتھ پتی کے ناجائز تعلق کا حال وہ کچھ کچھ جانتا تھا۔ اور چونکہ بھیروں پرشاد سے قرض لے کر اُس نے روپیہ ادا نہیں کیا تھا۔ اس لئے ہمیشہ اس معاملے میں خاموش رہتا تھا۔

ہندی زبان میں یہ مثل مشہور ہے۔ کہ ایک ناری جب دوسے پھنسی جیسے ستر ویسے اسّی اس لئے کچھ دنوں بعد گھنشام سے بھی پتی کی آنکھیں لڑ گئیں۔ لیکن یہ حال کمل کشور کو پہلے معلوم نہ ہُوا۔ جب اس نے ایک روز گھنشام اور پتی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو اُس کے بعد جو کچھ ہُوا۔ ہم اس کا حال پہلے ہی لکھ آئے ہیں۔ کمل کشور بھیروں پرشاد اور پتی کے تعلق کا حال نہیں جانتا تھا۔ لیکن جب بھولا اور گھنشام کے خون کے جرم میں پولیس نے بھیروں پرشاد کو خونی ٹھہرایا۔ اور اس کی گرفتاری کے لئے انعام مشتہر کیا۔ تو کمل کشور کی چڑھ بنی۔ اور اُس نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی کی امداد لیکر بھیروں پرشاد کی گرفتاری کے لئے دوڑ دھوپ کرنی شروع کی۔

اُس بدمعاش نے پتی کو پُھسلا کر اُس سے ایک چِٹھی لکھوائی تھی۔ اور پھر اسے دھتا بتا دیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کٹا کر رنڈیوں کا پیشہ اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو گئی تھی جیسے نازنین اُس کی تصویر کی بدولت لکھنؤ سے ڈھونڈھ لائے تھے۔ پتی کا وہ فوٹو کمل کشور کے ہاتھ کا کھینچا ہُوا تھا۔ جسے پتی نے بھیروں پرشاد کو دیا تھا۔ اور اس نے مدن موہن کو۔ ہاں تو وہ کونسی چِٹھی پتی نے کمل کشور کو لکھ کر دی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اُس سے ڈرتی تھی۔ اور اس کا پتہ نہیں بتلاتی تھی۔ چِٹھی یہ ہے:-

راجہ کمل کشور صاحب بہادر!

میں نے سنا ہے۔ کہ آپ میرے باپ کے خونی کو گرفتار کرنے کی کوشش میں سرگرم ہیں اس لئے میں آپ سے اصل حال عرض کرتی ہوں۔ بھیروں پرشاد اور گھنشام داس کے ساتھ میری آشنائی تھی۔ جب بھیروں پرشاد کو معلوم ہوا۔ کہ میرا گھنشام سے بھی تعلق ہے۔ تو اس نے گھنشام کو مار ڈالا۔ اور میں اس کی محبت میں اس قدر غرق ہوئی۔ کہ میں نے اس کے ساتھ مل کر غریب باپ کو بھی قتل کر ڈالا۔ کیونکہ گھنشام کے قتل کے وقت وہ بدنصیب آپہنچا تھا اور اس نے اس کام میں مزاحمت کی تھی۔ اب آپ کے لئے مناسب ہے۔ کہ بھیروں پرشاد کا پتہ لگانے سے باز آئیے۔ کیونکہ اُس سے کہ میں ایسی جگہ چھپی ہوئی ہوں۔ کہ آپ ہزار برس تک سر پٹکنے پر بھی پتہ نہیں لگا سکیں گے۔

آپ کی

پتی

ناظرین ملاحظہ فرمائیے۔ کمل کشور نے پتی سے کیا خط لکھوایا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ پتی بھولا کے خونی کا پتہ بتلاتی ہوئی ہچکچاتی تھی۔ کمل کشور نے اُسے دھمکی دے رکھی تھی۔ کہ اگر تو نے میرے خلاف ذرا بھی سر اُٹھایا۔ تو تیرا یہ خط پولیس کے حوالے کر دونگا پھر پھانسی پر چڑھے بغیر چھٹکارا نہیں ہو سکیگا۔

گورکھپور کے راجہ رادھکا کشور نے مرنے سے پہلے ہی اپنی کل جائداد دونوں لڑکوں میں برابر تقسیم کر دی تھی۔ گورکھپور کی زمینداری تو ان کے چھوٹے لڑکے راجہ کرشن کشور کے حصے میں آئی تھی۔ اور لکھنؤ کی زمینداری کمل کشور کے حصے میں۔ راجہ کرشن کشور تو دن بدن اپنی زمینداری کو بڑھانے لگے۔ لیکن کمل کشور اپنی جائداد کو برباد کرنے لگا۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ کمل کشور کے علاقے نیلام ہو کر بکنے لگے۔ تو کرشن کشور نے خریدنے چاہے۔

کمل کشور کے پاس اس وقت لکھنؤ کی طلسمی عمارت اور کچھ زیورات کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔
کمل کشور اور کرشن کشور کی صورت اتنی ملتی جلتی تھی۔ کہ بھیرول پرشاد کرشن کشور کو ہی خونی گردانتے تھے۔
ان باتوں کے علاوہ چنبیلی کو گھر سے بھگا لے جانے اور غازی پور میں سدامنی اور کامنی پر تشدد کرنے کا پورا پورا حال اُس ڈائری میں درج تھا۔ اور سب سے حیرت انگیز انکشاف تو ڈائری سے یہ ہوا کہ کمل کشور نے گھنشیام کو قید کرنے کے بعد اُس کے الٹے گوز ہرے کر مار ڈالا تھا۔ اور اس کے نام سے ایک جعلی بل تیار کیا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں شیونا تھ داس اپنے حواس خمسہ کی موجودگی میں اپنی کل جائداد کو اپنی خوشی سے اُس شخص کو دیتا ہوں۔ جس کے ساتھ چپلا کی شادی ہو۔ کیونکہ میرا نور نظر گھنشیام مارا گیا ہے اور میں لاولد مرتا ہوں۔ اس لئے اپنی کل جائداد کا مالک اُسی شخص کو بنانا چاہتا ہوں جس کے ساتھ چپلا بیاہی جائے۔
یہ جعلی وصیت نامہ بھی کمل کشور کی ڈائری کے ساتھ ہی ملا تھا۔ اس کے علاوہ اُن دونوں سادے اسٹامپوں کا حال بھی سنئے جن پر وہ گھنشیام اور چپلا کے دستخط کروانا چاہتا تھا۔
چپلا سے جس اسٹامپ پر وہ دستخط کروانا چاہتا تھا۔ اس کے مسودے کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں چپلا اپنی خوشی سے راج کمل کشور کے ساتھ شادی کرتی ہوں۔ میں کچھ دنوں سے اُن پر فریفتہ ہوں۔ جب میں نے دیکھا۔ کہ گھر کے لوگ میری مرضی کے بغیر میری شادی گھنشیام سے کرنا چاہتے ہیں۔ تو میں گھر سے بھاگ جانے کا راستہ ڈھونڈھنے لگی لیکن ماتما نے مجھے اس آفت سے بچا لیا۔ اور اسی رات گھنشیام کا خون ہو گیا۔ میں گھر سے باہر قدم نکالنے سے باز رہی۔ لیکن جب میری شادی دوبارہ کسی شخص کے ساتھ

قرار پائی۔ اور میرے گھر کے لوگ زبردستی کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ تو میں لاچار ہو کر چپ چاپ اپنے گھر سے نکل بھاگی۔ اور راجہ کمل کشور کے پاس چلی آئی۔ یہاں آکر میں نے اُن کے ساتھ شادی کر لی۔"

اسی طرح جس اسٹامپ پر گھنشام سے دستخط کروانا چاہتا تھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا۔ کہ میں (گھنشام) چپلا پر ہزار جان سے فریفتہ ہوں۔ اس لئے کسی دوسری عورت کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتا۔ مگر والد زبردستی چپلا کے ساتھ میرا بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں اپنی اس کلائی کو جس میں کنگن باندھا گیا تھا خود کاٹ کر اس گھر میں پھینکے جاتا ہوں۔ اور اپنے والد کی جائداد سے دست بردار ہوتا ہوں۔ والد جسے چاہیں میرا حصہ دے ڈالیں۔ مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔ اور اگر میں لالچ کے ہاتھوں پھنس کر عدالت میں اپنے حقوق کے لئے مقدمہ دائر کروں۔ تو خارج کر دیا جائے۔"

اس کے علاوہ یہ بات بھی ڈائری سے ظاہر ہوئی۔ کہ دونوں اسٹامپوں پر دستخط کرا کر وہ دونوں مسودے صاف کر دئے جائیں۔ اور پھر گھنشام کو مار ڈالا جائے۔ چپلا سے شادی کر لی جائے۔ اور کچھ دنوں کے بعد چپلا کو بھی ملک عدم کا راستہ دکھایا جائے۔ اور کسی دوسرے شکار کا پتہ لگایا جائے۔

کمل کشور کے علاوہ جو گیارہ آدمی اور گرفتار کئے گئے تھے۔ اُن میں سے آٹھ تو بے قصور سمجھ کر چھوڑ دئے گئے۔ لیکن بچو۔ قتلو خاں اور شیر علی پر جرم عائد ہو گئے۔

اُس طلسمی عمارت کی تلاشی لینے پر اُس کنوئیں میں۔ سے کئی ایک لاشیں برآمد ہوئیں۔ مگر یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ ہڈیاں کن بدنصیبوں کی تھیں۔ شاید اُن کا حال کمل کشور نے کسی اور ڈائری میں لکھا ہو۔

تیئسواں باب

کمل کشور اور اس کے ہم جلیسوں کے جہنم رسید ہونے میں اب بہت تھوڑی دیر لگی تھی۔ ادھر جج صاحب نے حکم لکھا اور ادھر اس کا کام تمام ہوا۔ وہ کمبخت اتنے جرائم کا مرتکب ہوا تھا۔ کہ جن کی سزا انگریزی قانون میں نہیں ہے۔ کیونکہ مہا رشیوں کے بنائے ہوئے شاستروں میں جو سزا ان جرائم کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ وہ آج کل نہیں دی جاتی۔ مانا کہ وہ پھانسی پا جائے۔ مگر پھر بھی یہی کہیں گے۔ کہ اس کے تمام گناہوں کی سزا یم راج کے سوا کوئی نہیں دے سکتا

شام ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ کہ پتی جج صاحب سے اجازت لیکر کمل کشور سے جیل میں ملنے کے لئے گئی۔ کمل کشور زنجیروں میں جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اور اُس کے سامنے چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پتی پھنکار رہی تھی۔ پتی نے زور سے ہنس کر طعنہ آمیز لہجہ میں کہا۔ کہئے! یہ کیا حال ہے۔ کیا اُن مذموم افعال کا یہی انجام تھا۔ اب آپ گھڑی دو گھڑی کے مہمان ہیں۔ اور میں آپ کے شریفانہ سلوک کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں

کمل کشور نے گردن جھکا لی۔ اور دبی زبان سے کہا۔ پتی! اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے زخم پھر ہرے ہو گئے ہیں۔ زخموں پر نمک پاشی نہ کر۔ جا! چلی جا!! آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جا۔ کیا میرے خلاف گواہی دیکر تیرا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

پتی نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ بیشک میں جاؤں گی۔ مگر کیا اکیلی! نہیں کبھی نہیں! سنو! جیسا جیتے جی تم نے میرا ساتھ دیا ہے۔ تو کیا اس وقت تمہیں چھوڑ کر میں چلی جاؤں۔ نہیں یہ تو ہرگز نہیں ہوگا۔ دیکھو تم نے میرے ساتھ برائی کی لیکن

تمہیں پھر شرم نہیں آتی۔ میری عصمت وعفت کو بے طرح لوٹا۔ میری آنکھوں کے سامنے میرے باپ کو بے رحمی اور بے دردی سے قتل کیا۔ اور آخر مجھے ہندو سے مسلمان بنا کر رنڈی کا پیشہ اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا۔ او بے وفا! وہ وقت یاد کر۔ جب میری سچی محبت کا دم بھرتا تھا۔ مجھے چکمہ دے کر تو نے تباہ و برباد کر دیا۔ اب صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا میری شاندار زندگی کو ذلیل کرنے والا تو ہی ہے۔ بتا! او نابکار جلد بتا۔ اب میں کہاں جاؤں۔ کیا کروں۔ کس کی ہو کر رہوں۔ اور کیونکر اپنا کالا منہ دنیا کو دکھلاؤں؟

یہ کہکر پتی نے بجلی کی طرح اپنی آستین کے اندر سے کٹار نکالی۔ اور کمل کشور کے کلیجہ میں یہ کہکر بھونک دی۔ کہ بے حیا! خونی ڈاکو! یہ میں اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیتی ہوں۔ اور جب تک جیل خانے کے سپاہی مجھے گرفتار کرنے کے لئے آئیں میں اپنے ہاتھ سے خود ہی اپنا خاتمہ کئے دیتی ہوں۔ یہ کہکر اُس نے اسی کٹار سے اپنا بھی خاتمہ کر لیا۔ اور ایک کی لاش ایک پر جا گری۔

اتنے میں سپاہی آپہونچے۔ اور یہ ماجرا دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دونوں کی لاشوں کو جیل خانے سے نکال کر شمشان بھومی میں لے گئے۔ اور انکے مردہ جسموں کو جلا دیا۔

اِدھر بیچو۔ قتلو خاں اور شیر علی کو اُسی دن پھانسی کا حکم مل گیا۔

مدن موہن نے جب یہ حالات اللتا سے کہے۔ تو چنبیلی نے بھی جو دائی کے بھیس میں تھی۔ سب کچھ سُنا اور کمل کشور کی موت پر دل ہی دل میں خوش ہوئی۔

چھبیسواں باب

تیسرے پہر کا وقت تھا۔ بابو شیو پرشاد کے سامنے کاشی کے مشہور جوتشی شیو دھار چرن جی بیٹھے ہوئے تھے۔ بابو شیو پرشاد کامنی کے بیاہ کا مہورت پوچھ رہے تھے۔ مگر اتنے میں راجہ کرشن کشور، بابو مدن موہن اور بابو ہری ناتھ آپہونچے۔ جوتشی جی کو دیکھتے ہی ہری ناتھ بابو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ جوتشی جی بھی انہیں دیکھ کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکرا کر رہ گئے۔ ہری ناتھ کے قہقہے نے سب کو اس طرف متوجہ کر دیا۔ سب کے سب ایک ساتھ کہنے لگے "ہری ناتھ! کیا ہو گیا، خیر تو ہے؟"

ہری ناتھ نے کچھ جواب نہ دیا۔ بلکہ چپ چاپ جوتشی جی کے پاس بیٹھ گئے۔ اور ہاتھ جوڑ کر بولے۔ میرا خیال ہے۔ کہ میں نے کہیں آپ کو دیکھا ہے۔

جوتشی "ہاں ٹھیک ہے۔ دیکھا ہوگا۔"

بابو شیو پرشاد بات کاٹ کر بولے "ہری ناتھ بابو جن جوتشی جی کی تعریف میں نے آپ سے کی تھی۔ سو وہ آپ ہی ہیں۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہ آپ کی پرانی واقفیت بھی نکل آئی ہے۔ جوتش کے متعلق آپ کے شکوک آج خاطر خواہ دور کر دینگے۔ آپ جی کھول کر سوال کریں۔"

بابو ہری ناتھ نے پہلے تو اپنی ناجائز حرکات کے لئے جوتشی جی سے معافی مانگی۔ اور پھر پوچھا "جوتشی جی! یہ آپ کے پاس کس کس کی جنم پتری ہے؟"

جوتشی جی "کئی لوگوں کی۔ ان میں آپ کی اور کامنی بی بی کی جنم پتری بھی موجود ہے"

ہری ناتھ "تو کیا یہ دونوں جنم پتریاں آپس میں ٹھیک مل گئی ہیں؟"

جوتشی جی :- ہاں! دونوں ہر ایک پہلو سے ملتی ہیں۔"

ہری ناتھ :- لگے ہیں۔ تو یہ سنتا آیا ہوں کہ جوتشی لوگ کامنی بی بی کو راکشنی کنیا بتلاتے ہیں۔ اور جہاں جہاں شادی کا انتظام کیا۔ وہاں وہی مر گیا۔ یہ کیا بات ہے؟

جوتشی جی :- جو کچھ آپ نے سنا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ کامنی واقعی راکشنی کنیا ہے ور اس کے گرہ ایسے زبردست پڑے ہیں۔ کہ معمولی آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جہاں شادی کا انتظام کیا۔ لڑکا مر گیا۔

ہری ناتھ :- تو پھر میرے متعلق یہ جنم پتری کیونکر مل گئی۔ کیا میں بھی راکشش ہوں۔"

جوتشی جی :- ہاں! آپ بھی گرہ کے لحاظ سے راکشش ہیں۔ بات یہ ہے۔ کہ کامنی جیسے راکششی کنیا ہے۔ ویسے ہی آپ بھی راکشش ہیں۔ اور جیسے زبردست گرہ کامنی کی جنم پتری میں پڑے ہیں۔ ویسے ہی زبردست گرہ آپ کی کنڈلیا میں ہیں۔ جنم پتری کے ملانے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کامنی بی بی مدت تک اگر ستی کا سکھ بھوگ کر آپ کے سامنے ہی سرگ لوک پدھاریں گی اور رنڈاپے کا رونا نہ روئیں گی۔"

ہری ناتھ :- بہت ٹھیک ہے! اگر آپ اجازت دیں تو چند ایک پرشن کروں۔"

جوتشی جی :- شوق سے کیجئے۔"

ہری ناتھ :- سوچئے! میں نے اپنا پرشن من ہی من میں کر لیا ہے۔ بتلائیے کیا ہے؟"

یہ سن کر جوتشی جی نے سلیٹ پنسل لے چند ایک نقشے بنائے اور دس منٹ تک حساب لگاتے اور سوچتے رہے۔ پھر کہنے لگے "آپ کا پرشن یہ ہے۔ کہ آتا کے مرنے پر نقدی اور جواہرات وغیرہ نہیں ملے۔ وہ کدھر گئے اور کیا ہوئے۔ کیوں آپ کا یہی پرشن ہے نا؟"

جوتشی جی کی باتوں سے ہری ناتھ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ پاؤں پر گر کر کہنے لگے۔ گرو جی! آپ نے میرے دل کی بات کیسے جان لی۔ سچ سچ میرا پرشن یہی تھا۔ کہ

میرے پرشن کے الفاظ بھی یہی ہیں۔

جوتشی جی :- بابو صاحب! بات یہ ہے۔ کہ ادھر تو انگریزی پڑھ لکھ کر لوگ چوپٹ ہوئے جاتے ہیں۔ اور اُدھر نافہم لوگوں نے جوتش کی مٹی پلید کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ لوگوں کو ان کے پرشنوں کا ٹھیک ٹھیک جواب نہیں ملتا۔ اور جنم پتریوں کے ملانے سے کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ علم جوتش دھوکے کی ٹٹی ہے۔ مایا جال ہے۔ لیکن دراصل یہ بات نہیں ہے۔ اگر آپ لوگ ادھر دھیان دیں اور جوتش اور ویدک کی بڑی بڑی پاٹھ شالائیں کھول کر برہمن کماروں اور دیگر شائقین کو اس کی تعلیم دلائیں۔ تو ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے۔ کہ یہی بھارت ورش ایک بار پھر اپنی پراچین عظمت کو حاصل کرلے۔ اور دیگر ممالک کی ہمسری کا دعویٰ کرے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ آپ لوگوں کے دماغ پر انگریزی تعلیم کا ایسا برا اثر پڑا ہے۔ کہ آپ انگریزی ڈاکٹروں اور جوتشیوں کے سامنے اپنے دیسی ویدا اور جوتشی کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔

جوتشی جی کے قدموں میں سب نے اپنے اپنے سر جھکا دئے۔ اور تھوڑی سی دیر تک بالکل سناٹا چھا گیا۔ راجہ کرشن کشور نے کاشی میں ایک جوتش کی پاٹھ شالا اور ایورویدک اسکول کھولنے کا وعدہ کیا۔ اور قسم کھائی۔ جوتشی جی نے مسکرا کر ہری ناتھ سے کہا۔ کہئے! اور بھی آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں؟

ہری ناتھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ نہیں مہاراج! معاف کیجئے۔ میں اب کوئی پرشن کرنا نہیں چاہتا۔ ہاں! یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں۔ کہ وہ خزانہ جس کی بابت میں نے ابھی آپ سے پرشن کیا تھا کب اور کیونکر ملیگا۔

جوتشی جی :- اچھا آپ اپنی پاکٹ بک میں درج کرلیں۔ آج سے ٹھیک چالیس دن بعد آپ کی ایک سالی اس خزانے کا پتہ لگائے گی۔

ہری ناتھ نے پاکٹ بک میں جوتشی جی کی باتیں نوٹ کرلیں اور کہا۔ گو آپ کی

یہ بات ٹھیک ہوئی۔ تو دو ہزار روپے آپ کی نذر کروں گا اور دس ہزار روپے راجہ صاحب کی قائم کردہ جوتش کی پاٹھ شالہ اور ایورویدک سکول کے رلیف فنڈ میں دوں گا۔

اس کے بعد بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جوتشی جی نے خود بخود ہر ایک سے پرشن کرائے۔ اور ان کے ایسے صحیح اور منہ توڑ جواب دیئے۔ کہ سب اُن کی کرامات کے قائل ہو گئے۔ اتنے میں یکایک بابو ہر پرشاد وشوا ناتھ پرشاد اور مہادیو پرشاد آ پہنچے۔ دونوں یہ دیکھ کر اور بھی علم جوتش کی قدر کرنے لگے۔ کیونکہ ابھی ابھی جوتشی جی نے ایک پرشن کے جواب میں فرمایا تھا۔ کہ تینوں بھائی ایک ساتھ ہی آیا چاہتے ہیں۔

تینوں بھائیوں سے مل کر جوتشی جی۔ راجہ کرشن کشور۔ بابو مدن موہن اور بابو ہری ناتھ وہاں سے رخصت ہوئے۔ اور وہ سب بھائی اپنی بہنوں سے ملنے کے لئے اندر گئے۔ آج مالتی کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ اپنے بچّی کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوئی کہ جس کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ آج بہت دنوں کے بعد ہر پرشاد کے اجڑے ہوئے گھر میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی۔ اسی وقت کدمنی نے مہادیو پرشاد کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بھیا! اب پیا لو دو۔

مہادیو:۔ "کیسا پیا لو؟"

کدمنی:۔ "کیا بھول گئے۔ یاد نہیں کہ ایک دن تم نے شرط ہاری تھی۔ اور پیالو دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

شیو پرشاد:۔ "ہاں ٹھیک ہے اس بات کی تو ہم بھی گواہی دیں گے۔"

اس پر سب کے سب بول اٹھے "ہاں ٹھیک ہے۔"

مہادیو:۔ "پھر یہ بھی تو ہم نے کہا تھا کہ جب ہمارے پاس روپے ہوں گے لے دیں گے۔"

کدمنی:۔ "بھیا! اب یہ بات میں نہیں مانوں گی۔"

وشوا ناتھ:۔ "ساری پگلی! ذرا صبر تو کر۔ تیرے لئے بھیّا جاپان سے پیا لو لیتے آئے ہیں۔"

گدیٹی "تو پھر دیتے کیوں نہیں؟"

تہا دیو نے اسی وقت بکس کھول کر گدینی کو بانسری نکال کر دیا۔ اور اس نے پریم کے ساتھ بجانا شروع کر دیا۔

چھبیسواں باب

چاروں بھائی اور چاروں بہنیں پھر ایک دفعہ اکٹھے ہو گئے۔ بابو ہر پرشاد نے موقع کو غنیمت جان کر کامنی کی شادی بڑی دھوم دھام سے بابو ہری ناتھ کے ساتھ کر دی۔ بابو ہری ناتھ نے بھی حتی الوسع اپنی شادی خانہ آبادی کے موقع پر خوب جی کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ اور کامنی کو جس کی چاہ میں مدت سے مر رہے تھے۔ اپنے گھر لے آئے۔

اس کے بعد شادی کا دوسرا نمبر چپلا کا تھا۔ جس کی وجہ سے بابو ہر پرشاد کا اجڑا ہوا گھر پھر ایک بار کاشانہ عشرت بن گیا۔ کیونکہ اگر چپلا اپنی جان پر کھیل کر کمل کشور کا قلع قمع نہ کرتی۔ تو آج یہ راگ رنگ کے نقشے نہ جمے ہوتے۔ اس بیاہ میں بھی بابو گھنشام داس نے بابو ہری ناتھ کی طرح دھوم دھام کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ کیونکہ ایک تو اس کی بدولت انہوں نے کمل کشور کی قید سے رہائی پائی تھی۔ اور دوسرے اپنے پتا کی جائداد پر قبضہ پایا تھا۔ انہوں نے جس قدر روپیہ کہ وہ صرف کر سکتے تھے کیا۔ اور دس روز تک خوب جشن شاہانہ رہا۔

اب شادی کا تیسرا نمبر سوشیلا کامنی کا آیا۔ جس پر راجہ کرشن کشور نے اپنا تن من

دھن نثار کر دیا تھا۔ وہ راجہ تھے۔ اس لئے انہوں نے روپیہ خرچ کرنے میں ذرا بھی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ جہاں تک ہو سکا۔ اپنے ٹھاٹھ کو زیادہ دکھلانے کی کوشش کی۔ آخر کد بنی اُن کے ساتھ بیاہی گئی۔ اور انہوں نے اسے دیوی بنا کر اپنے دل کے مندر میں جگہ دی۔

اس طرح تینوں بہنوں کی شادی سے فراغت حاصل کر کے بابو ہر پرشاد نے اپنے تینوں بھائیوں کا بیاہ بھی لگے ہاتھوں کر دینا مناسب سمجھا۔ اور اُن کے دوستوں اور بہی خواہوں نے بھی انہیں یہی رائے دی۔

بابو ہر بنس لال کلرک لکھنؤ پوسٹ آفس کی دو کنواری بہنیں تھیں۔ ایک سگی اور دوسری چچیری! سگی بہن عمر میں بڑی تھی۔ اور اس کا نام لالی تھا۔ چچیری [illegible] چھوٹی تھی اس کا نام کالی تھا۔ لالی سے شیو پرشاد کی شادی ہوگئی۔ اور کالی سے مہادیو پرشاد کی [illegible] کرشن کشور کی ایک [illegible] کنواری [illegible] کے ساتھ وشوا ناتھ پرشاد کی شادی ہوگئی۔ یہ [illegible] من موہن اور ہری ناتھ وغیرہ [illegible] وقت بابو ہر پرشاد کے گھر کی [illegible] شروع سے ہی اسی گھر میں پلی [illegible] لئے ہر پرشاد نے اپنی [illegible]

سیتا اس گھر کا [illegible] ساتھ بہت کچھ [illegible] بھی جتنے پرانے [illegible] چاروں بھائیوں نے مل کر [illegible] دن کاٹنے لگے۔

ادھر سب نے مل کر [illegible] پرشاد کی شادی بھی کر دی۔ اور وہ کاشی [illegible] کا

بیوپار کرنے لگے۔ اس کے بعد للتا کے ساتھ مدن موہن کی شادی کا حال کھلا۔ سب نے مدن موہن کی اس دور اندیشی کی داد دی۔ اور شادی کی مبارکباد دی۔ وہ للتا کو اپنے گھر لے آئے۔ اور رہنے سہنے لگے۔ چنبیلی یہ دیکھ کر اور بھی جل بھن گئی۔

چپلا کی دلیرانہ کارروائی سے جو اس نے کمل کشور کی طلسمی عمارت میں کی تھی۔ لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو اس بارے میں بہت کچھ لکھا۔ اور اس کی بہت تعریف کی۔ جس پر سرکار ہند نے اسے رانی کا خطاب عطا کیا۔ اور اعظم گڑھ کے علاقے سے کچھ زمین بھی بطور انعام پیش کی۔ زمین تو چپلا نے لے لی۔ لیکن خطاب کے بارے میں گورنمنٹ کو لکھا۔ کہ میرے بجائے میرے پتی کو راجہ کا خطاب دے دیا جائے۔ تو اور بھی عنایت ہوگی۔

گورنمنٹ نے یہ پرارتھنا منظور کی۔ اور گھنشام داس کو راجہ کا خطاب اور خلعت مرحمت فرمایا۔ بابو گھنشام داس کے راجہ ہونے سے چپلا بھی رانی ہو گئی۔ اور اس کی شہرت ولایت تک جا پہنچی۔

اِدھر کرشن کشور راجہ تھے۔ اور اُدھر بابو گھنشام داس بھی راجہ بن گئے۔ یہ دیکھ کر ہری ناتھ بابو نے بھی روپے کے زور سے راجہ کا خطاب حاصل کر لیا۔ اور کامنی بھی اپنی دونوں بہنوں کی طرح رانی ہو گئی۔

چھبیسواں باب

بابو مدن موہن کے لڑکے کا نام رسک موہن تھا۔ اچانک اس کو ہیضہ ہو گیا۔ گھر میں ہلچل مچ گئی۔ دوڑ دھوپ شروع ہوئی۔ للتا اور مدن موہن جان و دل سے اس کی خدمت کرنے لگے۔ شہر کے جتنے مشہور ڈاکٹر تھے۔ بلا کر دکھلایا۔ انہوں نے بابو مدن موہن کو تسلّی دی۔ مگر چنبیلی کی گھبراہٹ دور نہ ہوئی۔ اپنے پیارے بچے کو اس قدر تکلیف میں دیکھ کر کیسے چین آ سکتا تھا۔ بچے کی حالت نہایت ہی خطرناک تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی شخص بھی اس کے زندہ رہنے کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے چنبیلی کا بُرا حال تھا۔

چھتیس گھنٹے کی دوڑ دھوپ اور گھبراہٹ کے بعد بچے کی حالت کچھ سُدھرتی نظر آئی۔ چنبیلی چونکہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس لئے اسے وہ فرق معلوم ہُوا۔ آدھی رات کے وقت جبکہ للتا نیند سے اونگھ رہی تھی۔ مدن موہن اپنے دواخانے میں بیٹھے ہوئے کسی کتاب کا مطالعہ کرتے کرتے سو گئے تھے۔ مامتا کی ماری چنبیلی دیوانہ وار ان کے کمرے میں پہنچی۔ اُس نے انہیں اونگھتے ہوئے دیکھ کر ایک الماری کھول کر شیشی نکالی۔ اور آبدیدہ نگاہوں سے مدن موہن کی طرف دیکھ کر اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ بچہ پلنگ پر سو رہا تھا۔ اُس نے آنسو ڈھلکاتے ڈھلکاتے بچے کے گالوں کو چوم لیا۔ اُس کے پلنگ کا طواف کر کے چھت کی طرف آنکھیں اُٹھا کے کہنے لگی۔ جگدیشور! اس بچے کے بدلے مجھے اُٹھا لے۔ میں دُکھیا ہوں۔ زندگی سے بیزار ہو چکی ہوں۔"

یہ کہکر وہ پلنگ سے کچھ دور ہٹ کر زمین پر لیٹ گئی۔ پھر گھبرا کر للتا کو آواز دی
للتا چونک اٹھی۔ اور اس کے پاس آکر بولی۔ کیوں دائی! بچہ تو سو رہا ہے نا؟
چنبیلی نے کہا۔ "ہاں! وہ تو سو رہا ہے۔ مگر بی بی للتا۔ اب میں اس دنیا سے
کوچ کرتی ہوں۔ اس لئے تم میرا کہا سنا معاف کر دو۔ اپنے پران پتی کی سیوا کرنے
سے ذرا نہ کترانا۔ انہیں کبھی کسی بات کی تکلیف نہ دینا۔ اور اس بچے کو اپنے پیٹ
ہی کا بچہ تصور کرنا۔

للتا یہ سن کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اور گھبرا کر کہنے لگی "دائی! آج تم کیا
[illegible] رہی ہو؟"

چنبیلی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "بہن للتا! کیا تم نے مجھے ابھی تک
[illegible]

[illegible] سے لپٹ کر [illegible] کہا "کیوں جی جی آخر میرا
[illegible] کیا تم سچ مچ چنبیلی ہی ہو۔ اور یہ بچہ تمہارا ہی ہے؟"
[illegible] ہاں بہن تمہارا [illegible] وہی ابھاگی چنبیلی
[illegible] وقت میں [illegible] دیا ہوں میں
[illegible] آنکھوں [illegible]

[illegible]

[illegible] پاس [illegible] آخر [illegible]
[illegible]
[illegible] للتا [illegible]
[illegible] گھبرا [illegible] للتا [illegible]
[illegible]

چنبیلی کی آواز اور اس کے بدن کی ساخت پر دونوں کو اکثر خیال آتا تھا کہ ہو نہ ہو یہ چنبیلی ہے۔ لیکن چنبیلی کا چہرہ اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اُن کا وہ خیال دور ہو جاتا تھا۔

مدن موہن للتا کے ساتھ چنبیلی کے پاس پہنچے۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے آنکھوں سے گنگا اور جمنا بہہ رہی تھیں۔ اس لئے اُس کا چہرہ اور بھی ڈراؤنا ہو رہا تھا۔ مدن موہن کی آنکھیں اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈبڈبا گئیں۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ اور رونے لگے۔ آخر روتے روتے کہا۔

چنبیلی تم نے ایسا کام کیوں کیا۔ اور کیوں اتنے دنوں تک اپنے آپ کو کیوں چھپائے رکھا؟"

چنبیلی نے اپنا سر ان کے پاؤں پر رکھ دیا۔ اور کہا۔ پران ناتھ میں بدنصیب اور گنہ گار ہوں میرے گناہوں کی کوئی حد نہیں۔ میری آنکھیں جیتے جی دوزخ کے نظارے دیکھ رہی ہیں۔ اگر تم مجھے اس وقت سچے دل سے معاف نہ کرو گے۔ تو مجھے شاید نرک میں بھی جگہ نہ ملے گی۔ اور یم راج کے سامنے جانے پر میرے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کیا جائے گا۔

چنبیلی کے یہ درد انگیز الفاظ سن کر مدن موہن سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر بچے کی طرح زور زور سے رونے لگے۔

ان کی یہ حالت دیکھ کر چنبیلی نے کہا۔ نہیں نہیں! پران ناتھ تم روتے کیوں ہو۔ مجھے تکلیف ہو گی۔ نہ روؤ۔ میں تمہارا ہنستا ہوا چہرہ دیکھتے دیکھتے مرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہ امید نہ تھی۔ کہ باوجود اس قدر سیہ کاری کے میں آخری وقت میں اپنا سر تمہارے قدموں پر رکھ سکوں گی۔

اس کے بعد اُس نے اپنے گھر سے کمل کشور کے ساتھ نکلنا۔ لکھنؤ والی عمارت

میں قید رہنا۔ شیر علی کا اڑا کے لے جانا۔ اور رنڈی کے پاس بیٹھنا۔ وہاں جاکر اپنا چہرہ بگاڑنا۔ پھر وہاں سے بنارس آنا۔ اور کچھ دنوں تک شہر میں بھیک مانگ کر گذارہ کرنا اور بچے کی محبت سے متاثر ہو کر دائی بننا وغیرہ سب کچھ شروع سے آخر تک بیان کیا۔ آخر بولی۔ پران ناتھ! کیا اب بھی آپ مجھے معاف نہ کریں گے؟

مدن موہن نے آنسو پونچھ کر کہا۔ پیاری! میں سچے دل سے تمہارے قصور کو معاف کرتا ہوں۔ اور ایشور سے پرارتھنا کرتا ہوں۔ کہ تمہاری روح کو شانتی دے۔

اس کے بعد چنبیلی نے مدن موہن سے بچے کے بارے میں پرارتھنا کی۔ اور کہا۔ کہ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ پھر اس نے للتا اور مدن موہن کی نظر بچا کر اپنی ناک سے زہر کی شیشی نکالی۔ اور منہ میں الٹ لی۔ زہر نے بجلی کی طرح اپنا اثر دکھایا۔ رگ رگ میں گھس گیا۔ اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مدن موہن اور للتا ہاتھ ملتے رہ گئے۔

مدن موہن نے ایک برہمن سے اس کا مرتک سنسکار کرایا۔ اس بات کو مدن موہن اور للتا دونوں نے بالکل چھپائے رکھا۔ کہ وہ سچ مچ چنبیلی ہی تھی۔ لوگوں میں یہ مشہور تھا۔ کہ آج مدن موہن کی ایک دائی مر گئی ہے۔ جس کا سنسکار انہوں نے براہمن کے ہاتھ سے کرایا ہے۔

اب سوال یہ رہا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی دو وجہ تھیں۔ اول یہ کہ اگر مدن موہن اس کا مرتک سنسکار خود کرتے۔ تو ان کے دوست احباب میں چہ میگوئیاں ہوتیں۔ اور وہ ضرور ان سے اس کا سبب دریافت کرتے۔ مدن موہن کو اس سوال کے جواب میں چنبیلی کا سارا حال کہنا پڑتا۔ لیکن وہ کہنا نہیں چاہتے تھے۔ اور دوسرے ایک بیسوا کا یا عورت کا سنسکار کرنا اور ستک ماننا دھرم شاستر

میں ممنوع ہے۔ اس لئے مدن موہن جھجک گئے۔
چنبیلی کے مرنے کے بعد مدن موہن کا لڑکا بالکل تندرست ہوگیا تھا جس کے لئے سب نے انہیں مبارکباد دی۔

ستائیسواں باب

آج ہری ناتھ کو خزانہ ہاتھ آئے گا۔ جوتشی جی نے جو چالیس دن کی قید لگا رکھی تھی۔ وہ میعاد ختم ہو چکی تھی۔ بابو ہری ناتھ کے سب رشتہ دار یار غار اور دیگر احباب آج ان کے گھر اکٹھے ہو رہے تھے۔ بابو ہر پرشاد۔ شیو پرشاد۔ مہادیو پرشاد۔ وشوا ناتھ پرشاد۔ مدن موہن۔ گھنشام داس۔ بھیروں پرشاد اور راجہ کرشن کشور بھی موجود تھے۔ اسی طرح زنانہ کمرے میں بھی بہت سی عورتیں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ کامنی کی تینوں بہنیں سدامنی۔ چپلا اور رکمنی بھی آئی ہوئی تھیں۔ کیونکہ جوتشی جی نے کہا تھا۔ کہ ہری ناتھ کی ایک سالی ہی اس خزانے کا پتہ لگائے گی۔

ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ جس دن جوتشی جی کے جوتش کا امتحان لیا گیا تھا۔ اُس دن انہوں نے کہا تھا۔ کہ خزانہ چالیسویں دن ملیگا۔ اس کے دو تین دن بعد جوتشی جی راجہ کرشن کشور کو ساتھ لے کر ہری ناتھ سے ملے۔ اور ایک بند لفافہ دے کر کہا۔ کہ اسے آپ ایک ایسے صندوق میں بند کر دیں۔ کہ جس میں تین تالے لگے ہوں۔ جس دن میں نے خزانہ ملنے کی پیشینگوئی کی ہے۔ اسی روز

میں آپ اور راجہ صاحب اُس صندوق کو کھولیں گے اور دیکھیں گے کہ اس لفافہ میں کیا لکھا ہے۔

ہری ناتھ نے راجہ صاحب کے مشورے سے اس لفافے کو ایک صندوق میں بند کر دیا تھا۔ اور تین تالے لگا دئیے تھے۔ ایک چابی تو اپنے پاس رکھی۔ ایک جوتشی جی کے حوالے کی۔ اور ایک راجہ کرشن کشور کو دے دی۔

آج چونکہ اس صندوق کے کھلنے کا دن تھا اس لئے جوتشی جی کو ڈھونڈھنے کے لئے آدمی دوڑائے گئے۔ مگر ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ بابو ہری ناتھ گھبرا رہے تھے۔ اور راجہ صاحب ان سے بار بار یہی کہتے تھے کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ جوتشی جی وقت پر خود بخود آجائیں گے۔

دن کے دوپہر گذر چکے تھے۔ دوست احباب کمرے میں بیٹھے ہوئے ادھر اُدھر کی گپ شپ کر رہے تھے۔ کہ راجہ کرشن کشور نے ہری ناتھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ لوگ جو مجھ سے یہ پوچھا کرتے ہیں۔ کہ تم نے اپنے سگے بھائی کمل کشور کا مقدمہ کیوں نہ کیا۔ اور اس کی افسوسناک موت پر کس لئے افسوس ظاہر نہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک ہماری سرکار صاحب نے کمل کشور کو گرفتار نہیں کیا تھا۔ اُس دن تک میں نے اسے اپنا بھائی سمجھا۔ کیونکہ اُس کے جور و ظلم برداشت کئے۔ جب وہ گرفتار ہو گیا اور دفعتہً مکان اور سارے جنٹوں کی حفاظت میں چلا گیا۔ تو میں نے یہ سمجھ کر کہ نہیں اور کوئی ڈائری یا کاغذ ایسا نہ مل جائے۔ کہ جس کی وجہ سے ہمارا خاندان بدنام ہو کسی حکمت عملی سے وہاں کے کل کاغذات نکلوا کر اپنے قبضے میں کر لئے اُن کی چھان بین کی۔ ایک ڈائری اور کئی ایک کاغذات آپ لوگوں کو دکھلانے کے لئے رکھ لئے۔ باقیوں کو جلا ڈالا۔

یہ کہکر انہوں نے اپنی جیب سے وہ ڈائری اور کاغذات نکال کر سب کے آگے

رکھ دئے۔ اور کہا۔ سنئے صاحب! یہاں پر آپ جتنے صاحب موجود ہیں۔ ان میں ایسا کوئی بھی نہیں۔ جس سے ہمیں کچھ پردہ ہو۔ ہمارے پتا بڑے نیک اور رحم دل آدمی تھے۔ اس ڈائری اور کاغذوں سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اُن دنوں ہمارے ہاں رام دئی نامی ایک اپنی ہی ذات کی بدھوا اور خوبصورت عورت رہتی تھی۔ اس پر ہمارے پتا عاشق ہو گئے جس دن ہماری ماتا نے بچہ جنا۔ اُسی دن رام دئی کے بھی لڑکا پیدا ہوا۔ اُس نے دو دائیوں کی مدد سے ہمارے بڑے بھائی کو مار کر اپنے بچے کو سُلا دیا۔ جب تک رام دئی جیتی رہی۔ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن مرتے وقت ہمارے پتا سے اُس نے تمام قصہ کہہ دیا۔ اور یہ بھی بتلایا۔ کہ میرے بعد دو دائیوں کے سوا یہ راز اور کوئی نہیں جانتا۔ پتا کچھ نہ کر سکے۔ انہوں نے جائداد تقسیم کرنے کے بعد کمل کشور کو یہ تمام واقعہ سنا دیا۔ جسے کمل کشور نے ڈائری میں درج کر لیا تھا۔

وہ بدبو جو چیلا کو کنوئیں سے نکلتی ہوئی معلوم ہوئی تھی اُن دونوں دائیوں کی ہڈیوں سے آ رہی تھی۔ جن کا حال رام دئی نے راجہ رادھا کشور کو سنایا تھا۔ کمل کشور نے پتا کے مرتے ہی اُن دونوں کو مار کر ان کی لاشیں کنوئیں میں جھونک دی تھیں۔ اس کے علاوہ اُن کے تین رشتہ دار بھی بے گناہ قتل کئے گئے تھے۔ جب [illegible] ہو چکے تھے۔ [illegible] کنوئیں میں [illegible] درحقیقت جب کمل کشور ہمارا سوتیلا بھائی ہی [illegible] تو ہم کیوں اُس [illegible] سنسکار [illegible] اور کس لئے افسوس کرتے۔

یہ حال سُن کر سب کے سب حیران ہو گئے۔ لیکن دیر تک یہ حیرانی نہ رہی۔ کیونکہ اُسی وقت بُدھیا کی ماں نے کمرے میں پہنچ کر ہری ناتھ سے چلا کر کہا۔ راجہ صاحب مبارک ہو چلئے۔ دیکھئے۔ میری چیلا بی بی نے آپ کے خزانے کا پتہ لگا لیا۔

یہ سنتے ہی خوشی سے سب اچھل پڑے۔ اور ہری ناتھ نے آٹھ سو روپے کی سونے

کی مالا اپنے گلے سے اتار کر بُڈھیا کی ماں کے گلے میں ڈال دی۔ اور اندر جانے کے لئے دو قدم ہی بڑھے تھے۔ کہ جوتشی جی پہونچ گئے۔ سب نے اٹھ کر انہیں پرنام کیا۔ پھر انہوں نے کمرے کے اندر جاکر بیٹھتے بیٹھتے کہا۔ ٹھہرئیے! ا پہلے صندوق کھول کر اس خط کو پڑھ لیجئے۔ جو لفافے میں بند تھا۔ پھر محل میں جائیے گا۔

یہ سُنکر سب لوگ کمرے میں بیٹھ گئے۔ اور صندوق کے تینوں تالے کھول کر اُس میں سے خط کو نکالا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ جیٹھ شدی سپتمی سوموار تاریخ ۲۰ جون کو دن کے تین بجے بابو ہری ناتھ کے مکان کے مغربی کمرے کے دائیں طرف کے کونے میں چپلا بی بی خزانے کو پائیں گی۔

جوتشی جی نے جیسا کہا تھا۔ لفظ بلفظ بالکل درست نکلا۔ اُسی جگہ اسی کونے میں چپلا بی بی کو ایک کروڑ روپے کے جواہرات ہاتھ آئے۔

ہری ناتھ نے سب کو اس خزانے کے درشن کرائے۔ اور دل کھول کر دان دیا۔

اگلے روز جبکہ ہری ناتھ بابو اپنے دروازے پر کھڑے ہوئے فقیروں کو دان دے رہے تھے۔ ایک کوڑھا نظر آیا۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں گل چکی تھیں۔ ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ اور سارا بدن بھی پھوٹ نکلا تھا۔ زبان گل کر گر گئی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی ڈر گئے۔ اور اپنے پاس کھڑے ہوئے راجہ کرشن کشور اور بابو مدن موہن سے بولے کون کہتا ہے۔ کہ پرماتما اینائی ہے۔ اور پاپیوں کو ان کے پاپ کی سزا نہیں دیتا۔ دیکھئے یہ وہی شنبھو ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارا گھر تباہ و برباد ہو گیا۔

شنبھو کی یہ حالت دیکھ کر سب کے سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ ہری ناتھ نے اس کے آگے ایک روپیہ پھینک دیا۔ اور وہاں سے فوراً چلے جانے کے لئے کہا۔ وہ روپیہ اٹھا کر چلا گیا۔

دو بھنگی ایک کمبل کی جھولی میں بانس سے باندھے ہوئے ایک لاش لٹکائے ہوئے

لئے جا رہے تھے۔ کہ اچانک کمبل کے پھٹ جانے سے ہری ناتھ کے دروازے کے آگے لاش زمین پر آ رہی۔ ہری ناتھ ہکا بکا سا رہ گیا۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ وہ لاش گلاب کی ہے۔

گلاب گھر سے شمبھو کے ساتھ نکل بھاگی تھی۔ اور اس نے اپنے شوہر کا حصہ پانے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا تھا۔ لیکن شومئے قسمت سے مقدمہ ہار گئی۔ زیور وغیرہ جو گھر سے لیکر نکلی تھی۔ سب مقدمے کی بھینٹ چڑھ گیا۔ شمبھو اُسے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ گلاب فاقہ کشی کرتے کرتے بیمار ہو گئی۔ آخر ہسپتال پہنچائی گئی۔ اور وہاں کچھ دنوں تک سخت تکلیف اٹھا کر دنیا سے کوچ کر گئی۔ اسے ہسپتال کے کھنگی گنگا میں ڈالنے کے لئے اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ کہ کمبل پھٹ گیا اور لاش زمین پر گر گئی۔ ہری ناتھ نے اسے پہچان کر اپنے شوہر کا وصفیاد کیا۔ اور گناہوں سے بچے رہنے کے لئے پرارتھنا کی۔

راجہ کرشن کشور نے حسب وعدہ جوتش کی پاٹھ شالہ بنارس میں کھلوا دی۔ جسے ہری ناتھ نے بھی امداد دی۔ اور پختہ انتظام کر دیا۔ اس کے علاوہ جوتشی جی کو بھی مال و دولت سے مالا مال کر دیا۔

تمام شد

عہدِ مغلیہ کی مشہور و حسینِ جہاں ملکہ

نورجہاں

یہ ڈرامہ بابو دوجیندر لال رائے کے تمام ڈراموں میں ممتاز مانا گیا ہے۔
لائق مصنف نے اس ڈرامہ میں نورجہاں کی زندگی کو اس ڈھنگ سے قلمبند کیا
ہے کہ اس کی زندگی کے کسی واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کسی کی زندگی کو بلا
کم و کاست ناٹک کے پیرایہ میں بیان کرنا کسی معمولی ڈرامہ نویس کا کام نہیں۔ نورجہاں
ایک تواریخی ناٹک ہے جس کا پلاٹ تاریخ ہند سے لیا گیا ہے۔ [illegible]
کہ کس طرح جہانگیر جب کہ وہ شہزادہ سلیم کے نام سے پکارا جاتا تھا [illegible]
اور کس خیال سے اکبر بادشاہ نے نورجہاں کی شادی شیر افگن سے [illegible]
کی وفات کے بعد جہانگیر [illegible] نورجہاں کی یاد نے [illegible]
جہانگیر نے شیر افگن کو [illegible] سے قتل کرا ڈالا اور نورجہاں [illegible]
کی کوشش [illegible] سے نورجہاں نے [illegible]
بلکہ یہی [illegible]
ساتھ شادی کی [illegible] ڈرامہ نہایت دلچسپ اور رقت انگیز ہے [illegible]
نے اس کو بہت عمدہ [illegible]

ملنے کا پتہ [illegible] ایجنسی [illegible]

مالکان [illegible] ڈپو [illegible]

بنگال کا آخری نواب!

سراج الدولہ

یہ ناول بنگال کے مشہور ناول نویس بابو بنکم چندر لاہری کے ایک مشہور بنگالی ناول بنگیر شیش نواب کا پُرلطف اُردو ترجمہ ہے۔ اِس ناول میں بنگال کے آخری نواب سراج الدولہ کی زندگی کے تمام و کمال حالات ناول کے پیرایہ میں درج کئے گئے ہیں۔ یہ نواب سراج الدولہ کی عیاشیوں اور ظلمرانی کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔ اِس میں سراج الدولہ انگریزوں کا کیوں دشمن تھا۔ انگریزوں کا بنگال سے نکالا جانا۔ ان کا کلکتہ پر دوبارہ قبضہ کرنا۔ بلیک ہول کا واقعہ پلاسی کی جنگ اور دیگر اہم واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ناول بڑا دلچسپ سنسنی خیز اور رقت انگیز ہے۔ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ اُردو زبان میں اپنی قسم کا پہلا اور لاثانی ناول ہے۔ اِس سے پہلے اِس قسم کا ناول آپ نے نہیں پڑھا ہوگا۔ منگوائیے اور لطف اُٹھائیے۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحہ کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلےٰ قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ مجلد عہ

ملنے کا پتہ

نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب و پبلشرز

مالکان آریہ بک ڈپو بیرون لوہاری دروازہ لاہور